2806

Bazmi-Taimuriya

by

Sabahud-din
Abdur-Rahman

سلسلۂ دار المصنفین

(نمبر ۷۲)

بزمِ تیموریہ

یعنی ہندوستان کے تیموری بادشاہون، شہزادون اور
شہزادیون کی علم دوستی، علما، نوازی اور اُن کے درباری شعرا
وفضلا، اور دوسرے اصحابِ کمال کا تذکرہ

مرتبہ

سید صباح الدین عبد الرحمن ام۔اے

(رفیق دار المصنفین)

باہتمام

مولوی مسعود علی صاحب ندوی

مطبع معارف اعظم گڈہ مین چھپی،

۱۳۶۷ھ
۱۹۴۸ء

فہرست مضامین

بزم تیموریہ

شاہجہان
۱۶۹ - ۲۲۱

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

تیموری سلاطین رزم و بزم دونون میدانون کے مرد تھے، وہ جس درجہ کے فاتح و کشور کشا تھے اسی درجہ کے علم پرور اور ادب نواز بھی، وہ ترکی اور فارسی دونون مین اور آخری دور کے بادشاہ اردو مین بھی کمال اور شعر و ادب کا نہایت بلند اور ستھرا مذاق رکھتے تھے، اور اس کے نکتہ سنج نقاد تھے، جیسا کہ ان کی نظم و نثر اور تذکرون کے بیانات سے ظاہر ہے،

ان کے دور مین ہنگامۂ کارزار کے ساتھ علم و ادب کی محفل بھی گرم تھی، انکا دربار ہر فن کے اصحاب کمال اور علماء و شعراء کا مخزن تھا، اور انکی سرپرستی مین بہت سے علمی و ادبی کام انجام پائے، لیکن اس زمانہ مین تاریخ نویسی کا مذاق ایسا تھا کہ مورخین سارا زور قلم فتوحات اور کشور کشائی کی داستان سرائی مین صرف کر دیتے تھے، اور علم و ادب کے حالات کی جانب انکی توجہ کم رہتی تھی، تاہم اس دور کی تاریخین انکے ذکر سے یکسر خالی بھی نہین ہین لیکن رزم کے مقابلہ مین انکے نقوش اسقدر دھندلے اور پراگندہ ہین کہ ان سے انکا پورا مرقع نظر نہین آتا۔

تیموری سلاطین کی رزمیہ داستانین تو بہتون نے سنائی ہین لیکن انکی انجمن آرائی کے دلچسپ افسانے بہت کم لوگون نے سنائے ہین، اور گو ضمناً انکی ادب نوازی کے واقعات اور اس عہد کے شعراء و ادباء کے متفرق حالات لوگون نے لکھے ہین لیکن ابتک پورے استیعاب کے ساتھ اس دور کا ادبی گلدستہ کسی نے تیار نہین کیا ہے، اسلئے دار المصنفین مین جب تاریخ ہند کی تدوین کا کام شروع ہوا تو خیال ہوا کہ تیموریون کے سیاسی و تمدنی حالات کے ساتھ انکی علم پروری اور ادب نوازی کا نقشہ بھی دکھایا جائے، تاکہ ان کے کارنامون کا ہر رخ سامنے آجائے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بابر

بابر نہ صرف ایک عدیم المثال سپاہی عظیم المرتبت فاتح اور اولوالعزم بادشاہ تھا، بلکہ ارباب بصیرت نے اس کو ایک بلند پایہ اہل قلم اور قابل قدر شاعر بھی تسلیم کیا ہے، وہ تیمور کی چھٹی نسل میں تھا، ترکہ میں میدانِ کارزار کی پامردی و شجاعت کے علاوہ علم و ثقافت سے شیفتگی و دلدادگی بھی پائی تھی، عام طور سے تیمور کو ایک ظالم اور سفاک فاتح سمجھا جاتا ہے، مگر اس کی یہ تصویر ان مورخوں نے کھینچی ہے جنھوں نے تعصب کی عینک لگا کر اس کا مطالعہ کرنے کی کوشش کی ہے، ورنہ ملک گیری اور کشور کشائی کی معرکہ آرائی کے ساتھ ساتھ اس نے علم و فن کی انجمن آرائی بھی اسی طرح کی جس طرح ایک تاج و تخت کے مالک کو کرنا چاہیے، چنانچہ ارباب فضل و کمال خلوت و جلوت بلکہ میدان جنگ میں بھی اس کے ساتھ رہے، تزک تیموری میں خود اس کی زبان سے ہے کہ

"محدثین و ارباب اخبار و قصص کو میں اپنے پاس بلاتا، ان سے انبیاء، اولیاء، اور سلاطین کے قصے سنتا، سلاطین کے عروج و زوال کے واقعات معلوم کرتا، ان سلاطین کے قصے اور ان کی گفتار و کردار سے تجربے حاصل کرتا، اور دنیا کی تواریخ و آثار سے

چنانچہ ہمارے رفیق سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب ایم اے نے جنکے متعلق تاریخ ہندوستان کے بعض حصے کیے گئے تھے، اس کام کو شروع کیا، اور معارف مین تیموری بادشاہون کے علمی ذوق کے عنوان سے مضمون کا ایک سلسلہ شروع کیا جو اتنا بڑھا کہ ایک کتاب کے بقدر ہوگیا، اسلیے اسکو مستقل کتابی صورت مین شائع کردینا مناسب معلوم ہوا، اسکی نظرثانی مین انھون نے بہت سے اور معلومات کا اضافہ بھی کیا ہے، اور اب اسکی ضخامت پہلے سے دونی ہوگئی ہے،

تیموریون کے عہد کے علما، وفضلا، اور شعرا وادبا، اور انکے علمی وادبی کارنامون کی فہرست بہت طویل ہے، اسلیے اس کتاب مین صرف ان ہی لوگون کو لیا گیا ہے جو انکے دربار سے متوسل تھے، اور انہی کارنامون کو لکھا گیا ہے جو شاہان تیموری کی سرپرستی مین انجام پائے، اُن مین بھی بہت سے شعرا کو طوالت کے خیال سے قلم انداز کردیا گیا ہے، بعض ممتاز شعرا مثلاً فیضی، طالب آملی، نظیری، کلیم اور صائب وغیرہ پر اسلیے مختصر لکھا گیا ہے کہ انکی شاعری پر مفصل تبصرہ شعر العجم مین موجود ہے جس پر اضافہ کرنا ممکن نہ تھا، اور ان ہی کو دہرانا تحصیل حاصل تھا، بعض شعرا کے کلام کے انتخاب مین قصداً اختصار سے کام لیا گیا ہے، البتہ کہین کہین طویل قصائد اسلیے نقل کردیے گئے ہین کہ اس دور کی قصیدہ نگاری کا اندازہ ہوسکے،

اردو زبان کی ترقی مین تیموریون کا بڑا حصہ ہے لیکن یہ ایک وسیع موضوع تھا، اسلیے اس کتاب مین اس سے بحث نہین کی گئی، لیکن محمد شاہ، شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر کی شاعری پر تبصرہ سے اسکا کسی قدر اندازہ ہو جائے گا،

بہرحال تیموری سلاطین کی علم پروری اور ادب نوازی کا یہ مرقع اصحاب نظر کی خدمت مین پیش ہے، اور ان کے نقص وکمال کا فیصلہ وہی کرسکتے ہین،

افسوس ہے کہ صحت کے اہتمام کے باوجود کتاب مین کتابت وطباعت کی غلطیان رہ گئی ہین جن کی صحت کے لیے آخر مین غلطنامہ لگا دیا گیا ہے، ناظرین تصحیح فرمالین،

ہیچمدان
سید سلیمان ندوی
۲۰ اگست ۱۹۴۷ء

صاحبقران کے ساتھ سفر اور حضر میں برابر سادات، علما، فقہا، اہل فضل و دانش، بخشیان الغور اور دبیران فارس رہتے تھے، فرمان شاہی کے مطابق وہ روزمرہ کے واقعات قلمبند کرتے، صاحبقران کے افعال و اقوال، ملک و ملت کے احوال اور ارکان دولت کے کوائف بڑی تحقیق کے ساتھ حیطۂ تحریر میں لائے جاتے، سخت حکم تھا کہ ہر واقعہ بغیر کسی تصرف اور اضافہ کے لکھا جائے، خصوصاً ذاتی اصالت و نجابت کے بیان میں کسی قسم کی رعایت یا مداہنت نہ ہو حتیٰ کہ صاحبقران کی شہامت و شجاعت کے ذکر میں بھی مبالغہ نہ ہو، چنانچہ اس حکم کو سامنے رکھکر اصحاب قلم و بلاغت واقعات کو نظم و نثر میں مرتب کرتے، یہ تحریریں صاحبقران کے سامنے پڑھی جاتیں اور وثوق کے ساتھ ان کی تصحیح ہوتی، اسی طرح ترکی اور فارسی میں واقعات نثر اور نظم میں تالیف ہوتے، دربار کے بعض وابستگان واقعات کی تفتیش و تحقیق میں پوری کوشش کرتے[1]......

تیمور ہندوستان میں محمود تغلق کے خلاف صف آرا ہوا تو شرف الدین یزدی کا بیان ہے کہ میدان جنگ میں ارباب کمال اور اصحاب علم اس کے جلو میں تھے،

"در وقت تعیین مواضع سروران و اعیان مرحمت حضرت صاحبقران کہ در ہمہ حال شامل احوال اہل علم و کمال بودی از جمع علما، رفیع مقدار کہ ظفر کردار ملازم رکاب ہمایوں آثار بودند مثل خواجہ افضل پسر مولانا شیخ الاسلام سید جلال الحق والدین کشی و مولانا عبدالجبار پسر اقضی القضاۃ مولانا نعمان الدین خوارزمی......[2]"

ہر لڑائی کے بعد فتح و نصرت کی خوشی میں تیمور علما، و سادات کو انعام و اکرام سے مالا مال کرتا تھا[3]، دربار کے ایک جید عالم مولانا نظام الدین شامی نے تیمور کی فرمائش پر سادہ

[1] ظفرنامہ ج ۱ ص ۲۵ و ۲۲ [2] ایضاً ج ۲ ص ۱۰۱ [3] ملفوظات تیموری، ایلیٹ ج ۳ ص ۵، ۴،

مطلع ہوتا، مشائخ، صوفیہ اور عارفانِ خدا سے بھی ملتا، اور ان کی صحبت سے اخروی فوائد حاصل کرتا، معرفت کی باتیں سنتا، ان کے خوارق عادات و کرامات کا مشاہدہ کرتا، اور ان کی صحبت سے سرور حاصل کرتا تھا۔ . . . .

میرا حکم تھا کہ جو لوگ سادات و علما میں سے ہیں ان کا اعزاز و احترام کیا جائے، ان کی ہر ضرورت کو پورا کیا جائے، ان کے ساتھ پوری رعایت ہو۔[۱]

ملفوظات تیموری میں ہے:۔

"جب میں تولمبہ پہونچا تو دریا کے ساحل پر خیمہ زن ہوا، تولمبہ ملتان سے قریب اسّی میل کے فاصلہ پر واقع ہے .... میرے وزراء نے تولمبہ کے باشندوں پر ڈو لاکھ روپے کا تاوان عائد کیا تھا، اس کی وصولی کے لیے عمال بھی مقرر ہو گئے تھے، ان باشندوں میں سادات بھی تھے، جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے تھے علماء اسلام بھی تھے، جو وارث پیمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کہلاتے ہیں، سادات و علما میرے دربار میں ہمیشہ تعظیم و احترام کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں، اس لیے میں نے حکم دیا کہ ان سے تاوان نہ لیا جائے بلکہ میں نے بلا کر خلعت اور عربی گھوڑے عطا کیے۔"[۲]

ملفوظات تیموری میں تیمور کی کشور کشائی اور جہانبانی کی کہانی خود اس کی زبانی ہے، جو اس کے دربار کے ارباب علم و دانش نے قلمبند کی ہے، **تزوک تیموری** میں ملکی و حربی نظم و نسق کے ضوابط و قوانین ہیں، جو خود تیمور کی زبان سے ادا کیے گئے ہیں، ممکن ہے کہ مندرجۂ بالا اقتباسات دربار کے اہل قلم کی حاشیہ آرائی سمجھی جائے، لیکن شرف الدین یزدی نے ظفر نامہ تیمور کی وفات کے تیس[۳۰] سال بعد لکھی، اس میں مرقوم ہے:

---

[۱] تزوک تیموری، مطبع فتح الکریم بمبئی، ص ۱۱۳، ۱۳۰، ۱۱۴ [۲] ملفوظات تیموری الیٹ ج ۳ ص ۴۱۴

اپنے نانا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

"خان (یعنی یونس خان) مولانا شرف الدین علی یزدی کے ساتھ بارہ سال رہے، اور فضائل کا کسب کیا، ان کے ایسا خان ان سے پہلے اور بعد میں نہیں پیدا ہوا، جب مولانا کا انتقال ہو گیا تو خان یزد سے عراق، فارس اور آذربائیجان کی طرف چلے گئے، شیراز میں فضلاء کی مجلسوں میں شریک رہے، یہاں وہ استاذ یونس کے نام سے مشہور ہوئے...... ان میں بہت سے فضائل تھے، قرآن کی قرات خوب کرتے تھے، موزوں طبیعت بھی رکھتے تھے، موسیقی اور مصوری میں بھی ماہر تھے........[1]

اوپر کی سطروں سے ظاہر ہو گا کہ بابر کے باپ اور ماں دونوں کا خاندان علمی حیثیت سے بھی متمول تھا، اس لیے اس کی ابتدائی تعلیم بلند پیمانہ پر ہوئی، عہد طفولیت سے عنفوان شباب کے زمانہ تک اس کے جو اتالیق اور اساتذہ مقرر ہوئے، ان کے نام شیخ مزید بیگ، بابا قلی علی خدائی بیردی بیگ، اور خواجہ مولانا قاضی عبد اللہ تھے، شیخ مزید بیگ کا ذکر بابر اپنی تزک میں اس طرح کرتا ہے:-

"شیخ مزید بیگ میرے پہلے اتالیق تھے، ان کے قاعدے اور قرینے بہت اچھے تھے، وہ بابر مرزا ابن بایسنغر مرزا ابن شاہرخ میرزا ابن امیر تیمور کی خدمت میں بھی رہے تھے، عمر شیخ کی سرکار میں ان سے بڑا کوئی دوسرا امیر نہ تھا"[2]

بابر اپنے استاد اور پیر خواجہ مولانا قاضی عبد اللہ کے بارے میں لکھتا ہے:-

"خواجہ مولانا قاضی کا نام عبد اللہ تھا، اور عرف خواجہ مولانا تھا، باپ کی طرف سے ان کا نسب شیخ برہان الدین قلیچ تک پہنچتا ہے اور ماں کی جانب سے سلطان ایلیک ماضی تک

---

[1] تاریخ رشیدی ترجمہ ان، الیس و ای، ڈی، راس ص ۱۵۵، [2] تزک بابری ص ۲ و ۱۳،

اور سلیس فارسی میں اس عہد کی ایک تاریخ لکھی، اس کا نام بھی ظفر نامہ ہے، تیمور کی وفات سے ایک سال پہلے یہ تالیف ختم ہوئی[1]، افسوس ہے کہ یہ ابھی تک زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی ہے،

تیمور کی یہ علم نوازی اور علم پروری اس کی نسل میں برابر منتقل ہوتی رہی، تیمور کے پوتے الغ بیگ کی ہیئت دانی مشہور ہے، الغ بیگ کے دو لڑکے ممتاز شاعر اور نثر نگار تھے، بابر کے باپ عمر شیخ مرزا کو بھی یہ ثقافتی دولت میراث میں ملی، بابر نے اپنی تزک میں باپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے :-

"ان کے اخلاق و اطوار یہ تھے، حنفی مذہب اور خوش اعتقاد آدمی تھے، پانچوں وقت کی نماز پڑھتے تھے، قضائے عمری سب ادا کر دی تھی، بیشتر قرآن شریف پڑھا کرتے تھے، حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے مرید تھے، اکثر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، حضرت خواجہ بھی ان کو فرزند کہا کرتے تھے، وہ خاصے پڑھے لکھے تھے، خمسین (یعنی خمسۂ نظامی و خمسہ خسرو)، مثنوی (یعنی مثنوی جلال الدین رومی) اور تاریخ کی کتابیں ان کے مطالعہ میں رہتی تھیں شاہنامہ بہت دیکھا کرتے تھے، اگرچہ موزوں طبیعت رکھتے تھے، مگر شعر گوئی پر توجہ نہ کرتے تھے"[2]

عمر شیخ مرزا نے تاشکند کے مشہور چغتائی خان یونس خان کی لڑکی قتلق نگار خانم سے بھی شادی کی، اس کی ایک بڑی وجہ یونس خان کی علم دوستی بھی تھی، بابر قتلق نگار خانم ہی کے بطن سے تھا، یونس خاں کی ایک اور لڑکی خوب نگار خانم محمد حسین گورگان دغلت کے حبالۂ عقد میں آئی، اس سے ایک لڑکا حیدر میرزا دغلت تھا، جو تاریخ رشیدی کا مصنف ہے حیدر مرزا دغلت

[1] برٹش میوزیم کیٹلاگ (فارسی) ج ۱ ص ۱۷۰، [2] اردو تزک بابری مترجمہ میرزا نصیر الدین حیدر گورگانی ص ۱۰

تھے، اور جوش عقیدت میں ان کے مزار کی زیارت کو بھی گیا،

بابر شیخ الاسلام سیف الدین احمد سے بھی متاثر تھا، وہ ملا سعد الدین تفتازانی کی اولاد میں سے تھے، ترکستان سے آکر خراسان کے شیخ الاسلام ہوئے، ان کے بارے میں بابر لکھتا ہے کہ نہایت سمجھدار تھے، علم معقول و منقول سے خوب واقفیت رکھتے تھے، بڑے پرہیزگار اور متدین عالم تھے، شافعی تھے، مگر ہر مذہب کی رعایت کرتے تھے، ستر برس تک انھوں نے جماعت کی نماز ایک روز بھی ناغہ نہیں کی، بابر ملا شیخ حسن کے علم کلام کا بھی قائل تھا، اس کی رائے میں وہ حکمت، معقول اور علم کلام کے بڑے ماہر تھے، تھوڑے لفظوں میں بڑے بڑے مضامین کا بیان کرنا ان کے اختراعات میں سے تھا، ان کا ثانی کوئی نہ تھا، اجتہاد کے مرتبہ پر پہنچ گئے تھے، مگر اجتہاد نہ کرتے تھے، علم حدیث میں بابر میر جمال الدین محدث کا قدردان تھا، ان کے بارے میں وہ رقمطراز ہے کہ خراسان میں علم حدیث کا جاننے والا ان جیسا کوئی نہ تھا" عربی ادب میں بابر میر عطاء اللہ مشہدی کا معترف تھا، جس نے علم قافیہ میں ایک فارسی رسالہ لکھا تھا، اس کا ایک رسالہ صنایع بدیع بھی تھا جس میں شعر کے صنائع پر بحث ہے، بابر کو یہ رسالہ بہت پسند تھا، علم فقہ میں بابر قاضی اختیار کا قائل تھا، جنھوں نے فقہ میں ایک "عمدہ" رسالہ بھی تصنیف کیا تھا،

بابر نے اپنے ہم عصر شعراء سے بھی براہ راست یا غائبانہ مراسم رکھے، اور ان کے کلام کا مطالعہ عمیق نظروں سے کیا، ان شعراء پر اس نے جو نقد و تبصرہ کیا ہے، اس سے اس کی سخن سنجی اور سخن فہمی کے بلند ذوق کا اندازہ ہوگا، مثلاً علی شیر بیگ نوائی کے بارے میں لکھتا ہے:-

علی شیر بیگ بے نظیر آدمی تھا، ترکی زبان میں شعر کہا کرتا تھا، اور ایسا کہتا تھا کہ دوسرا کیا کہے گا، اس نے چھ مثنویاں لکھی پنج توخمسہ کے جواب میں ہیں، اور ایک منطق الطیر کے وزن پر لسان الطیر لکھی ہے، غزلوں کے چار دیوان مدون کئے ہیں، جن کے نام یہ ہیں

ملک فرغانہ میں اس خاندان کے لوگ پیشوا و شیخ الاسلام اور قاضی رہے ہیں، خواجہ مولانا حضرت خواجہ عبید اللہ کے مرید تھے، ان ہی سے تربیت پائی تھی، مجھ کو خواجہ قاضی کے ولی ہونے میں کچھ شک نہیں ہے، .... مولانائے مرحوم عجیب شخص تھے، ڈر اور خوف تو ان میں نام کو نہ تھا، ایسا دلیر آدمی دیکھا نہ سنا، یہ صفت بھی ولایت کی دلیل ہے، دنیا دار کیسے ہی بہادر ہوں مگر کچھ دھڑکا اور اندیشہ رہتا ہے، خواجہ اس سے بالکل پاک تھے"[1]

یہ بتانا مشکل ہے کہ ان لائق اتالیق اور اساتذہ کی نگرانی میں بابر کے ابتدائی درس میں کون کونسی کتابیں تھیں، مگر تزک میں اس نے کلام پاک، سعدی کی گلستاں و بوستاں، فردوسی کی شاہ نامہ، نظامی اور خسرو کے خمسے، شرف الدین علی یزدی کی ظفر نامہ، اور ابو عمر منہاج الجوزجانی کی طبقات ناصری کا جابجا ذکر ہے، اس لیے قیاس بلکہ صحیح قیاس ہے کہ خاندانی روایات کے مطابق یہ کتابیں اس کی ابتدائی تعلیم کے درس میں ضرور ہیں، بابر کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اس زبان کے علاوہ اس نے عربی اور فارسی کی بھی پوری تعلیم پائی، جیسا کہ مندرجہ بالا کتابوں کے نام سے ظاہر ہے،

بابر سن شعور کو پہنچا تو آبائی مملکت کو علوم و فنون کا گہوارہ پایا، سمرقند، فرغانہ، خراسان، اور خصوصاً شہر ہرات ارباب فضل و کمال سے پر تھا، بابر نے ان مقامات کے علماء و شعراء سے بالواسطہ اور بلاواسطہ کسی نہ کسی طرح سے استفادہ ضرور کیا ہے، بچپن کے زمانہ میں اس نے مولانا عبد الرحمن جامی علیہ الرحمہ کی شہرت سنی تھی، اور جب وہ سریر آرائے سلطنت ہوا تو مولانا جامی کا وصال ہو چکا تھا، مگر ان کی ذات سے بڑی عقیدت رکھتا تھا، اپنی تزک میں ان کا ذکر کرنا باعث برکت سمجھتا ہے، اس کا خیال ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں علوم ظاہر و باطن میں اپنا نظیر نہ رکھتے

---

[1] تزک بابری ص ۲۰ و ۲۰، بابا قلی اور خدائی بیردی بیگ کے ذکر کے لیے دیکھو تزک بابری ص ۳۰ و ۳۲،

اس کے اشعار بامعنی اور رنگین ہیں عشق وحال دونوں میں کورا تھا، اس کا دعویٰ یہ تھا کہ وہ اپنا کلام کبھی جمع نہیں کرتا، شاید یہ دعویٰ بناوٹی ہو، کہتے ہیں کہ اس کا کلام انیسی اسفرائی نے جمع کیا ہے، غزل کے علاوہ اور صنف میں شعر کم کہتا تھا، میں جس زمانہ میں خراسان گیا ہوں اس زمانہ میں مجھ سے ملا تھا، ایک بنائی تھا ہری کا رہنے والا، اس کے باپ کا نام استاد محمد بنا (معمار) تھا، اسی مناسبت سے اس نے اپنا یہ تخلص رکھا تھا، اس کی غزلوں میں رنگ اور حال دونوں باتیں ہیں، اس نے دیوان مرتب کرلیا ہے، مثنویاں بھی کہی ہیں، ایک مثنوی میوہ کے تلازمہ میں لکھی ہے، جس کی بحر تقارب ہے، لغو مثنوی ہے، ایک مختصر مثنوی بحر خفیف میں ہے، ایک اس سے بڑی مثنوی ہے بحر خفیف ہی میں، اس مثنوی کو آخر عمر میں پورا کیا ہے .... ایک شاعر صیفی بخاری تھا .... ایک دیوان تو اس نے معمولی طرز سے لکھا ہے اور دوسرا تمام اہل حرفت کے واسطے ہے، اس میں شایں بہت باندھی ہیں، اس کی کوئی مثنوی نہیں ہے، اپنے اس قطعہ میں وہ کہتا ہے:

مثنوی گرچہ سنت شعر است	من غزل فرض عین می دانم
پنج بیتے کہ دل پذیر بود	بہتر از خمستین می دانم

ایک رسالہ عروض کا فارسی میں بھی لکھا ہے، اشعار اس کے کم ہیں، مگر ایک طرح وہ پرگو ہے، کم تو اس سبب سے کہ کوئی کام کی بات نہیں لکھی، اور پرگو اس لحاظ سے کہ چھپے ہوئے فقرے، کھلے الفاظ اور اعراب کے ساتھ لکھے ہیں ،...... ایک شاعر عبداللہ مثنوی گو جام کا رہنے والا ملا کا بھانجا تھا، ہاتفی اس کا تخلص تھا، خمسہ کے مقابلہ میں اس نے مثنویاں لکھی ہیں، ہفت پیکر کے جواب میں تیمورنامہ لکھا ہے، اس کی مثنویوں میں سے لیلی مجنوں بہت مشہور مثنوی ہے، گو جیسی شہرت ہے ویسی عمدہ نہیں ہے، ایک میر حسین معمائی

غرائب الصغر، نوادر الشباب، بدائع الوسط، فوائد الکبر، ان کے علاوہ اور تصانیف بھی ہیں
جو ان سے کمتر درجہ کی ہیں، مولانا عبد الرحمن جامیؒ کے طرز پر ایک انشا بھی لکھی ہے، جو خطوط
جن کے نام لکھے تھے، وہ جمع کر لیے ہیں، ایک کتاب میزان الاوزان نام فن عروض میں لکھی
ہے، اس میں گھڑت بہت کی ہے، رباعی کے چوبیس وزن میں سے چار وزن غلط لکھے ہیں،
بعض بحروں کے اوزان میں بھی غلطی کی ہے، جو شخص اس کو دیکھے گا جان جائے گا، ایک دیوان
فارسی میں بھی لکھا ہے، فارسی میں فانی تخلص ہے، اس کے بعض اشعار برے نہیں ہیں، مگر اکثر
گرے ہوئے ہیں، فن موسیقی میں بھی اچھی چیزیں لکھی ہیں، عمدہ نقش اور پیشرو بنائے ہیں،
اہل فضل اور اہل ہنر کا قدردان و مربی علی شیر بیگ جیسا دوسرا آدمی پیدا ہونا دشوار ہے"۔

ایک اور شاعر شیخم بیگ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:-

اس نے اپنا تخلص سہیلی رکھا تھا، اس لیے شیخ سہیل مشہور ہو گیا، اس قسم کا شعر کہتا تھا جس
میں ڈراونے الفاظ اور معانی ہوں، اس کے اشعار میں سے ایک شعر ہے:

شب غم گردبادِ آہم زجا مے برد گردوں را
فرو برد اژدہائے سیل اشکم ربع مسکوں را

کہتے ہیں کہ ایک دفعہ اس شعر کو مولانا عبد الرحمن جامی کے سامنے پڑھا، مولانا نے ہنس کر
فرمایا کہ صاحب آپ شعر کہتے ہیں یا آدمی کو ڈراتے ہیں، اس نے اپنا دیوان بھی مرتب
کیا تھا، اور مثنویاں بھی لکھی ہیں،

اختصار و ایجاز اور جامعیت کے ساتھ بابر نے اور شعراء پر جو تنقیدیں کی ہیں ان کے نمونے
بھی ملاحظہ ہوں،

شاعروں میں ایک آصفی تھا، وزیر زادہ ہونے کی وجہ سے اس نے اپنا تخلص آصفی رکھا،

دیوان بھی ہے۔"[1]

تزک بابری | بابر نے اسی طرح اور دوسرے شعراء پر بھی اپنی وقیع رائے کا اظہار کیا ہے، جس کو ہم یہاں پر طوالت کی خاطر نقل کرنے سے گریز کرتے ہیں، اس کے علمی ذوق میں مذکورۂ بالا فضلا کی صحبت اور شعراء کے مطالعۂ کلام سے جو جلا ہوئی اسی کا نتیجہ اس کی **تزک بابری**[2] ہے جس کا شمار آج بھی دنیا کے بہترین علمی اور تاریخی سرمایہ میں کیا جاتا ہے، اور ہر ملک کے ارباب کمال نے بڑے ذوق وشوق سے اپنی اپنی زبانوں میں اسکے ترجمے کئے ہیں، یہ کتاب بابر نے اپنی مادری زبان ترکی میں لکھی تھی، گو ترکی کسی زمانہ میں اعلیٰ قسم کی علمی زبان نہیں رہی، لیکن بابر نے اپنی غیر معمولی ذہانت اور طباعی سے اس زبان میں بھی ایسا سلیس، لطیف اور شگفتہ طرز بیان اختیار کیا کہ اس کی کتاب ارباب علم وفن کے لیے جاذب توجہ ہو گئی اور اس کے ترجمے میں پڑھنے والے کو وہی لذت محسوس ہوتی ہے، جو ترکی جاننے والوں کو اصل کتاب میں ملتی ہوگی، ابوالفضل مؤلف اکبر نامہ بلاشبہہ دنیا کے اعلیٰ انشا پردازوں میں ہے، وہ تزک بابری کی فصاحت اور بلاغت کی تعریف ان الفاظ میں کرتا ہے،

"ووقعات خود را از ابتدائے سلطنت خود تا حالِ ارتحال از قرارِ واقع بعبارت فصیح وبلیغ نوشتہ اند۔

پھر اس کتاب کی گوناگوں خوبیوں میں رطب اللسان ہوتا ہے۔

دستور العملیست بجہت فرمانروایانِ عالم، وقانونیست در آموختن اندیشہای درست وفکر ہائے صحیح برائے تجربت پذیراں ودانش آموزانِ روزگار، وآں دستور العمل دولت واقبال را بموجب حکم جہاں مطاع شہنشاہی بتاریخ سی وچہار الٰہی وتفنگر رایات عالیات

---

[1] تزک بابری ص ۲۰۶، ۲۰۴، ۲۰۸، ۲۱۲، ۲۲۵، [2] تزک بابری کے نام وقعات بابری اور بابر نامہ بھی ہیں،

تھا، غالباً اس جیسا معما کسی نے نہ کہا ہو، اس کی عمر معما ہی کہنے میں گزری، عجیب فقیر مزاج، نامراد اور بے بدل آدمی تھا، ایک ملا محمد بدخشی تھا، اشکمش کا رہنے والا، جو داخل بدخشاں نہیں ہے، اگر تعجب ہے کہ تخلص بدخشی تھا، اس کے اشعار مذکورۂ بالا شعراء کے اشعار کے برابر نہ تھے، فن معما میں اس نے رسالہ لکھا ہے، اس کا معما عمدہ نہیں ہے، البتہ خوش صحبت آدمی تھا، سمرقند میں مجھ سے ملا تھا، ایک یوسف بدیعی فرغانہ کا رہنے والا تھا، قصیدہ خاصہ کہتا تھا، ایک آہی تھا، غزل اچھی کہتا تھا، صاحب دیوان تھا، ایک محمد صالح تھا، اس کی غزلوں میں چاشنی ہوتی تھی، اگر بندش اس چاشنی کے برابر نہ ہوتی تھی، ترکی میں بھی شعر کہتا تھا، اور برا نہ کہتا تھا، آخر میں شیبانی خان کے پاس آگیا تھا، وہاں تھوڑی بہت قدر ہو گئی تھی، ترکی زبان میں شیبانی خان کے نام پر ایک مثنوی لکھی ہے، لیلی مجنون وزن رمل مسدس میں جو وزن سبحہ ہے، یہ مثنوی سست اور گری ہوئی ہے...... ایک شاعر شاہ حسین کامی تھا، اس کے اشعار برے نہیں ہیں، غزل گو تھا، غالباً اس کا دیوان بھی ہو، ایک مثنوی بھی اس نے لکھی ہے، ایک ہلالی تھا، دیوان کے علاوہ اس کی ایک مثنوی بھی ہے۔ اگرچہ اس کے اور اشعار ایک انداز کے ہیں، مگر اس مثنوی کا مضمون اور بندش دونوں خراب ہیں، پچھلے شاعروں نے جو عشقیہ مثنویاں لکھی ہیں ان میں عاشق کو مرد اور معشوق کو عورت باندھا ہے، اس نے ایک فقیر کو عاشق بنایا ہے، اور بادشاہ کو معشوق جو اشعار بادشاہ کے اقوال اور افعال کے لکھے ہیں، ان میں سراسر فحش ہے، اپنی مثنوی لکھنے کے لیے ایک بادشاہ کی نسبت ایسا لکھا ہے کہ فواحش کی نسبت بھی نہیں لکھا جاتا، اس کا حافظہ بہت قوی تھا، چالیس ہزار شعر یاد تھے، کہتے ہیں کہ اکثر خمستین کے اشعار یاد کر لیے تھے، علم عروض و قافیہ میں اس کی بڑی شہرت تھی، اس کے اشعار برے نہیں ہیں صاحب

دیکھا اور پایا اس کو پچیس صفحوں میں تحریر کیا ہے، اس ملک کے نہ صرف حدود اربعہ، آبادی، آمدنی، ذرائع آمدنی وغیرہ کا صحیح صحیح حال لکھا ہے، بلکہ یہاں کے پھلوں، پھولوں، درختوں، پرندوں، چوپایوں، اور آبی جانوروں کے عادات وخصوصیات سے متعلق اتنے مفید معلومات فراہم کئے ہیں کہ موجودہ دور کے ماہرین نباتات وحیوانات بھی ان سے پورا فائدہ اٹھا سکتے ہیں، ان چیزوں کے متعلق اپنے مشاہدات کا ذکر کرتا ہے، اور پھر دوسروں سے جو کچھ سنا تھا اس کا بھی تجزیہ کرتا ہے، آخر میں ان چیزوں کی ترقی کے لیے اپنے ذاتی مشورے بھی پیش کرتا ہے......[۱]

سوانح بابر مولفہ ولیم ارسکن میں اس کتاب کی خوبیاں ان الفاظ میں بتائی گئی ہیں،

بابر کی تزک اپنی نوعیت کے لحاظ سے عجیب وغریب ہے، جن حالات میں اس نے یہ لکھی وہ اور تعجب خیز ہے، اس میں ایک تاتاری فرمانروا کی زندگی کی جزوی تفصیلات ہیں، اس کی رائے اور اس کے جذبات بالکل فطری طور پر نظر آتے ہیں، ان میں کوئی تصنع اور تکلف نہیں، ہر چیز صفائی اور سچائی سے لکھی گئی ہے، طرز تحریر سادہ اور مردانہ ہے، اسی کے ساتھ شگفتہ اور دلآویز بھی ہے، یہ ایک ایسے شخص کی تصنیف ہے جو غیر معمولی ذہانت اور مشاہدہ کی قوت رکھتا ہے، وہ اپنے ہموطنوں اور معاصروں کے خدوخال، عادات واطوار، افعال واعمال کی تصویر ایسی صفائی کے ساتھ کھینچتا ہے جیسے کوئی کچھ آئینے میں دیکھ رہا ہے اس لحاظ سے یہ کتاب ایشیا کی تاریخی تالیفات میں اپنی مثال آپ ہے، ایشیا کے عام مورخین اکابر کے اعمال وحرکات کا ذکر تو پرشکوہ طریقہ پر کرتے ہیں، لیکن ان کے عادات واطوار کو نظر انداز کر دیتے ہیں، وہ اور دوسرے لوگوں کا ذکر مطلق نہیں کرتے

---

[۱] تاریخ ہند، ہنری ایلیٹ ج ۴ ص ۲۲۰، ۲۱۸

از گلگشت بہارستان کشمیر و کابل مراجعت فرمودہ بود میرزا خان خانخانان بن بیرم خاں بفارسی ترجمہ نمود تا فیض خاص الخاص آن بعموم تشنہ لبانِ رشحات سعادت فائز شود، و گنج پنہاں او در نظر تہی دستانِ دانش آشکارا گردد۔[1]

ممکن ہے کہ تزک بابری کی یہ مدح سرائی بابر کے پوتے کے ایک درباری مورخ کی محض خوشامد پر محمول کی جائے، مگر موجودہ دور کے یورپین مبصرین اور ناقدین نے اور بھی زیادہ تفصیل کے ساتھ اس کتاب کی تعریف و توصیف کی ہے، حالانکہ وہ مسلمانوں کے کسی علمی اور تاریخی کارنامہ کے لیے اچھے الفاظ استعمال کرنا پسند نہیں کرتے ہیں، ہنری ایلیٹ لکھتا ہے :۔

بابر کی تزک ان سوانح عمریوں میں ہے جو سب سے اچھی اور سب سے سچی لکھی جا سکتی ہیں......

.... یہ کسی طرح سے (Expedition of Xenophon) سے کمتر درجہ کی نہیں، (Commentaries of Caesar) سے کچھ ہی کم ہو سکتی ہے"

یہی انگریز اہل قلم آگے چل کر تحریر کرتا ہے :

یہ کتاب نہ صرف تاریخی واقعات کے لیے اہم ہے، بلکہ اس میں بہت سی معلومات ایسی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ شہنشاہ (یعنی بابر) کس قدر غیر معمولی دماغ کا آدمی تھا، اور اسکا مشاہدہ کتنا قوی تھا، موجودہ دور کے سیاحوں نے اعتراف کیا ہے کہ بابر نے کابل، فرغانہ، اور ہندوکش کے شمالی علاقوں سے متعلق جو بیانات قلمبند کئے ہیں وہ اپنی صداقت اور تفصیلات کے لحاظ سے آج بھی دلچسپی سے پڑھنے کے لائق ہیں، اور ان میں اضافہ نہیں کیا جا سکتا، ہندوستان کی جو تصویر اس نے کھینچی ہے وہ بہت زیادہ توجہ کے قابل ہے، اس ملک میں ۱۵۲۶ء میں وہ فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا، اس نے یہاں جو کچھ

---

[1] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸

میں ان کا ذکر اس طرح کرتا ہے جیسے وہ ان کے ارد گرد بیٹھا ہو[1]

تزک بابری کی مقبولیت اور اہمیت کی ایک بڑی دلیل یہ بھی ہے کہ تمام اہم زبانوں میں اسکے ترجمے ہوئے، اکبر کے حکم سے عبد الرحیم خاں خانخاناں نے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، ایک فرانسیسی اہل قلم M. pavet de. Courteille نے اس کو فرانسیسی میں منتقل کیا، Mrs. Erskine اور Leyden دونوں نے مل کر اور پھر A. S. Beveridge نے اس کو انگریزی جامہ پہنایا، موخر الذکر نے اپنے ترجمہ میں اتنے مفید حواشی اور ضمیموں کا اضافہ کیا ہے کہ بہت کم کتابوں کو یہ خوبیاں میسر ہوئی ہونگی، اور روس کی اورنٹیل اکیڈمی نے روسی زبان میں اس کا ترجمہ کیا ہے، اردو قالب میں اس کو مرزا نصیر الدین حیدر گورگانی المتخلص بہ فانی نے تبدیل کیا،

بابر کی شاعری بابر ایک اعلیٰ قسم کا ادیب ہونے کے ساتھ ترکی زبان کا ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا حیدر دوغلت مؤلف تاریخ رشیدی کا بیان ہے کہ میر علی شیر بیگ نوائی کے بعد ترکی شاعروں میں کوئی اور بابر کا مد مقابل اور ہمسر نہ تھا، فرشتہ رقمطراز ہے کہ

"در علم موسیقی و شعر و انشاء و املا نظیر نداشت"[2]

اکبر نامہ میں ہے:

"آں حضرت را در نظم و نثر پایۂ عالی بود، خصوصاً در نظم ترکی، و دیوان ترکی آں حضرت در نہایت فصاحت و عذوبت واقع شدہ، و مضامین تازہ در آں مندرج است"[3]

بابر کا ایک دیوان شاہی کتب خانہ رامپور میں موجود ہے، اس دیوان کے علاوہ اس نے

---

[1] الفنسٹن، تاریخ ہندوستان ج ۲ ص ۱۱۹-۱۱۷

[2] تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۰۱ [3] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۱۸،

ہیں لیکن بابر ہر فرد کی شکل و صورت، پوشاک، طور اور طریقے اس خوبی اور سچائی کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ ہم اپنے کو ان اشخاص کے درمیان کھڑا پاتے ہیں، اور ان کی تمام سیرت نظروں کے سامنے آجاتی ہے"[1]

ایس۔ ایم۔ اڈورڈس نے بابرنامہ کو St. Augustine اور روسو کی Confession. اور گبن اور نیوٹن کی Memoirs کے ہم پلہ قرار دیا ہے[2] اس کا خیال ہے کہ یہ کتاب شروع سے آخر تک حق، صداقت اور راستبازی پر مشتمل ہو۔ اس عہد کے مشرقی اہل قلم زیادہ تر مرصع، مسجع اور پرتکلف عبارت لکھنے کے عادی تھے لیکن بابر نے اپنی سادہ فطرت کے لحاظ سے سادہ طرز تحریر بھی اختیار کیا۔ اس کا ذہنی کمال یہ ہے کہ وہ چند الفاظ میں کسی شخص کی سیرت کا مکمل نقشہ کھینچ دیتا ہے، ہرات کے سلطان حسین مرزا، احمد سلطان مرزا، اور اپنے باپ کے درباری امرا کی جو قلمی تصویر پیش کی ہے وہ بہت ہی خوب اور قابل تحسین ہے۔ ایک اور انگریز اہل قلم لکھتا ہے کہ بابرنامہ پڑھنے کے بعد غیر ارادی طور پر محسوس ہوتا ہے کہ بابر کا سینہ محبت، شفقت اور اُنس سے لبریز تھا، اس کی زندگی میں بڑے بڑے انقلابات ہوئے اس نے عسرت میں بھی دن گذارے، اور شان و شوکت کے ساتھ شاہی تخت پر جلوہ افروز بھی ہوا، مگر اس کے طبعی ذوق میں تبدیلی کسی حال میں نہیں ہوئی، دربار کی پرشکوہ آرائش میں بھی اپنے بچپن کے ساتھیوں کو نہیں بھولا، ان میں سے بعض کو یاد کرکے اشکبار بھی ہوا، ان کی باتوں کا حوالہ اکثر دیا کرتا تھا، ان کے ساتھ بچپن میں جو کھیل کھیلتا تھا، یا جو پرلطف مجلسیں ہوتی تھیں، ان کو بار بار اپنی تحریروں میں دہراتا ہے، وہ اپنی ماں اور گھر کی عورتوں سے دور رہنے کے باوجود اپنی تزک

---

[1] Life of Baber by W. Erskine صفحہ ۵۲۳

[2] Baber: Diarist and Despot by S. M. Edwardes باب چہارم

بابر نے **رسائل عروض** کے نام سے ترکی شاعری کے عروض پر بھی ایک کتاب لکھی[1]، اسکا سنہ تالیف شاید ۹۳۳ھ ہے[2]،

بابر نے اپنے تاثرات کا اظہار فارسی اشعار میں بھی کیا ہے، مگر ان کی تعداد بہت کم ہے پھر بھی جو کچھ ہیں ان کو اساتذۂ فن نے نگاہ تحسین سے دیکھا ہے، ابوالفضل نے اکبرنامہ میں لکھا ہے کہ "ہمچنیں بزبان فارسی نیز اشعار دلپذیر دارند" (جلد اول ص ۱۱۸)، تزک بابری اور دوسری کتابوں میں جو اس کے فارسی اشعار ملے ہیں ان کو ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

۹۲۵ھ میں بابر نے اپنے ہم جلیس خواجہ کلاں کو بجور کے قلعہ کی نگرانی کے لیے بھیجدیا، اسکی جدائی سے پریشان ہوا تو اس کے جانے کے دو ایک روز بعد یہ قطعہ لکھ کر اس کے پاس بھیجا،

قرار عہد بیاران چنین نبود مرا | گزید ہجر و مرا کرد بے قرار آخر
بہ عشوہ ہائے زمانہ چہ چارہ سازد کس | بجور کرد جدا یار از یار آخر

قلعہ بجور کے نام کی رعایت سے آخر شعر میں لفظ بجور نے قطعہ کو پر لطف بنا دیا ہے،

پانی پت کی لڑائی کے موقع پر بابر غیر ملکی ماحول سے پریشان تھا، اجنبی حریف کی اجنبی زبان سے اس کے ساتھی بھی کچھ بد دل تھے، گھبرا کر اس نے ایک شعر کہا

گرفتار قومے و قومے عجائب | شدہ جمعے و بود جمعے پریشاں

بیانہ کے قلعہ کی تسخیر کے موقع پر بابر نے اس کے حاکم نظام خان کو وعدۂ وعید کے فرمان بھیجے، اور اس فرمان پر فی البدیہہ یہ قطعہ بھی لکھ بھیجا، جس میں بیانہ اور بیان کی رعایت لفظی ملاحظہ ہو،

باترک ستیزہ مکن اے میر بیانہ | چالاکی و مردانگی ترک عیان است
گر زود نیائی و نصیحت نہ کنی گوش | آنجا کہ عیان است چہ حاجت بہ بیان است

---

[1] طبقات اکبری ج ۲ ص ۲۷، [2] بابرنامہ ترجمہ مسز بیورج ضمیمہ جات ص × لے ج ۲،

سنہ [illegible] میں ترکی زبان میں ایک مثنوی مبین بھی اپنے لڑکے کامران کے لیے لکھی جس میں مذہبی، فقہی اور اخلاقی مسائل پر دو ہزار اشعار ہیں، اسی لیے یہ درفقہ مبین اور فقہ بابری کے نام سے بھی موسوم ہے، اس کی ایک شرح بھی شیخ زین نے لکھی تھی[1]، بابر کی منظوم تالیفات میں ایک رسالہ **والدیہ** بھی ہے، یہ رسالہ اس کے استاد اور مرشد خواجہ عبید اللہ احراری کی تصنیف ہے، بابر نے ترکی میں اس کا منظوم ترجمہ کیا، جن حالات میں اس نے یہ رسالہ ہندوستان کے قیام کے زمانہ (سنہ ۹۳۵ھ) میں ترجمہ کیا ہے وہ خود اس کی زبان سے سننے کے لائق ہیں

جمعہ کے دن تیئیسویں تاریخ جسم میں ایسی حرارت معلوم ہوئی کہ جمعہ کی نماز مسجد میں مشکل سے پڑھی گئی، ظہر کے بعد احتیاطاً کتب خانہ میں گیا، بہت دیر تک بیٹھنی رہی، دوسرے دن ہفتہ کو بخار ہوا، کچھ جاڑا بھی چڑھا، سہ شنبہ ستائیسویں صفر کی رات کو دل میں آیا کہ خواجہ عبید کے رسالہ والدیہ کو نظم کردوں، حضرت خواجہ کی روح سے ملتجی ہوا، اور دل میں دعا کی کہ یہ نظم آنحضرت کو مقبول ہو، اس کے قبول ہونے کی دلیل یہ ہے کہ جس طرح قصیدہ بردہ مقبول ہوا، اور اس کا کہنے والا مرض فالج سے اچھا ہوگیا، اسی طرح میں بھی تندرست ہوجاؤں، اسی نیت سے وزن رمل، مسدس مخبون ومضرب کبھی ابتر کبھی مجنون محذوف میں جس میں مولانا عبد الرحمن جامی کا سبحہ بھی ہے، رسالہ نظم کرنا شروع کیا، اسی رات میں نے تیرہ شعر لکھ ڈالے، بطریق الزم ہر روز دس بیتوں سے کم نہ لکھیں، شاید کوئی دن ناغہ ہوا ہو، اگلے سال بھی اور کئی بار اور بھی ایسا بخار کم سے کم چالیس دن تک رہا ہے، خدا کی عنایت اور حضرت خواجہ کی برکت سے جمعرات کے دن انتیسویں کو ذرا افاقہ ہوگیا، اور پھر صحت ہوگئی، ہفتہ کے دن ربیع الاول کی اٹھارہویں تاریخ نظم تمام ہوگئی، ایک دن باون شعر ہوئے[2]،

---

[1] بابرنامہ مترجمہ مسز اے۔ ایس بیوریج ص ۴۳۸، [2] تزک بابری اردو ص ۳۳۶

دور است گوی شاہی از درویشے شاہیم ولے بندۂ درویشانیم[1]

درویشوں سے بابر کی یہ عقیدت اس ذوق و تصوف کی بنا پر تھی جو اس نے اپنے مرشد حضرت خواجہ عبید اللہ کی صحبت میں حاصل کیا، چنانچہ شیخ کے وصال کے بعد شیخ کا تصور کر کے کہتا ہے :-

در ہوائے نفس گمرہ عمر ضایع کردہ ایم پیش اہل اللہ ز افعال خود شرمندہ ایم

یک نظر با مخلصانِ خستہ دل فرما کہ ما خواجگی را ماندہ ایم و خواجگی را بندہ ایم

حسب ذیل دو شعر میں بابر یا تو اپنے مرشد کی طرف سے مذکورۂ بالا اشعار کا جواب دیتا ہے یا اپنے شیخ کو پھر مخاطب کرتا ہے،

اخلاص و عقیدۂ تو روشن شدہ است حالات و طریقہ ات مبرہن شدہ است

مایل چو نماند زود برخیز و بیا دل خواہ تو تربیت معین شدہ است

تذکرۂ مرآۃ الخیال (ص ۹۸) میں بابر کی یہ غزل منقول ہے

در دور ماز کہنہ سواراں یکے مے است واں کو دم از قبول نفس می زندنے است

ایں سلطنت کر ماز گدایش یافتم داراند اشت ہر گز و کاؤس ر کے است

دانی کمان ابروئے جانان سیہ چرا است کز گوشہاش دود دل خلق در پے است

دارد بزلف او دل زنار بند ما سودائے کفر و کافری و ہم چہ در وے است

بابر رسید نالۂ زارت بگوش یار مجنوں وقوف یافت کہ لیلی دریں مے است

بابر نے اپنی ایک بزم ادب کی بہت ہی دلچسپ اور سبق آموز تصویر کھینچی ہے،

نماز سے پہلے یدہ سرا میں آئے، آفتاب نکلے لشکر والے سیر کرتے ہوئے آنے شروع

---

[1] اکبر نامہ ج ا ص ۱۱۹، ۱۱۸،

۹۳۴ھ میں بابر نے چندیری فتح کیا، تو اس فتح کی تاریخ کا مادہ "فتحِ دار الحرب" نکلا، بابر نے اسکو یوں موزوں کیا،

بود چندے مقام چندیری | پر ز کفار و دار حربی ضرب
فتح کردم بہ حرب قلعۂ او | گشت تاریخ فتحِ دار الحرب[1]

تزک بابری میں جابجا ایسے فارسی اشعار ہیں جن پر گمان ہوتا ہے کہ وہ بابر ہی کے ہیں، مگر ان پر کامل وثوق نہیں، اس لیے ان کو یہاں نقل کرنے سے ہم گریز کرتے ہیں، تاریخ فرشتہ میں ہے کہ بابر نے کابل میں ایک مرغزار میں پتھر کا ایک حوض کھدوایا تھا، یہاں اپنے خوش طبع دوستوں کے ساتھ عیش و عشرت کی بزم منعقد کرتا تھا، اسی مناسبت سے ایک شعر لکھکر حوض پر کندہ کرایا تھا، وہ شعر یہ ہے:

نو روز و نو بہار مے و دلبرے خوش است
بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست[2]

یہ شعر آج بھی پر کیف مجلسوں میں پڑھا جاتا ہے، تاریخ فرشتہ میں بابر کا یہ شعر بھی منقول ہے:

باز اے ہمائے کہ بے طوطی خطت | نزدیک شد کہ زاغ برد استخوان من

ابو الفضل کو بابر کے یہ دو مطلع بہت پسند تھے،

ہلاک میکندم فرقت تو دانستم (۱) | وگرنہ رفتن ازیں شہر می توانستم
تا بزلف پیشش دل بستم (۲) | از پریشانیٔ عالم رستم

اکبر نامہ میں بابر کی یہ رباعی بھی منقول ہے:

درویشاں را گرچہ نہ از خویشانیم | لیک از دل و جاں معتقد ایشانیم

۱؎ تزک بابری اردو ترجمہ ص ۳۴۱، ۲۹۳، ۲۶۳، ۲۷۰، ۲؎ فرشتہ ج ۱ ص ۲۱۱،

شکل تھی، اسی خط میں ایک کلام مجید لکھکر مکہ معظمہ بھیجا منتخب التواریخ میں ہے :۔

وازجملۂ غریب واختراعات آن شاہ مغفرت پناہی خط بابریست کہ مصحفی بدان خط نوشتہ وبمکہ معظمہ فرستادہ[1]

تزک بابری میں اس خط کا جا بجا ذکر ضرور ہے، مگر کہیں اس کی تفصیل نہیں، بابر نے اس خط کو سنہ ۹۱۰ھ میں ایجاد کیا، مگر اس کا لکھنا آسان نہ تھا، اس لیے مقبول نہ ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ عہد اکبری میں یہ خط مفقود ہو چکا تھا، مگر خوشنویسی کے اساتذہ اس خط میں لکھنا کمال فن سمجھتے تھے، اکبر کے دور حکومت میں میر عبدالحئی مشہدی اس خط کا باکمال استاد تھا،

بابر کے دربار کے فضلا و شعراء

بابر نے جن ارباب علم سے بالواسطہ یا بلا واسطہ استفادہ کیا، ان کا ذکر گذشتہ صفحے میں آچکا ہے، ان کے علاوہ اس کے دربار میں ممتاز فضلا و شعراء کی بھی ایک جماعت تھی، جو برابر اس کی معیت میں رہتی تھی، ان میں سے بعض کے مختصر حالات ہم یہاں پر درج کرتے ہیں،

شیخ زین الدین۔ "صدر" کے عہدہ پر فائز تھے، معقولات و منقولات میں اچھی دستگاہ رکھتے تھے، ادیب بھی تھے اور شاعر بھی، واقعات بابری کا فارسی میں ترجمہ کیا تھا، بابر ان کی فارسی انشاء پردازی کا معترف تھا، اس نے جب رانا سانگا پر فتح پائی تو اس خوشی میں مسلمانوں سے محصول لینا معاف کر دیا، اس کے لیے شیخ زین ہی نے فرمان لکھا، جو تمام قلمرو میں بھیجا گیا، اس فتح پر بابر نے شیخ زین سے ایک فتحنامہ بھی لکھایا، اس سے بابر کی فوج کی کیفیت، ہندوؤں کے لشکر کی حالت، اور دونوں کی صف آرائی اور معرکہ آرائی کے طریقے مفصل طور سے معلوم ہوتے ہیں، بابر نے دونوں فرامین کو اپنی تزک میں شامل کر دیا ہے، شیخ زین نے بابر کی مثنوی مبین

[1] منتخب التواریخ مولفہ عبدالقادر بدایونی جلد اول ص ۳۴۳، [2] ایضاً جلد سوم ص ۲۷۳،

ہوئے یہ لوگ دور دراز سے فریق ادریق میں ٹھیرے ہوئے تھے، مگر ہم کو نہ دکھائی دیے، جا
میں اکثر وہ لوگ تھے جو شعر کہتے تھے، جیسے شیخ ابو الوحید، شیخ زین ملا علی خاں، تردی بیگ،
اور خاکسار وغیرہ، اثنائے صحبت میں محمد صالح کا یہ شعر پڑھا گیا،

محبوبی ہر عشوہ گرے، را چہ کند کس　　　جائیکہ تو باشی دگرے، را چہ کند کس

فرمایش کی کہ اس زمین میں کچھ شعر کہو، شاعر اور موزوں طبع فکر کرنے لگے، ملا علی خاں سے
بہت ہنسی کھلی ہوتی تھی، ہنسی سے میں نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

مانند تو مد ہوش گرے، را چہ کند کس　　　نر گاؤ کسے مادہ خرے، را چہ کند کس

پہلے اس سے جو کچھ اچھا برا کہتے یا ہزل نظم کرنے کا اتفاق ہوتا تھا تو لکھ لیا جاتا تھا جب
مبین کو نظم کرنے لگا تو دل میں آیا کہ جس زبان سے یہ پاک الفاظ نکلیں حیف ہے کہ اس سے
بیہودہ لفظ بھی نکلیں، اور جس دل میں ایسے مقدس مضامین کھلیں، افسوس ہے کہ اس
میں ایسے ناپاک خیال بھی پیدا ہوں، اسی دن سے ہزل کہنا ترک کر دیا تھا، اس شعر کے
کہتے وقت اصلاً خیال نہ رہا، دو ایک روز کے بعد بکرام میں آکر مجھے جاڑے سے بخار چڑھا،
کھانسی بھی ہو گئی، اور کھنکار میں خون آنے لگا، اب میں سمجھا کہ یہ تنبیہ کس طرف سے ہے اور
یہ تکلیف کیوں ہے، فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْهِ فَيُؤْتِيهِ
أَجْرًا عَظِيمًا .... میں نے بار دگر توبہ کی اور اس نالائق طرز سے دل ہٹا لیا،
سچ یہ ہے کہ کسی گنہگار بندہ کے دل میں ایسے خیال کا پیدا ہونا ایک بڑی دولت ہے، جو
خدا کی طرف سے عطا ہوتی ہے، جو بندہ اس طرح متنبہ ہو جائے وہ اس کو سعادت
عظمیٰ سمجھے، (ص ۵۲۳ و ۷۶۲)،

خط بابری | بابر نے اپنی جودت طبع سے ایک خاص قسم کا خط اختراع کیا، جو شاید خط نسخ کی ایک

یہ تمام ارباب کمال بابر کی علم نوازی کا حال سنکر خراسان، ہرات اور دوسری جگہوں سے ہندوستان آئے تھے، بابر بھی ان کی پذیرائی اور سرپرستی پورے شاہانہ انداز سے کرتا تھا، ۹۳۵ھ میں گوالیار کی مہم میں سخت بیمار ہو گیا، بیماری سے شفا پائی تو ایک جشن عشرت منعقد کیا، اس جشن میں تمام ایلچی قزلباش، اوزبک اور ہندو بھی شریک ہوئے، بابر نے ان سب کو ترازو کے پلڑے بھر بھر کر چاندی اور سونا دیا، اس موقع پر بھی سادات اور علما، کو فراموش نہ کیا، اس جشن کا ذکر کرتے ہوئے فرشتہ لکھتا ہے:۔

دوسرے حقداروں اور سادات کو بھی اپنی بخشش سے فیض پہنچایا، اخوند میر مؤلف حبیب السیر اور مولانا شہاب الدین معمائی اور مرزا ابراہیم قانونی جو اپنے فن کے بے نظیر استاد تھے، اور ہرات سے ہندوستان میں تازہ وارد ہوئے تھے، اس جشن عشرت میں بادشاہ کی ملازمت سے سرفراز ہو کر شاہی نوازشوں سے مالامال کیے گئے، اور جملہ مقربوں میں داخل ہوئے، (ج ۱ ص ۲۱۰)

اخوند میر کا ذکر آگے آئے گا،

کتب خانہ

بابر سفر اور حضر دونوں میں کتب خانہ ساتھ رکھتا تھا، ۹۳۰ھ میں بابر ہندوستان پر حملہ آور ہوا، تو لاہور کے پاس غازی خاں سے متصادم ہوا، غازی خاں کو شکست ہوئی، تو بابر اس کے قلعہ میں داخل ہوا، جہاں اس کو بے شمار دولت ملی، لیکن بابر کے لیے سب سے قیمتی سرمایہ غازی خاں کا کتب خانہ تھا، غازی خاں بڑا علم دوست تھا، جید عالم ہونے کے علاوہ شاعری کا بھی اعلیٰ مذاق رکھتا تھا، اس نے ہر قسم کی عمدہ اور خوش خط لکھی ہوئی کتابیں اپنے کتب خانہ میں جمع کر رکھی تھیں، بابر نے ان کتابوں میں سے کچھ اپنے لیے مخصوص کر لیں، کچھ شہزادہ ہمایوں کو دیں اور کچھ شہزادہ کامران کے لیے کابل روانہ کیں، ؎

؎ تزک بابری اردو صفحہ ۳۰۳ ؎ تاریخ فرشتہ ج ۱ صفحہ ۲۰۴

کی ایک شرح بھی لکھی، بابر کی فتح ہندوستان کے متعلق ایک تاریخ بھی قلبند کی، وفائی تخلص رکھتے تھے، منتخب التواریخ میں ان کے اشعار درج ہیں، جن میں دو رباعیاں یہ ہیں،

آزمیدی بر قیبان و رمیدی از ما (۱) ما چہ کردیم و چہ دیدی چہ شنیدی از ما

بر حال بردن ما حاجت بیداد نبود می سپردیم اگر می طلبیدی از ما

غم گریباں گیر شد سر در گریباں چوں کشم (۲) شوق دامنگیر آمد پا بداماں چوں کشم

اے گریبانم ز شوقت پارہ دامن چاک چاک بے تو پا در دامن و سر در گریباں چوں کشم

بابر کی وفات سے تین سال پہلے ۹۳۴ھ میں بمقام اکبرآباد عالم جاودانی کو سدھارے، وہاں ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اسی کے احاطہ میں دفن کیے گئے۔ ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ

صاحب کمالات صوری و معنوی بود و در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سائر جزئیات نظم و نثر و انشاء بے قرینہ زمان خود بود۔[۱]

بابر کے دربار کے ممتاز فضلاء میں مولانا بقائی بھی تھے، ایک مثنوی مخزن کی زمین میں لکھکر بابر کی خدمت میں پیش کی۔

مولانا **شہاب الدین** علم و فضل، شعر گوئی خصوصاً معما گوئی میں بلند پایہ رکھتے تھے، کلام اور حدیث پر ان کی نظر وسیع تھی، شاعر بھی تھے، تخلص حقیر تھا، شاعری کے کچھ نمونے منتخب التواریخ (مولفہ عبدالقادر بدایونی) کی جلد اول (ص ۳۴۲) میں ملیں گے، ۹۴۲ھ میں وفات پائی، میر آخوند نے "شہاب الثاقب" سے تاریخ وفات نکالی ہے،

شاعروں میں شیخ ابوالوجد فارغی، سلطان محمد کوسہ، سرخ و داعی، شیخ جمالی کمنہ مشق تھے، اطباء میں میر ابو البقاء، مولانا یوسفی اور خواجہ نظام الدین علی خلیفہ اپنے علم کے لیے مشہور تھے،

---

[۱] منتخب التواریخ (ص ۱، ۲، ۳۴۰، ۳۴۳، ۳۴۴)، نیز دیکھو صبح گلشن مولفہ نواب علی حسن خاں ص ۵۹۲ [۲] اکبرنامہ ج ۱ ص ۱۱۹،

بابر نامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولاد کے زیر مطالعہ رہیں، ذکر آچکا ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامران کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی، بظاہر کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی ہے کہ ہمایوں کو بھی جو کامران سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا، اس مثنوی کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم وصلوٰۃ کا سخت پابند تھا، کبھی وہ قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگیں ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر اس سختی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا، اور حسن ادب یہاں تک تھا کہ بے وضو خدائے عزوجل کا نام کبھی نہیں لیا،[1] ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو،

بادشاہ بنکر ہمایوں نے جس علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے لیے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی و ہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں،

ہمایوں کی سخن سنجی و سخن فہمی

اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں گذری، پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا شغلہ جاری رکھا، گو اس کی مادری زبان ترکی تھی، مگر اس نے اشعار فارسی ہی میں موزوں کئے، اس کے ذوق شعر و شاعری کی کچھ مثالیں ملاحظہ ہوں،

ہمایوں جب شیر خاں سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لیے لاہور پہنچا، تو مرزا کامران نے بظاہر موافقت اور درپردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا،

---

[1] بدایونی ج ۱ ص ۴۴۲،

ہمایوں

ہمایوں ۹۱۳ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت واقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا، کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لیے بھاگتا نظر آتا ہے، کبھی برف کاٹ کر فوج کے لیے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے، تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے،

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا، پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے، کہ اس کی تمام اولاد علم و ہنر سے مالامال تھی، جیسا کہ آگے ذکر آئیگا،

ہمایوں کی تعلیم و تربیت

ہمایوں کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے، جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، اس لیے بابر اس کے متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تاریخوں سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی، اس کے اتالیق خواجہ کلاں اور شیخ زین الدین رہے، جو بابر کے درباری امرا میں سے تھے، اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات تو کہیں نہیں ملتے مگر

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد　　　ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا،

ز رنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل مشو خرم　　　کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی، اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے،[1]

ہمایوں نے جب سنہ ۹۵۰ھ میں ایران کی طرف رخ کیا تو شاہ طہماسپ صفوی کو ایک رقعہ لکھا، جس میں یہ اشعار سپرد قلم کئے۔

خسروا عمریست تا عنقای عالی ہمتم　　　قلۂ قافِ قناعت را نشیمن کردہ است

روزگار سفلۂ گندم نمای جو فروش　　　طوطی طبع مرا قانع بارزن کردہ است[2]

دشمنم شیر نیست اما پشت برمن کردہ بود　　　ابن زماں از ضعف طالع زی برمن کردہ است[3]

التماس از شاہ آن دارم کہ بامن آن کند[4]　　　آنچہ با سلمان علی در دشت ارزن کردہ است

اس کے ساتھ یہ رباعی بھی تھی

اے شاہ جہاں کہ نہ فلک پایۂ تست　　　در دست ولایت ہمہ سرمایۂ تست

شاہان جہاں جملہ ہمای طلبند　　　بنگر ہما چگونہ در سایۂ تست

شاہ ایران نے اس کے جواب میں یہ شعر لکھ بھیجا،[5]

ہمای اوج سعادت بدام ما افتد　　　اگر ترا گذرے بر مقام ما افتد

---

۱ مآثر رحیمی ج ۱ ص ۵۰۰، کلکتہ، اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۹۴، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ۲ روز روشن مولفہ نواب صدیق حسن میں یہ مصرع اس طرح درج ہے، این زماں از نا خلفی زی برمن کردہ است ۳ مخزن الغرائب ج، والدم استدعا وشاہنشہ کہ بامن آن کند، ۴ مخزن الغرائب، ج، بدایونی، ج ۱، ص ۴۴،

۵ اکبر نامہ ج ۱، ص ۲۰۵،

کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کرلی، کہ شیر خان پنجاب لیکر اسے کابل، قندھار، اور غزنی کا تنہا مالک بناکر چھوڑ دے، اور ظاہرا ہمایوں سے شیر خاں کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہانتک کہ شیر خاں بہت ہی قریب پہنچ گیا، اور ہمایوں کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیر شاہ کے قاصد کا پرجوش استقبال کیا، اور اس کی آمد میں بڑا جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی،

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد	پیوستہ زخویشتن جدائی باشد

خود را بمثال غیر دیدن عجب است	ایں بو العجبی کار خدائی باشد

اور اس کو مرزا کامران کے پاس بھیجدیا، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس ؔرباعی نہیں بھیجی، بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیر خان کے پاس ارسال کی،[1]

ہمایوں شیر خان سے ہزیمت اٹھانے کے بعد پریشان حال پھر رہا تھا، کہ اپنی پسماندہ فوج کے ساتھ جیسلمیر پہنچا، وہاں کے بیابان میں پانی کی کمی کی وجہ سے لشکری پیاس سے مرنے لگے، بمشکل ایک کنواں نظر آیا، مگر اس کنوئیں پر پانی کے لیے لشکریوں میں ایسا جھگڑا ہوا کہ بہت سے فوجی کنوئیں میں گر کر ہلاک ہوگئے، ہمایوں نے اسی وقت یہ شعر کہا

چناں زد چاکہا گردوں لباس درد منداں را	کہ نے دست آستیں می یابد و نے سر گریباں را[2]

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متاثر ہوکر اشعار کہتا تھا، اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہو جاتا تھا، جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جارہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کیا، جس کا مطلع یہ تھا،

---

[1] ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم ص ۴۰ [2] بدایونی ج ۱ ص ۳۹۴،

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ از سر نو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خان قلعہ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا، قلعہ قندھار بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا، لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیجدی، وہ نظم حسب ذیل ہے،[1]

باز فتحے ز غیب روے نمود	کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود
شکر اللہ کہ باز شادانیم	بر رخ یار و دوست خندانیم
دوستاں را بکام دل دیدیم	میوۂ باغ فتح را چیدیم
روزِ نوروز بیرم است امروز	دل احباب بے غم است امروز
شاد بادا ہمیشہ خاطر یار	غم ز گردد بگرد دیار و دیار
ہمہ اسباب عیش آمادہ است	دل بفکر و جہالت افتادہ است
گوش خرم شود ز گفتارت	دیدہ روشن شود ز دیدارت
در حریم حضور شاد بہم	بنشینم خرم و بے غم
بعد ازیں فکر کار ہند کنیم	عزم تسخیر ملک سند کنیم

ہمایوں نے اس مثنوی کے حاشیہ پر حسب ذیل رباعی بھی لکھی،

اے آنکہ انیس خاطر محزونی	چوں طبع لطیف خویشتن موزونی
بے یاد تو من نیم زمانے ہرگز	آیا تو بیاد من محزوں چونی

بیرم خاں نے اس کے جواب میں یہ لکھ بھیجا،

[1] خافی خاں حصہ اول ص ۱۲۵

ملا بدایونی لکھتے ہیں کہ ہمایوں جب ایران پہنچا تو اس نے شاہ ایران کو ایک رباعی پھر لکھ بھیجی، جس کا ایک شعر شاید شاہ ایران کے مذکورۂ بالا شعر کا جواب تھا،

شاہاں ہمہ سایۂ ہمای خواہند ۔۔۔ بنگر کہ ہما آمدہ در سایۂ تو[1]

شاہ طہماسپ نے ہمایوں کا پرجوش خیر مقدم کیا اور بھائی بنا کر اپنے یہاں رکھا، مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں کو اس سے برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مدنظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نور الدین ایسے حاشیہ نشینوں نے باہم یک رائے ہو کر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبار کدورت دور ہو جائے، چنانچہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھ کر سنائی،

ہستیم ز جاں بندۂ اولاد علی ۔۔۔ ہستیم ہمیشہ شاد بایاد علی

چوں سر ولایت ز علی ظاہر شد ۔۔۔ کردیم ہمیشہ ورد خود ناد علی

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سن کر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی،[2]

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثار قدیمہ اور سیر گاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رباعی پڑھی،[3]

افسوس کہ سرمایہ بکف بیروں شد ۔۔۔ در دست اجل بے جگرہا خوں شد

کس نامد از آں جہاں کہ تا پرسم ازو ۔۔۔ کا حوال مسافران عالم چوں شد

---

[1] بدایونی ج ۱ ص ۴۵۵، [2] فرشتہ ص ۲۱۵، [3] اکبر نامہ ص ۲۲۰،

برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی، دقتِ نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی، جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اس کے سامنے یہ شعر پڑھا،

ہچو پروانہ بشمعے سروکار است مرا　　　پس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے،[۱]

جاہی یتمان نے شاہ محمد خاں شاپوروانی کابل سے ناراض ہو کر اس کی ہجو کہی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:-

شاعر شاہ ہمایونم و خاک در گہ　　　می زند کوکبۂ شاعریم طعنہ بہ

خسروشوم و ابیات خوشم خیل و سپہ　　　دیدم از قحبہ زنی ظلم بہ جرم و بہ گنہ

پارۂ کاغذ اگر از ہذیاں گشتہ سیہ　　　سوئے ہجوش اگر اندیشہ شود رو در رہ

غرض آنست کہ ایں خر صفتان ابلہ　　　عزت و حرمت ایں طائفہ وا دند نگہ

وائے آنست کہ بخیلِ شعرا بستیزد　　　ہر کہ با ما بستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سنکر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد

ابو الفضل نے اکبر نامہ میں ہمایوں کی شاعری کے ذوق کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

و توجہ عالی بہ شعر و شعرا نیز داشتند و از انجا کہ طبع موزوں از خصائص فطرت سلیم است

---

[۱] مآثر رحیمی ص ۶۱۲ ج ۱، و اکبر نامہ ج ۱ ص ۲۲۱

اے آنکہ بذات سایۂ بیچونی | از ہر چہ ترا وصف کنم افزونی
چوں میدانی کہ بے تو چوں میگذرد | چوں می پرسی کہ در فراقم چونی[1]

بیرم خاں کے ایک خط کے جواب میں ہمایوں نے یہ رباعی کہی تھی'

اے یار لطیف طبع پاکیزہ گہر | دی عمدہ اہل فضل و ارباب ہنر[2]
بکشای نظر امید کز نور حضور | می آرمت از تیرگی ہجر بدر

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا،

مقیم شد غم تو در دلم چہ چارہ کنم | عجب غنیمت اگر دل ز سنگ خارہ کنم[3]

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی

یارب بکمال لطف خاصم گردان | واقف بحقائق خواصم گردان
از عقل جفا کار دل افگار شدم | دیوانۂ خود خوان و خلاصم گردان

اور اس کو پڑھ کر رونے لگا۔ ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوئے موت آتی ہے'
چنانچہ محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا یا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زرندودست | خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است[4]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعر و سخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی
جود و کرم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہوں گے، بدایونی کا بیان ہے،

"شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامن او برخاستہ اند"[5]

ہمایوں ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، اور شعر و شاعری کی مجلسیں

---

[1] مآثر الامراء ج ۱، ص ۲۰۲ [2] ریاض الشعراء قلمی بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ [3] لطائف نامہ فخری ص ۲۱۲ شائع کردہ اورنٹیل کالج، لاہور۔ [4] اکبر نامہ ص ۳۶۳، ۹۲ [5] بدایونی ص ۴۶۹ ج ۱

درشرحِ غنچۂ او ہرگز نگفتہ حرفے — لب را دراں حکایت پیوستہ بستہ بودم

حقا کہ چوں ہمایوںؔ درحال وصل بیخود — با دوست درحکایت از خویش رفتہ بودم

ولہٗ

داغِ عشقِ تو بر جبین تن ست — خاتم لعل تو نگینِ من ست

تا نشستم چوں خاک بر درِ تو — پشتِ بامِ فلک زمین من ست

ہر کجا شاہ و شہریاری بود — ایں زماں بندۂ کمین من ست

خط شکیں بصفحۂ گلفام — آیت رحمت مبین من ست

ولہٗ

من اشک ژاں چو گنج قاروں دارم — گلگوں درون کیسہ زافیوں دارم

مختلف دور کے تذکرہ نگاروں نے ہمایوںؔ کی سخن گستری کی داد دی ہے، اور اس کے پسندیدہ اشعار سے اپنے تذکروں کے صفحات مزین کیے ہیں، مرزا علاء الدولہ قزوینی نے نفائس المآثر (۹۸۲-۹۸۳ھ) میں ہمایوںؔ کی حسب ذیل غزلیں اور ایک رباعی نقل کی ہے،

کارمن باموشے افتادہ است (۱) — دردرونم آتشے افتادہ است

خانہ ام روشن شد از روئے حبیب — پرتوے زمہوشے افتادہ است

دل مرا اے جان بہرسوی کشد — تا دلم باد لکشے افتادہ است

کام دل خواہم گرفتن این زماں — چون بدستم سرخوشے افتادہ است

عقل و ہوش از من مجوئید اے بتاں — چوں ہمایوں بیہشے افتادہ است

وصف لعل تو برزبان نخست (۲) — آتشے درمیانِ جانِ نخست

در خلالِ اوقات واردات قدسی را (چہ از حقیقت و چہ از مجاز) در سلک نظم می کشیدند و دیوان شعر آنحضرت در کتابخانۂ عالی موجود است۔" (ج ۱ ص ۳۶۸)

ابو الفضل کو ہمایوں کی حسب ذیل رباعیاں پسند تھیں، اسی لیے اس نے اکبر نامہ میں ان کو نقل بھی کیا ہے،

اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب (۱) حال دل خود مگوے با ہیچ طبیب
کاریکہ ترا باآں جفا کار افتاد بس قصہ مشکل است و بس امر عجیب

اے دل ز حضور یار فیروزی کن (۲) در خدمت او بصدق دلسوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم منشیں ہر روز بوصل یار نوروزی کن

اے آنکہ جفای تو بعالم علم است (۳) روزیکہ ستم نہ بینم از تو ستم است
ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل مارا چو غم عشق تو باشد چہ غم است

فرشتہ نے تاریخ فرشتہ میں ہمایوں کے دیوان سے اپنی پسند کی چند غزلوں کے یہ اشعار نقل کیے ہیں، (ص ۲۳۳ ج ۱)

گذشت از دل سرگشتہ ناوک ستمش نماند بر من دلدادہ لذت المش
بقصد کشتن عشاق گر کند میلے عجب نباشد از اخلاق و شیوہ کرمش
گراست زہرہ قرب حریم حرمت او کہ جبرئیل امیں نیست محرم حرمش
اگر بپرسش عشاق می نہد قدمے ہزار جان گرامی فدائے ہر قدمش

ولہ

خوش آنکہ با خیالت عمری نشستہ بودم وز شوق سرو قدت از جاے جستہ بودم
علیم مکن کہ گفتم موے ترا پریشاں در شرح جعد زلفت پیوستہ بستہ بودم

مخزن الغرائب میں بہت سے اشعار منقول ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں،

دریا دلیم و دیدهٔ ما معدن درست　　　　گرد ست ما تہی است ولے چشم ما پراست

این نو سر و است که در باغ قد افراخته است　　　　شمع سبز نیست که پروانه او فاخته است

اوپر ذکر آچکا ہے کہ ہمایوں صاحب دیوان بھی تھا، یہ دیوان کتب خانوں میں گم رہا، مگر اب یہ امر باعث مسرت ہے کہ استاذی المحترم جناب سید حسن عسکری صاحب زاد لطفہٗ (پروفیسر تاریخ، پٹنہ کالج، پٹنہ) نے اپنی مساعی جمیلہ سے یہ دیوان اپنے وطن مالوف کھجوا (ضلع سارن) کے کتب خانہ سے ڈھونڈ نکالا ہے، اس پر استاذی المکرم جناب حافظ شمس الدین صاحب (شعبۂ فارسی، پٹنہ کالج) نے ایک سیر حاصل مقالہ لکھکر معاصر (۳۹ء) پٹنہ میں شائع کیا تھا، راقم الحروف کی نظر سے بھی یہ دیوان گذرا ہے، خیال تھا کہ جناب حافظ صاحب موصوف اس دیوان کو طبع کرا کے دلدادگانِ علم و ادب کو ممنون فرمائینگے، مگر ابھی تک یہ زیور طباعت سے آراستہ نہ ہوسکا، اس میں سے بعض چیزیں ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

ایک حمد ملاحظہ ہو:۔

اے حسن تو دیباچہ مجموعۂ معنی　　　　لامع شدہ از روے تو انوار تجلی

حاشا کہ جدا از تو تواں زیست ولیکن　　　　دارم بخیالے ز جمال تو تسلی

در مملکت حسن توئی شاہ ولایت　　　　کردم بہ لاے تو کنوں روے تو لی

تا حسن تو در جلوہ گری گشت ازاں رو　　　　وامق پے عذرا شد و مجنوں پے لیلی

حقانیت سے لبریز بہت سی رباعیاں ہیں، مثلاً

اے وادی لا مکاں مکانت　　　　دور ازل و ابد زمانت

هر کہ باشد بمجلس رنداں | بے خود از نعرہ و فغاں مست
انچہ در وصف حسن او گویند | جملہ در شرح و در بیان مست

رباعی

اے آنکہ زیاد تو دلم باشد شاد | بے یاد تو خاطرم دمے شاد مباد
روزیکہ زیاد تو کنم صد فریاد | آیا ز من غمزدہ است آید یاد [لہ]

سفینہ خوشگو مولفہ بندرا بن میں یہ رباعی مرقوم ہے،

یارب کہ رضاے دل درویشان دہ | این ریش دل شکستہ را درمان دہ
حاجیست کہ گویم این مدہ یا این دہ | چیزے کہ رضاے تو در آنست آن دہ

ریاض الشعرا (۱۱۶۱ھ) میں علی قلی داغستانی نے منجملہ اور اشعار کے ایک رباعی یہ بھی لکھی ہے :-

انکو کہ فلک بقبضۂ قدرت اوست | دادہ است ترا دو چیز کان ہر دو نکوست
ہم سیرت ہم آنکہ دوست داری کس را | ہم صورت آنکہ ترا دارد دوست

روز روشن میں نواب صدیق حسن نے ہمایوں کی شاعری کا ذکر تین صفحوں میں کیا ہے، احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب میں رقمطراز ہیں،

"بادشاہ بود ملکی ملکات و بجمیع فضائل و کمالات صوری و معنوی آراستہ و در علوم ہیات و نجوم و سائر علوم عربیہ بے نظیر و مربی اہل فضل و کمال و مرجع اہل تقوی و صلاح و بشعر و شعرا مائل و خود شعر نیکو گفتے"

لہ A History of persian Literature and language at The maghul court by A. Ghani.

اے آنکہ طلبگار رہ حقیقی ۔۔۔ در شیوۂ صدق و راستی صدیقی
زنہار کہ غیر حق نہ بینی ہرگز ۔۔۔ چوں بینی تو کافر و زندیقی

خواہی کہ جہاں بطبع تو راست شود ۔۔۔ آں چیز کہ خواستی ہماں خواست شود
باید کہ تو با طبع جہاں راست شوی ۔۔۔ تا ہر چہ خدا خواستہ آں خواستہ شود

ہمایوں کی مزید ایک دو غزلوں کی سادگی اور خیالات کی برجستگی سے بھی ناظرین محظوظ ہوں،

حجابست از نور در پیش ما ۔۔۔ ازاں گشتہ بیگانہ ایں خویش ما
تر شاہی حسن و صد سلطنت ۔۔۔ بلائیست بر جان درویش ما
ملاحت نمودی زجاں سوختن ۔۔۔ نمک ریختی تازہ بر ریش ما
وفا می کنی و جفا می کشیم ۔۔۔ نباشد جزایں شیوۂ و کیش ما
ہمایوں بروئے تو چوں بنگرد ۔۔۔ حجابست از نور در پیش ما

سراسر شادی عالم بیکدم غم نمی ارزد ۔۔۔ بنزد م عمر صد سالہ بیک ماتم نمی ارزد
غنیمت داں جوانی را کہ ایام خوشست اما ۔۔۔ ولے با عالم پیری دو پشت خم نمی ارزد
کو آں تخت سلیمان و کو آں احوال نوشیدن ۔۔۔ چہل خانہ زر قاروں بیک جو ہم نمی ارزد
بنودی جنت الماوی بنودی ایں ہمایوں را ۔۔۔ کہ جنت ہم بسر گردانی آدم نمی ارزد

دربار کے شعراء ۔ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ ہمایوں کے دامن دولت سے بہت سے شعراء منسلک تھے، ہم ان میں سے بعض ارباب کمال کا اجمالی ذکر کرتے ہیں،

جنوبی ۔ مولانا جنوبی بدخشاں کے بہت ہی ممتاز اور بلند پایہ شاعر تھے، ہمایوں نے جب شہزادگی کے زمانہ میں اس جگہ کو تسخیر کیا، تو وہ ہمایوں سے وابستہ ہو گئے، بدخشاں کی

اے ہستی بے نشان مطلق — شد ہستی بے نشاں نشانت

اے آنکہ مقید زمان و زمینی — کس را نبود لائق ذاتت سخنی

جائے کہ بنی حق ثنای تو بگفت — کے شرح صفات تو کند ہیچ منی

اے خالق جملہ خلائق — تو مصدر کل و خلق مطلق

حالتے روی نمود از لاریب — کاندر آں نہ شہادتست نہ غیب

صوفیانہ رنگ کی بھی رباعیاں ہیں مثلاً

اے آنکہ در دخول بر خود بستی — با توبہ و زہد عافیت بنشستی

ہرگز نکند فائدہ ایں طور ترا — از خود چو گذشتی بخدا پیوستی

مائیم صفات حی مختار ودود — ظاہر شدہ از آئینۂ نور شہود

چوں یک شجریم در باغ وجود — ما فرع وجودیم و خدا اصل وجود

حمد و نعت سے ملے جلے مطالب کی بھی رباعی ملاحظہ ہو:۔

من ہیچ نیم ہیچ نمیدارم نام — بر فضل تو مانیم شب و روز و دوام

آنگاہ بحق حرمت مہتر لام — بر بندہ ہمایوں برساں فیض تمام

کچھ خالص نعتیہ رباعیاں بھی ہیں، مثلاً

اے سرور کائنات در اصل وجود — حقا کہ توئی حبیب حی معبود

برخیز نما جمال عالم آرا — زیرا کہ توئی ز خلق عالم مقصود

سلطان سریر انبیائی تو — خورشید سپہر اولیائی تو

مردم ہمہ پیرو طریق تواند — رہ شرع بخلق رہ نمائی تو

پند و موعظت پر بھی رباعیاں ہیں، مثلاً

از دانش او دانش اصحاب بصیرت — وز بینش او بینش ارباب بصائر

معنی چو حرام است در احکام شریعت — اقبال نماید بمراعات اوامر

ہر نکتۂ حکمت کہ لب لعل تو فرمود — مشہور جہاں شد چو حدیث متواتر

معنی است کہ شرح کتب فن ریاضی است — تصنیف متین تو از ایجاز زوایر

احصائے کمالات تو کردن نتوانم — کاندر ہمہ فنہا شدہ کامل و ماہر

مولانا نادری کا انتقال سنہ ۹۶۶ھ میں ہوا، میر امانی کابلی نے اس مصرع سے تاریخ وفات نکالی

گفتا خرد کرفت یکے از سخن وراں[1]

فارغی۔ مولانا شیخ ابو الواجد فارغی بن شیخ وجیہ الدین ہرات کے رہنے والے تھے شیخ زین الدین کے رشتہ دار تھے، دونوں ہرات سے تنگ آکر ہندوستان کی طرف متوجہ ہوئے جہاں وہ بابر اور ہمایوں کے جود و کرم سے سیراب ہوئے شیخ زین الدین کا ذکر بابر کے سلسلہ میں آچکا ہے، شیخ فارغی بہت ہی خوش طبع، شیریں زبان اور بذلہ سنج تھے، ہمایوں اور بیرم خان خانخاناں کی شاہانہ اور فیاضانہ توجہ سے آسودہ زندگی بسر کرنے کے لائق ہوگئے تھے، مگر درویشانہ صفت کے حامل تھے، اس لیے شعر و شاعری میں وہی رنگ جھلکتا ہے،

رشتۂ جمعیت اے یاران ہمدم گسلید — در پریشانی پریشانیست از ہم گسلید

چو تیر خود کشی از سینہ ام مگذار پیکاں را — مراد دل دہ کہ تا مردانہ در راہت دہم جاں را

سنہ ۹۴۰ھ میں بمقام آگرہ انتقال ہوا، اور شیخ زین الدین وفائی کے پہلو میں سپرد خاک ہوئے،

---

[1] منتخب التواریخ ج اص ۵، ۴، [2] ایضاً ص ۶، ۴ ارصبح گلشن ص ۲۰۶، ۳۰۵،

فتح پر ہمایوں کی خدمت میں ایک قصیدہ پیش کیا جس میں ذوالفقار شروانی اور سلمان ساوجی کے قصائد کی طرح بہت سی صنعتوں کو ملحوظ رکھا، اس قصیدہ کی ترتیب یہ تھی :-

شہنشاہا رخ تو لالہ و نسریں لب تو جاں ۔۔۔ ہمی بینم لب تو غنچۂ رنگیں شدہ خنداں

نمی گویم خط تو سبزہ و ریحاں خد تو گل ۔۔۔ شود ظاہر قد تو فتنۂ دوراں دم جولاں

ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ صنعت توشیح سے مصرعوں کے مجموعے سے یہ مطلع ہو جاتا ہے،

شہنشاہ دیں پادشاہ زماں ۔۔۔ ز بخت ہمایوں شدہ کامراں

اور اگر ہر مصرع کے خط کشیدہ الفاظ کو ترتیب دیا جائے تو یہ مطلع ہو جائے گا۔

رخ تو لالہ و نسریں خط تو سبزہ و ریحاں ۔۔۔ لب تو غنچۂ رنگیں قد تو فتنۂ دوراں

اور اگر صنعت عکس کے ساتھ یہ شعر پڑھا جائے تو مطلع کی تشکیل اس طرح ہو جائے گی،

خط تو سبزہ و ریحاں، رخ تو لالہ و نسریں ۔۔۔ قد تو فتنۂ دوراں لب تو غنچۂ رنگیں

اسی طرح قصیدہ میں معما، اظہار مضمر اور تاریخ گوئی کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔

نادری۔ مولانا نادری سمرقند سے آگرہ آئے، ہمایوں کی قدردانی سے ان کی غربت امارت میں بدل گئی، ملا عبدالقادر بدایونی کے قول کے مطابق وہ نہ صرف ایک بلند پایہ شاعر بلکہ جید علماء کامل فضلاء، اور نوادر روزگار میں سے تھے، نظمیں، رباعیاں، اور قصائد کہنے میں مہارت تامہ رکھتے تھے، ہمایوں کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے جس میں اس کی شریعت نوازی، علم پروری اور ریاضی دانی کی داد دی ہے، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں :-

المنۃ للہ کہ بجمعیت خاطر ۔۔۔ باعیش نشستند حریفان معاصر

خاقان معظم شہ جم قدر ہمایوں ۔۔۔ کش ہست قوی دست و دل از قدرت قادر

حامل نہ تھا، ہمایوں نے اس کی طبیعت کی کجروی کے سدباب کے لیے شاہی بیگمات میں سے ایک کو اس کے حبالۂ عقد میں بھی دیا، مگر طبیعت اصلاح کی طرف مائل نہ ہوئی، ہمایوں نے بالآخر حج کعبہ کے لیے روانہ کیا، مگر اس سعادت سے بھی وہ محروم رہا، اور راستہ سے لوٹ کر سلطان بہادر گجراتی کا وظیفہ خوار ہوگیا، جس نے اس کی مزاج داری بھی کی، شاعری میں تخلص کبھی ایوب اور کبھی فراقی کرتا تھا، ایک غزل کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں،

اے شاخ گل کہ ہمچو سہی قد کشیدہٗ ۔۔۔ برگرد لب خطی ز زمرد کشیدہٗ

قدت برآمدہ چو الف ملا خطہ ۔۔۔ وز ابرواں فراز الف مد کشیدہٗ

بر حرف دیگراں زدہٗ قرعۂ قبول ۔۔۔ بر حرف عاشقاں قلم رد کشیدہٗ

تشویش میکشی بکش اے نقشبند چین ۔۔۔ ناید چو چشم و زلفش اگر صد کشیدہٗ

از دولت وصال فراقی طمع مبر ۔۔۔ جور و جفائے یار چو بے حد کشیدہٗ

کاہی۔ قاسم کاہی عرف میاں کالے، کابل سے ہمایوں کے عہد میں ہندوستان آیا، مختلف علوم و فنون مثلاً تفسیر، کلام، تصوف، ہیئت، موسیقی اور شاعری میں بڑی دستگاہ رکھتا تھا، ہمایوں کی نظر میں بڑی محبوبیت حاصل کی تھی، چنانچہ اس نے ہمایوں کی شان میں بہت سے قصائد اور قطعات کہے ہیں، ایک قصیدہ میں ہمایوں کے ذوق ہیئت کی بھی ترجمانی کی ہے، فن شاعری میں معما اور تاریخ گوئی میں بڑی مہارت حاصل کی تھی، وہ اپنے عہد کے شعرا میں اس لیے ممتاز تھا کہ اس کی شاعری میں سادگی کے ساتھ بڑی موسیقی تھی، ہمایوں کی وفات شیر شاہی قلعہ کے اندر زینے سے گر کر ہوئی تو اس نے یہ قطعہ کہکر تاریخ نکالی،

ہمایوں بادشاہ آں آفتابی ۔۔۔ کہ فیض شامل او عام افتاد

بنائے دولتش چوں یافت رفعت ۔۔۔ اساس عمرش از انجام افتاد

طاہر دکنی۔ شاہ طاہر خواندی دکنی عراق کے رہنے والے تھے، اپنے کو شاہ طہماسپ کا عزیز کہتے تھے، ہندوستان آکر ہمایوں کے دربار سے وابستہ ہوئے، علم نجوم کے بھی ماہر تھے، چنانچہ ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کے مطابق انوری کے تتبع میں ایک قصیدہ کہا ہے، جس کے دو شعر یہ ہیں:-

حل مہر چو آید بہ شبستان حمل — لالہ فانوس برافروزد و نرگس مشعل

کوہ از در دسر بہمن و دی اکنوں — شوید از ناصیۂ اش ابر بہاری صندل

شاہ طاہر اہل بیت سے تعلق رکھتے تھے، ہمایوں کے دربار کے علماء سے مناظرہ میں کچھ تلخی پیدا ہو گئی تو اپنے چھوٹے بھائی شاہ جعفر کے پاس دکن چلے گئے، جہاں برہان نظام شاہ اول والیٔ احمد نگر نے ان کی بڑی پذیرائی کی، اور جملۃ الملک کے عہدہ پر مقرر کیا، برہان نظام شاہ نے شاہ طاہر سے متاثر ہو کر ان ہی کا مذہب اختیار کر لیا، شاہ طاہر کا شمار دکن کے برگزیدہ بزرگوں میں کیا جاتا ہے، ۹۵۲ھ میں ان کا انتقال ہوا، تاریخ وفات "د تابع اہل بیت بودہ" سے نکلتی ہے، فن شعر و شاعری میں ان کا کمال بدرجۂ اتم تک پہنچ گیا تھا، منقبت، قصائد، اور مثنوی کہنے میں اپنی شاعری کا جوہر دکھاتے تھے[۱]

ایوب۔ خواجہ ایوب ماوراء النہر سے ہندوستان آیا، باپ کا نام خواجہ ابوالبرکات فراقی تھا، جو فضیلت اور علمی پایہ کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، وہ سلمان ساوجی کی تقلید میں قصائد کہتے تھے، بابر کے زمانہ میں ہندوستان آئے، اور اس کے خوان کرم سے متمتع رہے، ہمایوں نے بھی ان کی قدر دانی کی اور ان کے لڑکے خواجہ ایوب کو ندیم خاص بنایا، خواجہ ایوب میں فن شاعری کے تمام کمالات موجود تھے، مگر وہ اوصاف حمیدہ کا

---

[۱] منتخب التواریخ ج ا ص ۴۸۳،

ضمیری۔ مولانا ضمیری بلگرامی بھی دربار کے ممتاز شاعر تھے، مثنوی اور قصائد لکھنے میں بڑی شہرت حاصل کی تھی،

موجی۔ قاسم خاں بدخشی المتخلص بہ موجی ہمایوں کے امراء میں سے تھا، یوسف زلیخا کے تتبع میں ایک مثنوی لکھی جس میں چھ ہزار اشعار تھے[1]۔

فضلاء | ہمایوں کے دربار کے فضلاء کی تعداد بھی شعراء سے کم نہیں، وہ ان سے برابر اختلاط رکھتا تھا، طبقات اکبری میں ہے:-

در صحبت آں مقتدائے جہاں ہمہ وقت فضلاء و علماء واکابر بودند و ہمہ از اول شب تا صبح بصحبت می گذشت، و نہایت آداب در مجلس آنحضرت مرعی می بود، ہمہ وقت بحث علمی مذکور مجلس بہشت آئیں می گشت، ارباب فضل و ہنر در عہدش رونق تمام پیدا آمد (ج ۲ ص ۱۰۵-۸۸)

ہم اختصار کے ساتھ ان ارباب علم کا ذکر خیر کرکے ان کی یاد کو تازہ کرتے ہیں، اس صف میں سب سے پہلے غیاث الدین محمد المعروف بہ خواند امیر پر نظر پڑتی ہے، یہ روضۃ الصفا کے مصنف میر خواند کا نواسہ تھا، باپ خواجہ ہمام الدین محمد بدخشاں کے والی سلطان محمود کا وزیر تھا، خواند امیر ہرات میں پیدا ہوا، جو اس وقت علوم و فنون کا گہوارہ بنا ہوا تھا، اسی مدینۃ العلم میں خواند امیر نے ہوش سنبھالا، ہرات کے سلطان غازی حسین بن منصور کا دربار شعراء اور علماء کا مرجع تھا، اس کے وزیر میر علی شیر کی علم نوازی اور معارف پروری سے یہ دربار اور بھی جگمگا اٹھا تھا، خواند امیر کی علمی صلاحیت و لیاقت کی شہرت سنکر میر علی شیر نے اس کو دربار کے زمرۂ فضلاء میں شریک ہونے کی دعوت دی، جس کو اس نے قبول کیا، یہاں رہ کر اس نے فن تاریخ نویسی کا گہرا مطالعہ کیا، اور اپنے علمی مشاغل بھی جاری رکھے، میر علی شیر کی علمی صحبتوں میں اس کی ذہنی جلا اچھی طرح ہوئی، اور اس شہر یار علم

---

[1] منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۲۵،

چو خورشید جہانتاب از بلندی	بیاباں در نماز شام افتاد
جہاں تاریک شد در چشم مردم	خلل در کار خاص و عام افتاد
پے تاریخ او کاہی رقم زد	ہمایوں بادشاہ از بام افتاد

یہ قطعہ بہت مقبول ہوا، اکبری دور میں کاہی فتنۂ دین الٰہی سے ملوث ہو گیا تھا، اس لیے ملا عبدالقادر بدایونی اس کے مذہبی عقائد کو مطلق پسند نہ کرتے تھے، اور اپنی منتخب التواریخ (جلد سوم ص) میں اس کے لیے سخت الفاظ استعمال کئے ہیں، پھر بھی وہ معترف ہیں کہ شعر و سخن کی وادی میں اس کا کوئی شریک نہ تھا، اور رقمطراز ہیں کہ اس کی دو غزلیں اہل سلوک، اور بزم ملوک میں بڑی مقبول تھیں، ان دونوں غزلوں کا مطلع یہ ہے:-

آتش سودائے لیلیٰ بر سر او تیز کرد	مرغ تا بر فرق مجنوں پر زدن انگیز کرد
گر دراں آئینہ طوطی بنگرد بلبل شود	چوں ز عکس عارضش آئینہ پر گل شود

اس کا دیوان عام طور سے پسند کیا جاتا تھا، بوستاں کے جواب میں ایک مثنوی گل افشاں بھی لکھی۔[۱]

امان اللہ۔ شیخ امان اللہ پانی پتی عالم بھی تھے، صوفی بھی اور شاعر بھی، ہمایوں کے دربار کے ممتاز شعراء میں ان کا شمار ہوتا تھا، تاریخ گوئی میں کمال حاصل تھا۔[۲]

جلالی۔ مولانا جلالی ہندی، فارسی اور ہندی دونوں میں اشعار کہتے تھے۔[۳]

میر ویسی۔ ہمایوں کے درباری امراء میں سے تھا، سخن سنج بھی تھا، اور شعراء کا سرپرست بھی، اس کے دولتکدہ پر شعر و سخن کی مجلسیں برابر منعقد ہوتی تھیں۔[۴]

حیدر۔ حیدر تونیائی شعر و شاعری کے علاوہ نغمہ و موسیقی کے لیے بھی مشہور تھا۔[۵]

---

[۱] منتخب التواریخ جلد سوم ص ۱۷۵، [۲] ایضاً، [۳] ایضاً، [۴] ایضاً، [۵] منتخب التواریخ جلد اول ص ۴۸۰۔

بنایا، وہ بنگال کی مہم پر گیا، تو خواند امیر بھی اس کی معیت میں تھا، بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے بھی اس سے وہی عقیدت قائم رکھی، اور اس سے عزت و احترام سے پیش آتا تھا، تاریخ عالم پر جو اس کو قدرت حاصل تھی، اس سے متاثر ہو کر ہمایوں نے اس کو امیر مورخ کا خطاب دیا، خواند امیر کو بھی ہمایوں سے گہرا لگاؤ اور اخلاص پیدا ہو گیا تھا، جس کا اظہار اس نے مختلف قصائد قطعات اور مثنوی میں بھی کیا ہے، ان قصائد سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، ہمایوں کی فرمایش پر اس نے **قانون ہمایونی** لکھی جس میں ہمایوں کے "بدعات اور اختراعات" کا ذکر کیا ہے، یہ کتاب ہمایوں کے دور کے تمدن اور مصنوعات سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے بہت مفید سمجھی جاتی ہے، اس کے کچھ حصے ابو الفضل نے اپنی تاریخ اکبر نامہ میں بھی نقل کئے ہیں، (دیکھو جلد اول ص ۷۰ - ۳۵۹)، یہ کتاب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع ہو گئی ہے، شروع میں جناب محمد ہدایت حسین صاحب کا پر از معلومات مقدمہ ہے،

خواند امیر ۹۴۱ھ میں ہمایوں کے ساتھ بہادر شاہ والی گجرات کے خلاف مہم میں بھی شریک ہوا، وہاں کی آب و ہوا اس کو موافق نہیں آئی، علیل ہو کر دہلی واپس آیا تو ۹۴۲ھ میں داعی اجل کو لبیک کہا، اور خواجہ شیخ نظام الدین اولیاؒ کی درگاہ میں سپرد خاک کیا گیا، اس کے ایک لڑکے سید عبد اللہ خاں کی تربیت اکبر نے کی، اور اس کی شاہانہ نوازشوں سے وہ منصب ہفت صدی سے بھی سرفراز ہوا،

یوسف بن محمد ہروی ہرات سے آگرہ اکبر کے دربار سے منسلک ہوا، طبیب بھی تھا اور شاعر بھی، ایک قصیدہ بعنوان قصیدہ فی حفظ صحت لکھ کر بابر کی علالت کے زمانہ میں ۹۳۶ھ میں پیش کیا، بابر کی وفات کے بعد ہمایوں نے اس کی سرپرستی کی، چنانچہ یوسف نے طب میں ایک کتاب ریاض الادویہ ۹۴۶ھ میں ہمایوں کے لیے تحریر کی، فن طب میں یوسف کی تین اور تالیفات

کی ہمت افزائی سے اس نے اپنی پہلی کتاب مآثر الملوک لکھی، جس میں ملوک و اولیاء کے اقوال، پند و نصائح کے علاوہ خلفائے بنی امیہ و بنو عباس کے ساتھ ساتھ طاہریوں، سامانیوں اور غزنویوں کی تاریخ بھی ہے، میر علی شیر کے نام سے اس نے اپنی ایک دوسری کتاب خلاصۃ الاخبار فی بیان احوال الاخیار معنون کی جو روضۃ الصفا کی تلخیص ہے، میر علی شیر کی سوانح حیات بھی مکارم الاخلاق کے نام سے لکھی، سلطان حسین کے ایک دوسرے وزیر خواجہ کمال الدین محمود کے نام سے دستور الوزراء معنون کی، اس میں آغاز اسلام سے لیکر ۹۱۵ھ تک کے ممتاز وزراء اور سلاطین کے حالات ہیں، یہ کتاب ۹۱۵ھ میں تیار ہوئی، اسی زمانہ میں خواند امیر نے اخبار الاخیار، جواہر الاخبار اور غرائب الاسرار قلمبند کیں، جن میں شاید صوفیانہ مسائل پر مباحث اور اولیاء عظام کے کوائف ہیں، روضۃ الصفا کی تکمیل کے لیے خواند امیر نے اس کی ساتویں جلد ۹۲۹ھ میں ختم کی جس کی اہمیت آج بھی نظر انداز نہیں کی جا سکتی ہے، اسی سال اس نے فن انشاء پر نامۂ نامی تحریر کی، سیاسی انقلابات سے ہرات جب ایران کے حکمراں شاہ اسمٰعیل کے زیر نگیں ہو گیا، تو خواند امیر اس علم دوست بادشاہ کے متوسلین میں سے ہو گیا، خواند امیر اس بادشاہ کے الطاف و اکرام کا معترف ہے۔

وہ کچھ دنوں جوجان اور غرجستان کے والی مرزا محمد زمان کی فیاضیوں اور زرپاشیوں سے بھی سیراب ہوتا رہا، شاہ اسمٰعیل صفوی کے وزیر کریم الدین حبیب اللہ کی سرپرستی میں اس نے حبیب السیر فی اخبار افراد البشر تین جلدوں میں ترتیب دی جو ابتداء عالم سے ۹۳۰ھ تک تاریخی واقعات پر مشتمل ہے، اور اب تک اہم تاریخوں میں شمار کی جاتی ہے، اس کتاب کے ختم ہونے سے پہلے حبیب اللہ کا انتقال ہو گیا، جس کے بعد خواند امیر کے دن اچھے نہیں رہے، اسی لیے ۹۳۳ھ میں وہ ہرات سے قندھار چلا آیا، قندھار سے آگرہ ۹۳۵ھ میں بابر کے پاس پہنچا، بابر اس کی علمی شہرت سے واقف ہو چکا تھا، اس لیے بڑی گرم جوشی اور عقیدت سے اس کا استقبال کیا، اور اپنا ندیم خاص

ہمایوں اور علم ہیئت — ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا، اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم نجوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر"[1]

اکبر نامہ میں ہے:-

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ و سائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت"[2]

طبقات اکبری جلد دوم (ص ۱۰۴) کا مصنف رقمطراز ہے:-

"و در علم نجوم و ریاضی بے بدل بود"

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا، جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے، وہ ہمایوں کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چنانچہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت اور پریشان حالی میں بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا، اس سفر میں شیخ ابو القاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:-

"و از ہمیں حدود مولانا نور الدین محمد ترخاں، بالتماس طلب شیخ ابو القاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بفضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی داشتند، فرستادند و در کابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدند و از آمدن ایں دو عزیز بسیار ضبط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج درمیان آوردند"[3]

آوارۂ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دلچسپی برابر قائم رہی، اور جب کبھی وہ

---

[1] منتخب التواریخ بدایونی ج ا ص ۴۶۰، [2] اکبر نامہ ص ۳۰۰، [3] اکبر نامہ ص ۲۲۱،

ہیں جن کے نام جامع الفوائد اور فوائد الاخبار ہیں۔ فن انشاء پر ایک تصنیف بدایع الانشاء بھی اسی کے نام سے منسوب کی جاتی ہے۔[1]

محمد بن اشرف الحسینی الرستمداری بابر اور ہمایوں دونوں کے ساتھ وابستہ رہا، بابر کو ہندوستان کی تسخیر کے سلسلے میں جتنے جواہرات ملے ان کے اقسام پر محمد نے ایک کتاب جواہر نامۂ ہمایونی لکھی، اس میں جواہرات سے متعلق مفید معلومات اور مباحث ہیں۔[2]

ہمایوں کے عہد میں، اور شاید اسی علم دوست بادشاہ کے لیے مولانا محمد بن علی بن محمد المسکن القاضی السمرقندی نے ایک ضخیم کتاب جواہر العلوم ہمایونی لکھی، یہ مختلف علوم و فنون کی قاموس ہے۔ جو ایک ہزار چھ سو اٹھائیس صفحے پر مشتمل ہے۔[3]

جوہر۔ ہمایوں کا آفتابچی تھا، خلوت اور جلوت میں برابر بادشاہ کے ساتھ رہتا تھا، کچھ دنوں کے لیے ہیبت پور کا محاصل اور پھر سرکار پنجاب و ملتان کا خزانچی بھی مقرر ہوا، ہمایوں کی وفات کے بعد ۹۹۵ھ میں **تذکرۃ الواقعات** لکھنی شروع کی، جس میں ہمایونی عہد کے سیاسی واقعات ہیں، یہ کتاب تصنع اور تکلف سے پاک ہے، اس لیے ایک مفید تاریخی لٹریچر سمجھا جاتا ہے، میجر چارلس اسٹوارٹ نے اس کا انگریزی میں ترجمہ کیا ہے۔

ہمایوں کے ایک دوسرے ہم جلیس **بایزید** نے ۹۹۹ھ میں اکبر کی فرمائش سے **تاریخ ہمایوں** لکھی، جس میں سیاسی حالات کے علاوہ ہمایوں کے عہد کے فضلاء و شعراء کا بھی ذکر ہے۔ میری نظر سے یہ کتاب نہیں گزری، (دیکھو مخطوطات فارسی انڈیا آفس لائبریری نمبر ۹۵ جلد اول)

---

[1] برٹش میوزیم مخطوطات فارسی ص ۵۰۴ و ۵۲۹، [2] ایضاً ص ۹۶ و ۹۵، [3] اس کتاب کے کچھ اقتباسات کے لیے "مغل دربار میں فارسی ادب" از عبدالغنی دیکھو۔

ہمایوں کو اس فن میں اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت میں گنوا دی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصد خانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جا رہا تھا، بادشاہ ریاضی دانوں کی ایک جماعت کے ساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا، اور زہرہ کے طلوع ہونے کا انتظار کر رہا تھا، کہ مغرب کی اذان ہوئی، بادشاہ اذان سنکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا، اور سخت زخمی ہوا، اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا،[۱]

بادشاہ کو جو رجحانات فلکیات سے جو انس تھا اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے،

کرے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتدائی رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو "اصطرلاب ہمایونی" کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس کے عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں،[۲]

ہمایوں کا سپہ سالار بیرم خان خانخاناں فارسی و ترکی کا ایک اچھا شاعر، اور صاحب دیوان تھا،[۳] اس نے ہمایوں کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے، جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے :-

آں چرخ بہ جیست کہ مدو بر محور ش مدار   آں مدر کز میانہ شہابش کند گذار

---

[۱] اکبر نامہ ص ۳۰۳، [۲] دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف جلد ۳ نمبر ۲، ص ۰۰، [۳] بیرم خاں سے نظیری سمرقندی نے شاہنامہ کے طرز پر ایک مثنوی شاہنامہ ہمایونی لکھانے کی کوشش کی مگر وہ مکمل نہ ہو سکی۔

کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا، ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبر نامہ میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے، کہ جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لے کر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس عمل بیابانی کو دیکھ کر ہنس پڑا،[۱] ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ وہ علماء کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، نور الدین ترخاں نوری سفیدونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، ماثر الامراء میں مولانا مذکور کے حال میں ہے،

مولانا بفضل وکمال و شجاعت و سخاوت انصاف داشت و در ہیئت و ہندسہ و اصطرلاب شوق مند بود .... وصحبتش با جنت آشیانی (ہمایوں) کوک گشتہ، و از جملہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی گردید .... گاہے بادشاہ از و استفادۂ علوم می کرد، و گاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تمام داشت استفاضہ می نمود[۲]"

ہمایوں نہ صرف خود ان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا، بلکہ ملک کے نجومیوں کی قفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلات رصد ترتیب دیے،[۳] سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے، اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استواء کے نکات پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا اور نجومی مشاہدات ختم کیے،[۴]

۱؎ اکبر نامہ ص ۲۲۲ ۲؎ ماثر الامراء ج ۳ ص ۴۴۹ ۳؎ اکبر نامہ ص ۳۸۳ ۴؎ ترجمہ مرآۃ الممالک پروفیسر ڈیمیری باب پنجم، بحوالہ معارف ج ۲۲ ص ۸۸

ذریعہ سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگوں کو اہل مراد سے موسوم کیا،

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنوں کو بھی ان جماعتوں سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دونوں دنوں میں وہ علم و عبادت کے ناظموں کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کے ساتھ ان دنوں کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے، اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علماء کا ستارہ ہے، یکشنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے، ان میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لیے مقرر کیے گئے تھے کہ یکشنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے، سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایوں نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لیے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لیے وقف تھے.

ہمایوں نے دو خرگاہ بنائے تھے، جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر تھی، ایک خرگاہ کو آسمان کے برجوں کی طرح بارہ حصوں میں تقسیم کیا تھا، اور ہر برج میں ایک نجوم آویزاں تھا، جس کے سوراخوں سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نو دن آسمانوں کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے.

ہمایوں کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی، اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ، چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زریں، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب

باانگہ می کند بہ و خور برابری	آمد بجاں ز حلقہ بگوشانِ شہریار
تا دید چشم کوکبۂ آفتاب را	چوں مجۂ لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان و زمیں زیر حکم اوست	بر چو نگین خاتم شاہِ جم اقتدار
برکف نہادہ خوانِ زری پر ز اشرفی	تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار
شاہ بلند قدر ہمایون کر از شرف	بر درگہش سپہر نہد روے افتخار[1]

ہمایوں کے تمام خانگی، ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا، ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایوں نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گروش معلوم کرکے تاریخ مقرر کی،[2] اکبر جب امرکوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشنگوئی کی کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہوگا، جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی،[3]

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیوں کے نام فال لیے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیوں کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایوں نے اپنی سلطنت کی اساس انہی ناموں پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازموں کو تین حصوں میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد، کل سپاہیوں کا نام اہل دولت رکھا، کیونکہ انہی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکماء و علماء و مشائخ اور شعراء کو اہل سعادت کہا، کیونکہ ان کے

[1] بدایونی ج ۳ ص ۱۹۱، [2] ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۲ [3] ایضاً ص ۵۵

کیا ہوگا، چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت وتاج کا از سرنو مالک ہوا، اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھکر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتبخانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ بازبہادر تھا، [۱]

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدان جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتبخانہ [۲] اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ جب وہ کھمبایت کا محاصرہ کر رہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخوں مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا، لیکن پھر فوراً ہی واپس مل گیا، [۳]

جب ہمایوں بے تخت وتاج عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں، اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم اس کے ہم رکاب تھا، [۴]

ہمایوں اور تعلیمی ادارے | ہمایوں کا زمانہ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لیے اس کو عام طور پر تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے، پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوافی جو نظم ونثر کے بہت بڑے عالم تھے، آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا، [۵]

---

[۱] تزک جہانگیری، [۲] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۳۷، [۳] اکبر نامہ دفتر اول، [۴] آئین اکبری، [۵] منتخب التواریخ بدایونی ص ۱، ۴۷،

بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کے لیے مخصوص تھا، مثلاً امرائے ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علمار کو دائرۂ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایوں نے اپنی ذات کے لیے دائرۂ زریں اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا۔[1]

ہمایوں اور علم ریاضی نجوم و ہیئت کے لیے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اس لیے ہمایوں اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس کے عہد کے تمام ممتاز ریاضی دان اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبر نامہ میں ہے :-

"در اقسام خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر و سہیم نداشتند"

ایک دوسری جگہ ہے :-

"در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایۂ بلند بود و ہموارہ با ارباب حکمت صحبت می داشتند و ممتازان علم ریاضی در پایۂ سریر والا کامیاب سعادت بودند"[2]

فرشتہ لکھتا ہے :-

"در علم ریاضی علم مہارت می افراشت، مدار صحبتش با علما و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس او مسائل علمی مذکور می شد"[3]

ہمایوں اور کتب خانہ کا ذوق ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع

---

[1] ان تفصیلات کیلئے دیکھو قانون ہمایونی (بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، ورلیٹ جلد پنجم ص ۱۲۰، ۱۲۱)

[2] اکبر نامہ ص ۳۶۸، [3] فرشتہ جلد اول مقالہ دوم ص ۲۱۴

واسطرلاب دانانِ وقت شناس ساعتے خاص برائے افتتاح تعلیم آن حضرت تعیین فرموده بودند که دماوداروِ اعمار بہم نتواند رسید، چون ساعت مختار رسید آن محبوب بآداب الٰہی بجاے بازی درآمده در پرده احتجاب مختفی شدند، وبآن همه توجه واهتمام بادشاهی هرچند تکاپوے فرمودند پے بآن حضرت نبردند. وآگاه دلان روشن ضمیر ازین سر بدیع دریافتند که مقصود ازین آنست که آن خداوند خرد والا که مخصوص بتعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب ومنسوب نشود تا در هنگام ظهور این خدیو نکته شناس بر زمانیان ظاهر شود که دانشوری این پادشاه دانشوران از قسم موهبت ست، نه از جنس مکتسبی و باوجود این معنی بر ضمیر اقدس آنحضرت نقوش حرفی وعلوم رسمی چه از آنچه رقم زده قلم اهل فنون شده وچه از ان نکات اسرار که از مبدء فیاض بے توسط تعلیم وتعلم بر باطن انور فائز گشته جلوه ظهور دارد، وهمواره ارباب حکمت واصحاب ریاضت وصاحبان علوم ظاهری ودانشورانِ صنائع کلی وجزوی چون در بساط حضور اقدس میرسند، از نشناسائی خود سر خجالت بگریبان تامل فرو برده، حیران می مانند، القصه چون چندگاه پیش آن افادات انتساب بخواندن زبون تر از ناخواندن اشتغال داشتند اهل ظاهر بر عدم کوشش آخون حمل کرده در تغیر آن اهتمام نمودند. وآن بیچاره را معزول ساخته خدمت او را بمولانا بایزید مقرر ساختند وندانستند که کارفرمایان ابداع اهتمام دارند که ضمیر الهام آن نورپرورد ایزدی محل انعکاس نقوش مدادی ومورد انطباع سواد علوم ظاهری نگردد،"[1]

ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادوں میں مولانا پیر محمد خان

[1] اکبرنامہ ج ۱ ص ۲۷۱ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔ یہ طویل اقتباس اس لیے بھی درج کیا گیا ہے کہ اکبرنامہ کے طرزِ انشاء کا نمونہ پیش نظر ہے۔ آگے چل کر اس کتاب کی خصوصیات کا ذکر آئے گا۔

اکبر

ہمایوں کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے۔ شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کے ساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اور اکثر ظالم چچا کے پنجے میں گرفتار رہا، اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور سلطنت کا بار عظیم اس کے کندھوں پر رکھدیا گیا، اس حالت میں اس کی تعلیم کہاں تک ہوسکتی، تاہم ہمایوں کی علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چنانچہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی،

ابوالفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:-

"در ہفتم شوال این سال کہ از عمر ابد پیوند حضرت شاہنشاہی چہار سال و چہار ماہ و چہار روز شدہ بود، بآئین رسم وعادت آن آموختہ درسگاہ الٰہی در موزدان لبستان ربانی را در مکتب بشری در آوردند و ملازادہ ملا عصام الدین ابراہیم را باین خدمت گرامی شرف اختصاص بخشیدند، اگرچہ در نظر ظاہر بینان بآموزش فرستادند، اما در دیدہ دور بینان بارگاہ ظہور آن حضرت را بپایۂ والائے آموزگاری بردند، از غرائب آنکہ حضرت جہانبانی کہ از علوم آسمانی آگاہ بودند، و بدقائق نجوم می رسیدند، باتفاق ستارہ شماران باریک بین

بہرحال اکبر کے امی محض ہونے کا دعویٰ شک و شبہہ سے خالی نہیں، لیکن یہ بات تعریف
کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مایگی کے باوجود اس کے دل میں علوم و فنون کا شوق اور
ان کی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اس کے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا
کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق
ناصری، کیمیائے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستاں، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم،
بوستاں، شاہنامہ، خمسۂ شیخ نظامی، خسرو اور مولانا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان،
اور ہر قوم کی تاریخیں اس کے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے،
وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنادیتا تھا[1]، اور جب کتاب ختم ہوجاتی، تو پڑھنے
والے کو جیب خاص سے انعام دیتا، اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا، کہ کوئی تاریخی سرگذشت یا فقہی مسئلہ
یا علم و فن اور فلسفہ و حکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا جو اس کے علم میں نہ ہو، اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ
کرسکتا ہو، دیوان حافظ اور مثنوی مولانا روم کے بہت سے اشعار اس کو یاد تھے[2]، اس کے علمی مذاق
کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے :-

"وبہ دقائق نظم و نثر چناں می رسید ند کہ، فوقے برآں متصور نبود" (ص ۱۵ نولکشور پریس)،

اکبر کا علمی و ادبی ذوق اس قدر بلند ہوگیا تھا کہ وہ خود اشعار بھی کہنے لگا تھا، ابوالفضل لکھتا ہے:

وطبع الہام پذیر آنحضرت بگفتن نظم ہندی و فارسی بغایت موافق افتادہ و دقائق
تخیلات شعری نکتہ سنجی و موشگافی می فرمایند،[3]

تاریخ فرشتہ میں ہے

اگرچہ خط سواد کامل نہ داشت، اما گاہے شعر گفتے، و در علم تاریخ وقوفے تمام داشت

---

[1] آئین اکبری ص ۷۷، [2] اکبر نامہ ج ۱ ص ۱۷۱، [3] ایضاً، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

نقیب خاں، مولانا عبد القادر بیرم خان، اور مولانا میر عبد اللطیف قزوینی کے نام بھی لیے جاتے ہیں، میر عبد اللطیف قزوینی اکبر کو دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے[1]۔

اب سوال یہ ہے کہ ہمایوں کی کوشش اور ان مختلف استادوں کی تعلیم کہاں تک بارآور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو امی محض بتاتے ہیں، چنانچہ ابھی آپ دیکھ چکے کہ ابوالفضل اسکو امی بتا کر اس کی تشریح یوں کرتا ہے کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علوم ظاہری کی تحصیل کے بغیر ہمارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے، پھر لکھتا ہے کہ اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اہل عالم پر یہ روشن ہو جائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسبی بندہ سو حاصل کی ہوئی نہیں، ابوالفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لیے ہے کہ وہ اکبر کو پیغمبروں کی صف میں لاکر کھڑا کرنا چاہتا ہے،

لیکن اس کو کون مان سکتا ہے، کہ ہمایوں کی اتنی توجہ اور استادوں کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا کچھ جانتا ہی نہ تھا، حالانکہ اس کے لیے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہاں ایک استاد کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علحدہ کر دیا گیا، اور دوسرا مقرر ہوا، اس کے باوجود وہ نوشت و خواند سے اتنا نابلد رہا، کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابوالفضل آئین اکبری میں "آئین آموزش" کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ گیتی خداوند کے کہنے سے "حرف آموزی و تعلیم" کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں، جو شخص "آئین آموزش" کے اتنے دقیق نکتہ کو، اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیونکر کوئی مان سکتا ہے کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا،

[1] منتخب التواریخ، بدایونی، ج ۳، ص ۹۰، [2] رائل ایشیاٹک سائٹی میں ظفرنامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، اسکے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ "فرود دین" موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے، اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے (جامعہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۰ء)

کمتر باشم ز خبرِ دجال امروز — فردا من اگر جدا نسازم سرِ تو

خان زماں نے پھر لکھ بھیجا۔

تا ہست اثر خالصہ در کشورِ تو — مشکل کہ بمن جنگ کند لشکرِ تو

بگذر ز زر و سیم کہ تا نوکرِ تو — از سر گذرد برائے سیم و زرِ تو

اکبر کا جواب تھا:۔

با آنکہ بود خاک درم افسرِ تو — امروز بمن فردنیاید سرِ تو

از دولت من ہست ترا سیم و زری — وز زورِ زر است قدرتِ لشکرِ تو

خان زماں شاہی فوج کے مقابلہ کی تاب نہ لا سکا، بالآخر اس نے سپر ڈال دی، اور معذرت پیش کی۔

اے شاہ زمان منم کمین نوکرِ تو — وز ترس نمی توانم آمد برِ تو

از دور تو قصد کشتن من داری — نزدیک چسان توانم آمد برِ تو

اکبر نے خان زماں کو معاف کر دیا، اور لکھا۔

گفتی تو چو راستی خدایا درِ تو — صد رحمتِ حق بر پدر و مادرِ تو

تغیر مدہ تو سکہ و خطبۂ من — تا من نکنم ارزوے کشورِ تو[1]

تذکرۂ روزِ روشن میں اکبر کا ذکر شعراء کے زمرہ میں کیا گیا ہے، اور اس میں اس کے حسب ذیل اشعار منقول ہیں[2]

شبنم مگو کہ بر ورقِ گل فتادہ است — کان قطرہ ہا ز دیدۂ بلبل فتادہ است

گریہ کردم ز غمت موجب خوشحالی شد — ریختم خون دل از دیدہ و دلم خالی شد

---

[1] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔ [2] تذکرہ روزِ روشن مولفہ نواب صدیق حسن ص ۶۲۔

وقصص ہند نیکو می دانست [1]

ابوالفضل نے اکبر کے اشعار میں حسب ذیل بیت کو خاص طور سے پسند کیا ہے۔

نیست زنجیر جنون در گردنِ مجنون را | عشق دست دوستی در گردنش افگندہ است

ریاض الشعراء (مؤلفہ علی قلی والہ داغستانی) میں بھی اکبر کے کچھ اشعار منقول ہیں، عبداللہ خاں اوزبک والی توران کو ایک موقع پر اس نے حسب ذیل مستزاد رباعی لکھ بھیجی:۔

عمرم ہمہ در فراق و ہجران بگذشت | با درد و الم

این عمر گرانمایہ چہ ارزان بگذشت | در رنج و ستم

عمر یکہ بشد صرف بسم قند وہری | با عیش و طرب

افسوس کہ در آگرہ ویران بگذشت | با غصہ و غم

اکبر کی ایک منظوم خط و کتابت کی بھی مثال ملاحظہ ہو، علی قلی خان جس کو خان زمان کا خطاب ملا تھا، ہمایوں کے ممتاز امراء میں سے تھا، جونپور کا حاکم بنا کر بھیجا گیا، اکبر کے عہد میں اس نے علم بغاوت بلند کیا، اس بغاوت کو فرو کرنے کے لیے اکبر خود مہم میں شریک ہوا، خان زماں علم پرور ہونے کے علاوہ خود بھی شاعر تھا، سلطان تخلص کرتا تھا (مآثر الامراء ج ا ص ۶۳۰) اس نے سخت لب ولہجہ میں اکبر کے پاس یہ اشعار لکھ بھیجے،

اے سد سکندر زمانہ درِ تو | یاجوج بود سپاہی لشکر تو

در دور تو آثار قیامت پیداست | دجال توئی خواجہ امینا خر تو

اکبر نے اپنے حریف کو اسی انداز اور درشتی سے جواب دیا

اے خانِ زماں کہ پر بود لشکر تو | شد دولت من باعث کرو فر تو

---

[1] تاریخ فرشتہ

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کیں، اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی۔[1] ایک بار محفل نغمہ و سرود میں اس کے سامنے فغانی کا یہ شعر پڑھا گیا

مسیحا یار و خضرش ہم رکاب و ہم عنان بیسے   فغانی آفتاب من بدین اعزاز می آید

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی،

فغانی شہسوارِ من بدین اعزاز می آید

ایک موقع پر ملا طالب صفاہانی کی حسب ذیل رباعی پڑھی گئی جس میں حکیم ابوالفتح گیلانی کی موت پر افسوس، اور اس کے بھائی حکیم ہمام کی آمد پر خوشی کا اظہار کیا گیا تھا،

همرو و برادرم کہ دو حساؤ آمد   او شد بہ سفر وین ز سفر باز آمد

او رفت بد نبالہ او عمر برفت   وین آمد و عمر رفتہ ام باز آمد

اکبر نے اس رباعی کو سنا تو کہا کہ دنبالہ کے لفظ سے شعر میں گرانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس لیے یہ مصرعہ اس طرح پڑھا جائے تو بہتر ہے،

او رفت و ز رفتنش مرا عمر برفت

اکبر کو علم و فن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا اندازہ ان صحبتوں سے بھی ہوتا ہے، جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں، اور جس میں ہر فن کے ارباب کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و تمحیص کرتے تھے، اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار میں ایسے ارباب کمال جمع ہو گئے تھے جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبر ہی عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہیں، لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشاں نہیں، یوں تو ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری، اور علم نوازی اس حکومت کی بنیاد کے ساتھ ہی نظر آتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے کہ علوم و فنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد

[1] منتخب التواریخ جلد دوم،

قطعه

دوشینہ بکوے می فروشان — پیمانۂ مے بزرخریدم
اکنون زخمار سرگرانم — زر دادم و درد سر خریدم

رُباعی

از بار گنہ خمیدہ پشتم چکنم — نے راہ بسجدہ نہ کنشتم چکنم
نے وصف کافر نہ مسلمان جایم — نے لائق دوزخ نہ بہشتم چکنم

ایضاً

من یاد دلم کہ خون شد از دوری او — من یار غمم زدست مجوری او
در آئینۂ چرخ ز قوس قزح است — عکسی است نمایان شد از جوری او

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں مذکورۂ بالا اشعار میں سے دو بحر شعر، قطعہ اور دوسری رباعی کے علاوہ حسب ذیل دو شعر اور نقل کرتے ہیں،

من بنگ[1] نمی خورم مے آرید — من چنگ نمی زنم نے آرید
حاجی بسوے کعبہ رود از برائے حج — یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوے ما

ان اشعار کو نقل کرتے ہوئے محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ

"اشعار جو اس کے (یعنی اکبر کے) نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں، کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو۔"[2]

---

[1] ایک جگہ من بنگ کے بجائے من قہوہ بھی ہے۔ [2] دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص ۱۲۱

کیں، ابو الفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے[1]، جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی، یہ ترجمہ اب تک متفرق کتبخانوں میں پایا جاتا ہے[2]،

۲- **رامائن**۔ ۹۹۵ھ میں عبد القادر بدایونی نے شاہی حکم کے بموجب رامائن کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزو پر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجۂ ذیل شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا،

ما قصہ نوشتیم بسلطان کہ رساند　　جان سوختہ کردیم بجانانکہ رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا، اور اس نے خواہش ظاہر کی کہ ملا بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کر دیں، لیکن ملا صاحب نے کفر و الحاد کی کتاب پر کچھ لکھنے سے انحراف کیا[3]، اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں (انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۶۳، بوڈلین لائبریری نمبر ۱۳۱۵)

۳- **سنگھاسن بتیسی**۔ ۹۸۲ھ (۱۵۷۴-۷۵ء) میں ملا عبد القادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنہاسن دوترنشتی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندوؤں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پا کر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا، اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا[4]، (بوڈلین لائبریری، کتاب نمبر ۱۳۲۲)

۴- **حیوۃ الحیوان**۔ دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۲۱-۳۱۹ [2] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۴، ۵۶۳۰، بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۱۳۰۹-۱۳۰۴، [3] بدایونی ج ۲ ص ۳۶۶ [4] ایضاً ص ۱۸۴،

فرمانروا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہیں جو اکبر کی سرپرستی میں ظہور میں آئیں، اور جس کی وجہ سے اس کا عہد سلطنت علمی حیثیت سے جگمگا اٹھا تھا۔

تراجم

مہابھارت، سنہ ۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کے لیے پہلے ہندو پنڈتوں کو جمع کیا، جنھوں نے مہابھارت کے نفس موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا، اور اکبر نے خود کئی متواتر راتوں میں نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبد القادر بدایونی بھی جو زبان سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبد القادر مہابھارت کو "خرافات لاطائل" بتاتے ہیں، اس لیے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے، لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کر سکتے تھے، چار مہینوں کی کوششوں کے بعد ۲ باب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کر سکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور حاجی سلطان تھانیسری[1] نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی، لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرنا شروع کیا، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دار السلطنت چھوڑنا، اور بھکر جانا پڑا، ملا عبد القادر بداونی کا بیان ہے کہ حاجی سلطان تھانیسری جب یہ ترجمہ کر رہا تھا تو کسی نے پوچھا کہ کیا لکھ رہے ہو تو جواب دیا کہ "حرف دہ ہزار سالہ را بزبان حال موافق می سازم" یعنی ہزاروں سال کی پرانی بات کو آج کی بات بنا رہا ہوں، (جلد سوم ص ۱۱۹) ملا شیری مہابھارت کے بارہ میں کہتے تھے کہ یہ افسانہ ایک خواب ہے جو کسی نے بخار کی حالت میں دیکھا تھا (بدایونی ج ۳ ص ۲۲۹) اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کا نام **رزم نامہ** رکھا، اور تمام معرکوں کی تصویریں بنا کر اس میں شامل

---

[1] ملا بدایونی حاجی سلطان تھانیسری کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "علوم نقلیہ را خوب ورزیدہ"، آخر وقت میں وہ تھانیسر اور کرنال کا کروری مقرر ہوا تھا۔

۹۔ تاجک ۔ علوم نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے، مکمل خان گجراتی نے اس کو فارسی کا قالب پہنایا،

۱۰۔ ہربنس ۔ کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولانا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا،

۱۱۔ معجم البلدان ۔ شہاب الدین عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھ، قاسم بیگ، شیخ منور اور دوسرے فضلائے روزگار نے مل کر کیا،

۱۲۔ تاریخ کشمیر ۔ راج ترنگنی مصنفہ کلہانا سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں بزبان سنسکرت لکھی گئی، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اس کی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چنانچہ مولانا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابو الفضل کا بیان ہے کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہے[۱]، اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے[۲]، اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبد القادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتبخانہ میں داخل ہوا،[۳]

۱۳۔ کلیلہ دمنہ ۔ قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملا حسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا، لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اس قدر پیچیدہ اور مشکل ہو گیا تھا، کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابو الفضل کو حکم دیا کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھکر ایسی عبارت میں ترجمہ کیا جائے کہ اس کے پند و نصائح آسانی سے سمجھ میں آئیں ۹۹۶ھ میں ابو الفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا،[۴] کتاب کے اختتام پر ابو الفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے، جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کئے گئے ہیں، (انڈیا آفس لائبریری، کتب نمبر ۰۰۰، ۔ ۲۰۷، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۲۰۔ ۴۲۸)

---

[۱] آئین اکبری ص ۷۷، [۲] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۱۰۲۰، [۳] بدایونی جلد دوم ص ۳۷۴، [۴] آئین اکبری ص ۷۷،

میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھ کر سناتا، اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا،[1]

۵- **اتھربن**۔ اکبر ہندوؤں کے علوم و فنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چنانچہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبان فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن کا فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اول اول یہ کام ملا عبد القادر بدایونی کے ذمہ کیا گیا، ایک نو مسلم برہمن بھاون ان کو مطلب سمجھاتا جاتا تھا، اور وہ فارسی میں لکھتے جاتے تھے، لیکن اس کی عبارت بہت ہی مغلق تھی، اس لیے وہ یہ کام انجام دینے سے قاصر رہے، چنانچہ فیضی سے فرمایش کی گئی، پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد ہوئی، گو شیخ ابراہیم نے یہ خدمت انجام دی، مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا،[2]

۶- **انجیل**۔ نصرانی مبلغین کو شاہی دربار میں کافی رسوخ حاصل ہو گیا تھا، اکبر نے ان سے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت حاصل کی، اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی، اسی سلسلہ میں انجیل کے فارسی ترجمہ کی بھی فرمایش کی، اس کام کے لیے ابو الفضل کو مامور کیا، جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا،[3] انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہے کہ اکبر نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا،

۷- **تزک بابری**۔ بابر نے اپنے خیالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کئے تھے، اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبد الرحیم نے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کیا، جس کی زبان نہایت سادہ، شستہ اور صاف ہے،

۸- **لیلاوتی**۔ فن ریاضی کی ایک مشہور کتاب ہے، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا،

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۴۱، [2] ایضاً ص ۲۱۲، [3] ایضاً ص ۲۶۰

کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبدالقادر بدایونی، مولانا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ اور آصف خان نے ملکر اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی، ملا عبدالقادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں[1] تیسری جلد میں ۹۹۷ھ تک کی تاریخ ہے، اور ۱۰۰۰ھ میں ختم کی گئی، پروفیسر ڈاوسن کا خیال ہے کہ ان چاروں جلدوں کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہئیں[2]۔ اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں مختلف اہل علم نے حصہ لیا، اس کا ذکر ملا عبدالقادر بدایونی اس طرح کرتے ہیں:۔

اسی سال یہ حکم ہوا کہ ہجرت سے چونکہ ہزار سال پورے ہو گئے، اور لوگ ہر جگہ ہجری تاریخ لکھتے ہیں، اب مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایسی تاریخ مرتب کی جائے جو ان تمام سلاطین کے حالات پر حاوی ہو، جو ابتدائے اسلام سے ابتک گذرے ہیں، جس کے دوسرے معنے یہ تھے کہ ایسی تاریخ لکھوائی جائے جو دوسری تمام تاریخوں کی ناسخ ہو۔ اس تاریخ کا بادشاہ نے الفی نام رکھا اور یہ بھی حکم دیا کہ سنین کے ذکر میں ہجرت کے بجائے رحلت لکھیں، اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے روز وفات سے آج تک کے واقعات کے لکھنے کے لیے سات آدمیوں کو حکم ہوا، پہلے سال کے واقعات کو نقیب خان لکھیں اور دوسرے کو شاہ فتح اللہ، اور تیسرے کو حکیم ہمام، چوتھے کو حکیم علی، پانچویں کو حاجی ابراہیم سرہندی، چھٹے کو مرزا نظام الدین احمد اور ساتویں کو فقیر قلمبند کرے، اسی طرح ۳۵ سال کی تاریخ مرتب ہو گئی، ایک رات کو ساتویں سال کے متعلق جب کہ فقیر خلیفہ ثانی کے حالات لکھ رہا تھا اور قصر الامارۃ کوفہ کی بنا و انہدام

---

[1] انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۴۰۔ [2] ایلیٹ ج ۵ ص ۱۵۱۔

۱۴- نل دمن - یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے، سنہ ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعرا فیضی نے خسرو کی لیلی مجنوں کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں، اور قابل تعجب یہ امر ہے کہ صرف پانچ مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام پذیر ہوا، اس کے کمال و خوبی کی داد ملا عبد القادر، جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں:

"والحق مثنوی ست کہ دریں سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نگفتہ باشد"[۱]

۱۵- جامع رشیدی - سنہ ۹۹۳ھ میں عبد القادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا، جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوا[۲]

۱۶- بحر الاسمار - ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابو الفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا، چنانچہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا، جو ساٹھ جز میں تھا، اکبر نے خوش ہو کر دس ہزار تنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا[۳]

۱۷- اکبر نے شہزادی کی عربی تالیف تاریخ الحکما کا بھی فارسی ترجمہ مقصود علی تبریزی سے شہزادہ سلیم کی تعلیم کے لیے کرایا، اس کا نام **نزہتہ الارواح و نزہتہ الافراح** رکھا گیا۔

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چنانچہ **زیج مرزائی** کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی، ابو الفضل، کشن جوتشی، گنگادھر، مہیش مہانند شریک تھے[۴]

تصنیفات **تاریخ الفی** - اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اس کے زمانہ تک کی

---

[۱] بدایونی ج ۲ ص ۳۹۶ [۲] ایضاً ص ۳۴۳ [۳] عبد القادر بدایونی ج ۲ ص ۴۰۱ [۴] آئین اکبری، ص ۷۹،

ابوالفضل نے آغاز کتاب میں ایک مقدمہ لکھا[۱]۔ اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ اس طرح بیان کرتا ہے:۔

"مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں، کیونکہ عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور، اور مستند تاریخوں کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین اہل علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھوں نے بڑی دقت نظر کے ساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے، اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں، نظر انداز کر دیا ہے[۲]۔"

اکبر نامہ۔ تیموریوں کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ قائم تھا، اکبر نامہ اور آئین اکبری اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابوالفضل کی محنت و کاوش اور انشاء کا شاہکار ہے، دو جلدوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل واقعات ہیں، آئین اکبری کو اس کی تیسری جلد سمجھنا چاہیے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین اس لیے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش و تحریر ہے، جس میں حد سے زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ

"اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی ...... کیونکہ ابوالفضل گو وہ ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے جو اپنے آقا کی نیکیوں کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیوں سے چشم پوشی کرتا ہے،

---

[۱] آئین اکبری ص ۷۷، [۲] ایتھے ج ۵ ص ۱۵۶، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۴ – ۱۱۰۰۔

ام کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما کے نکاح کے معاملہ، اور پانچوں وقت کی نماز کی تعیین، اور شہر نصیبین کی فتح، اور بڑے بڑے مرغ کے مانند بچھوؤں کے معاملے تک پہنچا تو سخت مباحثہ ہوا، مرزا جعفر آصف خان ثالث کی بری طرح مذگگی، برخلاف شیخ ابو الفضل اور غازی خان بدخشی نے صحیح توجیہات کیں اور جب فقیر سے پوچھا کہ ان واقعات کو کیونکر لکھا تو میں نے کہا کہ جو کچھ کتابوں میں دیکھا، لکھ دیا، میں خود ان واقعات کا موجد نہیں ہوں، اسی وقت کتاب روضۃ الاحباب اور سیر کی دوسری کتابوں کو خزانے سے طلب کر کے نقیب خان کو حکم دیا کہ ان واقعات کی تحقیق کریں، اس نے واقعہ کے مطابق صحیح نقل کر دیا اور مجھکو ان بے محل اعتراضات سے خدا کے فضل سے رہائی ہوئی، ۳۶ سال کے متعلق حکم ہوا کہ اب، ملا احمد ٹھٹھہ تنہا تاریخ الفی لکھیں اور یہ حکم حکیم ابو الفتح کی سفارش سے ہوا، اور انھوں نے تعصب کی وجہ سے اپنے اعتقاد کے مطابق جو کچھ چاہا لکھ دیا، جیسا کہ ظاہر ہے چنگیز خان کے زمانہ تک کے تمام واقعات کو دو جلدوں میں تمام کیا، یہانتک کہ مرزا فولاد برلاس نے ایک رات، اس کو بادشاہ کے طلب کرنے کے بہانہ سے گھر سے نکالا اور لاہور کی گلی میں اس غلو کی وجہ سے جو وہ مذہب میں رکھتا تھا، اور اس تحقیق کی وجہ سے جو اس کو اس سے ہوئی تھی، قتل کر دیا اور خود اس کے قصاص میں قتل ہوا، بقیہ احوال کو حکم کے موافق آصف خان نے نوسوستانوے سال ۹۹۷ تک لکھا اور سنہ ایکہزار میں فقیر کو لاہور میں حکم دیا کہ اس تاریخ کو ابتدا سے مقابلہ اور تصحیح کروں، اور وہ سنہ جو آگے پیچھے لکھے گئے ہیں ان کو مرتب کروں، ایک سال تک اس خدمت میں مشغول رہ کر پہلی دو جلدوں کا مقابلہ کیا، اور تیسری جلد کو آصف خان کے حوالہ کیا۔[1]

[1] بدایونی جلد ۲ ص ۳۱۹–۳۱۸

نقصان پہنچا ہے، مگر اکبر نامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے،
اگر اس کی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کریں، تو پتہ چلے گا کہ وہ
تعریف کرتا ہے، لیکن کم، اور خاص انداز کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ
نہیں کر سکتا ہے، ملکی مورخوں میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا، اور اگر
ہم یہ ذہن نشین کر لیں کہ مشرق کی تمام کتابیں حکمراں کی رائے سے متفق اور متبع ہونا
ضروری قرار دیتی ہیں، خواہ وہ اچھی ہو یا بری، تو پھر ابو الفضل قابل معافی ہے، وہ
اس لیے تعریف کرتا ہے کہ اس نے حقیقۃً ایک سچا ہیرو پا لیا ہے۔"[1]

اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہیں:-

"جن لوگوں کے دماغوں میں نئی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے، وہ اس کی تصنیفات
پڑھ کر یہ لکھتے ہیں، کہ ابو الفضل ایشیائی انشا پردازوں میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف
تھا، اس نے اکبر نامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پرانی لیاقت کو تازہ کیا ہے،
اس نے خوش بیانی اور زیادہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیاں دکھائی ہیں، اور عیب
اس طرح چھپائے ہیں کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مداح دونوں سے نفرت ہوتی
ہے، اور دونوں کی ذات و صفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا،
دنیا کے کاموں کے لیے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ
جو کچھ الفاظ و عبارت کے پڑھنے والوں نے کہا یہ بھی ہے لیکن وہ مجبور تھا، کیونکہ فارسی کا
ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادوں نے بہت اصلاح کی ہے، اور
خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہیں، اور رموز سخن کے تاڑنے والے

---

[1] بلاخ من تمہید آئین اکبری۔

اور اس کے اور اس کے ہوا خواہوں کے رتبہ کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے۔
اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابل قدر ہیں، لیکن اس کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرفداری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کرکے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور پھر بعض موقع پر بے جا اور غیر ایماندارانہ طریقہ پر ایک قصہ لکھ کر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالانکہ وہ شخص بالکل معصوم اور قابل معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر، عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقروں سے لبریز، اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہیں، وہ اکثر واقعات کو نظر انداز کر دیتا ہے، یا اپنے مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے، اور تعریف و توصیف، فتح و کامرانی کے واقعات کا تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدر خاطر ہو جاتے ہیں، اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہیں، اور پھر دوسرے موءرخوں سے اس کے افعال کی نوعیت کا، اس کی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے، اصلی حال معلوم ہوتا ہے، کتاب کا خوشامدانہ انداز (جسے ایسے آدمی نے لکھا، جو اکبر کی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا، اور پھر اس کے معائنہ کے لیے پیش کیا) اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے جو حقیقتہً اس کی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے"۔

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخ اس طرح دیتا ہے:-

"ابوالفضل پر یورپین مصنفین خوشامد پرستی کا الزام عائد کرتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے، جس سے اس کے آقا کی شہرت کو کافی

آئین اکبری۔ اکبر نامہ ہی کے مختلف حصے ہین، اس کی خوبیان جتنی بھی زیادہ بیان کرنے کی کوشش کی جائے گی، پھر بھی قلم قاصر رہے گا، ابوالفضل نے اسکو جس محنت کاوش، امعان نظر اور دیانتداری سے لکھا ہے، وہ ہر زبان کے لیے ایک قابل فخر علمی کارنامہ ہو سکتا ہے، اس کو تیموری دور کے ملکی، حربی، صنعتی، زراعتی، اقتصادی، معاشرتی، تمدنی، خانگی، علمی اور مذہبی حالات وواقعات کا آئینہ سمجھنا چاہیے، اگر یہ کتاب نہ لکھی جاتی تو شاہان مغلیہ کے عہد زرین کے مختلف پہلوون کی تصویرین اتنی واضح اور روشن نظر نہ آتیں، جتنی کہ آج نظر آ رہی ہین، اور اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ہندوستان میں جب برطانوی نظام حکومت قائم ہوا تو اس سلسلہ مین یہ کتاب بے حد معاون ہوئی،

ان تاریخوں کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمایش پر لکھی گئیں، ملک الشعراء ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھیں، خسرو شیرین کے مقابل میں **سلیمان و بلقیس** اور لیلی و مجنون کے طرز پر **نل دمن** لکھی، ان دونوں میں علحدہ علحدہ چار ہزار اشعار تھے، ہفت پیکر کے وزن پر **ہفت کشور** اور سکندر نامہ کے جواب میں **اکبر نامہ** لکھی، جو پانچ ہزار شعروں پر مشتمل تھیں، مخزن اسرار کے مقابلہ میں **مرکز ادوار** لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں[1]،

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر **سواطع الالہام** بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپئے دیے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب **سوارد الکلام** بھی تالیف کی تھی[2]،

ارباب کمال

اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض **فیضی** فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک

---

[1] مآثر الامراء ج ۲، ص ۵۸۷، [2] ایضاً ص ۵۸۸،

ہیں، اور کلام کے انداز اور اداؤں کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا، کوئی بات اٹھا نہیں رکھی، اصل حقیقت کو کہہ دیا ہے، اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھ دیا ہے، کہ اسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام تھا کہ سب کچھ کہہ دیا، اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے اور اب تک بھی نہیں سمجھتے، خوشامد کی بات ہم نہیں مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں کوئی مورخ ہے کہ خوشامد شاہ، اور حمایت قوم سے پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اس کے خاندان کی عزت و آبرو بچی، اسی کی قدردانی سے رکن سلطنت ہوگیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہیں، اور انھوں نے بلکہ خود اس نے صدہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا، اور جان لوٹ لوٹ کر خاک راہ ہوئی جاتی ہوگی، اس نے بہت سا ادب ظاہر کیا، شکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا۔"[1]

مولف مآثر الامرا، ابوالفضل کے انشا، اور اکبر نامہ کے متعلق لکھتا ہے:-

تمام چیزوں سے قطع نظر کر کے شیخ نے فن انشا میں عجیب سحر نگاری سے کام لیا ہے، باوجودیکہ وہ انشا پردازی کے تمام صنوعی تکلفات سے پاک ہے، بایں ہمہ مفرد الفاظ کی نشست، ان کی متانت، حسن ترکیب وغیرہ کا ایک ایسا حصہ اس میں آگیا ہے کہ دوسرے لوگ بمشکل اس کی تقلید کر سکتے ہیں، اور تاریخ اکبری سے اسکی شہادت مل سکتی ہے چونکہ اس نے یہ التزام کر لیا ہے کہ (اس میں زیادہ تر فارسی کے الفاظ آئیں) اس لیے لوگوں کا بیان ہے کہ شیخ نے خمسۂ نظامی کی نثر کر دی ہے، اس فن میں اس کی مہارت کا کمال یہ ہے کہ مہمت سے مطالب کو جو بداہتہً باطل تھے، بادشاہ کی مداحی کے لیے بظاہر چند ایسی تمہیدوں کے ساتھ بیان کیا ہے کہ جب تک غور نہ کیا جائے اصل مقصد معلوم نہیں ہو سکتا۔

---

[1] دربار اکبری، مطبع رفاہ عام لاہور، ص ۵۰۰۔

ہزار قافلۂ شوق می کند شبگیر   کہ بارِ عیش کشاید بہ خطۂ کشمیر

۹۹۹ھ میں اکبر نے خاندیس کے فرمانروا کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، وہاں سے احمد نگر برہان نظام شاہ کے پاس سفیر ہی کی حیثیت سے پہنچا، یہاں سے اکبر کے پاس جو عرضداشت لکھکر بھیجی، وہ مختلف قسم کے معلومات سے پر ہتی، اس کو سیاسی کاموں سے زیادہ دلچسپی نہ تھی، وہ اکبر کے قریب رہ کر علمی مشاغل میں زندگی بسر کرنا زیادہ پسند کرتا تھا، شروع سے اخیر تک اکبر کے ساتھ اس کو خاص قلبی لگاؤ تھا، شاہ عباس صفوی نے اکبر کے پاس قیمتی تحائف لے کر اپنے ایک ایلچی کو بھیجا، تو مؤخر الذکر نے ایک مکتوب پڑھا جس کے سرورق پر یہ رباعی تھی،

زنگی بسپاہ و خیل و لشکر نازد   رومی بسنان و تیغ و خنجر نازد

اکبر بہ خزینۂ پر از زر نازد   عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد

جب یہ رباعی پڑھی گئی تو دربار کا ہر شخص چونک اٹھا، اکبر نے فیضی کی طرف دیکھا، فیضی اپنے محبوب شاہی آقا کی ہتک برداشت نہ کرسکا اور فی البدیہہ یہ رباعی لکھکر پڑھی

فردوس بہ سلسبیل و کوثر نازد   دریا بہ گہر فلک بہ اختر نازد

عباس بہ ذوالفقار حیدر نازد   کونین بہ ذات پاک اکبر نازد

اس کو سنکر دربار میں مسرت و افتخار کی ایک لہر دوڑ گئی، [۱] فیضی نے ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بستر مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالم نزع میں ہے آدھی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لیکر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا، "شیخ جیو، بولو، حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، بولتے کیوں

[۱] بیاض مرزا اسد بیگ ترکمان بحوالہ ہسٹری پرشین لٹریچر اینڈ لینگویج از عبد الغنی جلد سوم ص ۴۶۔

پہنچا دیا، جہاں وہ چہار صدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اس کی متعدد تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں جو شاہی کتب خانہ میں داخل کرلی گئیں، شاعری میں یکتائے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زیں پیش کہ سکہ ام سخن بود ۔۔۔ فیضی رقم نگین من بود

اکنون کہ شدم بعشق مرتاض ۔۔۔ فیاضیم از محیط فیاض

فیضی کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس کے مجموعہ کا نام طباشیر الصبح ہے، فن طب سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، بوعلی سینا کی کتاب القانون کو پڑھانے میں بڑی شہرت حاصل کی تھی، اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اس کی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیضیاب ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، شہزادہ دانیال کو تھوڑے ہی دنوں میں ضروری مراتب سکھا دیے تھے، دانیال نے برج بھاکا اسی سے سیکھی، ۲۸ سنہ جلوس میں اکبر نے اظہار عقیدت کے لیے شہزادہ دانیال کو اجمیر بھیجا تو فیضی کو بھی اس کے ساتھ تعین کیا، سنہ ۹۹۰ھ میں آگرہ، کالپی اور کالنجر کی صدارت اس کو تفویض کی گئی، سنہ ۹۹۳ھ میں جب یوسف زئی پٹھانوں کے خلاف اکبر نے فوجیں بھیجیں تو فیضی بھی اس مہم پر مامور کیا گیا، سنہ ۹۹۶ھ میں اکبر نے ملک الشعراء کا خطاب عطا کیا، سنہ ۹۹۷ھ میں اکبر کشمیر گیا تو فیضی بھی اس کی معیت میں تھا، شاہی جلو میں کشمیر کی حسین وادیوں کو دیکھ کر مست ہو گیا، اور ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا،

اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ عشقیہ فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہوسکتا تھا"[1]

محمد حسین آزاد گوہر افشاں ہیں:۔

"انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطالب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں"[2]

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ ابوالفضل پر نظر پڑتی ہے۔ ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پاکر فراغت حاصل کرلی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھکر اکبر کی خدمت میں گذرانی، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہوچکا تھا، اس کے ذریعہ ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تخت نشینی کے نویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہوگیا، پھر تو شاہی جود و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور وزارت عظمیٰ پر مامور کیا گیا، وہ ایک کامیاب سیاست دان، بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب، مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم کی گئی، مولف مآثر الامراء لکھتا ہے کہ

[1] شعر العجم حصہ سوم ص۴۷، [2] دربار اکبری ص۳۴۔

نہیں ہو" مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا لیکن اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایت اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینک دی۔[1]

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقت نظر اور جودت طبع کے تمام اہل قلم معترف ہیں، ملا عبدالقادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اس کی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے اس کی خوبیوں کی دل کھول کر داد دیتے ہیں اس کی مثنوی نل دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اس کے بارے میں لکھتے ہیں:-

"در فنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشا، عدیل در روزگار نداشت"[2]

مصنف ماثر الامرا، اس کی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہے:-

"بدقت طبع و جودتِ ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتہ، در حکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و بہ تشنگی دانش فراپیش گرفتہ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد"[3]

موجودہ دور کے ارباب کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلی لکھتے ہیں:

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے، جن کو اہل زبان کو بھی جار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں:"

ایں آں غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت — در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

"..... فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے"

---

[1] بدایونی جلد اول صفحہ ۳۲۳ و ماثر الامرا جلد ۲ صفحہ ۵۸۵ و شعر العجم جلد سوم۔ [2] بدایونی جلد ۳ صفحہ ۲۹۹، [3] ماثر الامرا، صفحہ ۵۸۴

اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشاء کے مکمل نمونے ہیں، ابوالفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لیے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابوالفضل کے طرز انشاء پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اس کی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جا سکتا ہے[1]"

ابوالفضل کے مختلف تراجم اور تاریخی شاہکار اکبر نامہ اور آئین اکبری کا ذکر آ چکا ہے، انکے علاوہ انشائے ابوالفضل کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں، انشائے ابوالفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ ابتک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے کشکول میں ابوالفضل کے انتخاب کردہ نثر و نظم کے وہ نمونے ہیں جو اس نے یادداشت کے طور پر وقتاً فوقتاً لکھ لیے تھے، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے درج ہیں، جو ابوالفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے،

ابوالفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخرکار ابوالفضل کا وکیل سیاہ لباس پہنکر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے جب کسی شہزادہ کے انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل باپ تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابوالفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہو گیا، خبر جانکاہ سنکر فرط غم سے نڈھال ہو گیا اور بولا

"اگر شاہزادہ را داعیۂ پادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے"

[1] بلاخ من، تمہید آئین اکبری،

"بجودت طبع و رسائی فہم و علو فطرت و طلاقت لسان در کمتر زمانے یگانہ و بے ہمتائی وقت گردید"[1]

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ

"شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خدا داد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہارے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں۔ یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مضمون قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطف خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو"[2]

ایک انگریز مورخ اس کے انشا کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:۔

"ابوالفضل کے طرز انشا پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ "وہ اکبر کے تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابوالفضل کے قلم سے ڈرتا ہے" ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے۔

[1] مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۰۸۔ [2] دربار اکبری ص ۴۹۳۔

بیرم خان کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے ہوں، لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا، اس نے اکبر کی دستگیری اور پشت پناہی اُس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خان کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبد الرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا، اور اس کی پرورش اور تعلیم اپنی نگرانی میں کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا، تھوڑے دنوں میں وہ سپہ سالار بنکر خانخاناں ہوا، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبر، فتوحات اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمال انشا پردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر کچھ روشنی ڈالنا ہے۔

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارت تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اس کے قلم کا رہین منت ہے، اب تک انشاء کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے، اور ارباب ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنے فارسی کلام کا ایک مجموعہ بھی مرتب کیا تھا، مگر وہ اب نایاب ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبد الباقی نہاوندی نے لکھا ہے، اس کے فارسی کلام کے کثرت سے نمونے درج ہیں،

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ اپنے مشہور ہمعصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی، اور نسبتی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور بعض اوقات سب میں ممتاز رہتا تھا، اس کے

[1] تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامراء حصہ دوم ص۶۹۳،

اور پھر یہ شعر پڑھا :۔

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ — ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ[1]

فیضی اور ابوالفضل کے سلسلہ میں ان کے باپ شیخ مبارک ناگوری کا ذکر بھی ضروری ہے، یہ خاندان ناگور (نزد اجمیر) کا رہنے والا تھا، شیخ مبارک ناگوری نے گجرات میں خطیب ابوالفضل اور مولانا عماد طارمی سے علوم و فنون حاصل کیے، تحصیل تعلیم کے بعد علوم دینیہ کا درس دینے کے لیے آگرہ میں قیام کیا، ملا عبدالقادر بدایونی کا بیان ہے کہ شیخ ناگوری کی ابتدائی زندگی ریاضت، مجاہدہ، صلاح، تقویٰ، توکل، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابندی کے لیے مشہور تھی، استغنا کا یہ حال تھا کہ بادشاہوں کے درباروں میں جانے سے ہمیشہ پرہیز کیا، اور زیادہ تر اوقات ریاضت یا علمی مشاغل میں بسر کیے، شاطبی شروع سے آخر تک یاد تھی، کلام پاک کو دس قرأت کے ساتھ حفظ کیا، کلام پاک کی ایک تفسیر چار جلدوں میں منبع نفائس العیون کے نام سے لکھی، ملا عبدالقادر بدایونی نے شیخ ناگوری سے آگرہ میں کئی سال تک تعلیم حاصل کی، وہ رقمطراز ہیں کہ

"ملائے بایں ہمہ جامعیت بنظر نیامدہ"

مگر جیسا کہ ملا صاحب کا بیان ہے کہ شیخ مبارک عمر کے آخری حصہ میں حب دنیا و حب جاہ کی خاطر جب اکبر کے دربار سے وابستہ ہوئے تو صراط مستقیم سے ہٹ کر محضر نامہ ترتیب دیا جس کے بعد دین الٰہی کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا[2]

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبدالرحیم خانخاناں بن بیرم خان تھا، یہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں تھا،

---

[1] مآثر الامرا، جلد دوم ص ۶۱۷، [2] منتخب التواریخ جلد دوم ص ۲۰۵، ۲۰۲،

"در زبان ہندی ید بیضا نمودہ اند، چندان اشعار متین و ابیات دلنشین کہ ایشان در آن

زبان دارند ہیچ یک از فحول شعرائے آن زبان را نیست، و ست از ثبت نمودن آنہا باز داشتہ

باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودند اکتفا نمودہ و تجمل و انعام و احسانے کہ بشعرائے فارسی نمودند بہ پیرکان ہندی

زبانان نمودہ باشند، و چندان اشعار کہ آن جماعہ در مدح ایشان گفتہ اند فارسی گویان عشر عشیر نگفتہ اند۔"[1]

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی،

اس لیے خانخاناں کو یورپین زبانوں کے سیکھنے کا حکم دیا، جن کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ

کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہر حال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت

رکھتا تھا، ماثر الامرا میں ہے :-

"خانخانان در قابلیت و استعداد یکتائے روزگار بود، و او عربی و فارسی و ترکی و ہندی

روان داشت، شعر خوب می فہمید و می گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ با کثر زبانہا

کہ در عالم رائج است حرف می زد۔"[2]

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشو و نما کے لیے ایک بے نظیر کتبخانہ قائم کیا تھا، جس میں

زمانہ کے مشہور شعرا نے اپنے دیوان خود لکھکر داخل کیے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی

دار الحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، نیکبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری، محتشم کاشی،

رسمی، نوعی شیرازی، ثنائی خراسانی، کفوتی اور معزی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعرا، اس کی ذریاب نیشن

سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی نے

---

[1] ماثر رحیمی ج ۲ صفحہ ۵۹۳، ہندی میں اس کی تصانیف کے نام حسب ذیل ہیں: (۱) دوحاولی (۲) نگر شوبھا (۳) بروے نائکہ بھید (۴) بروے (۵) شرنگار سورٹھا (۶) مدناشٹک (۷) رحیم کاویہ (۸) کھیٹ کوتک (۹) کبیر پرچہ رسالہ ہندستانی خبری کا الہ آباد

[2] ماثر الامرا ج ۲ ص ۴۰۹

دربار میں برابر مشاعرے منعقد ہوا کرتے تھے، ایک بار طرح تھی، چند است چند است، فرزندست، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا، مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، حتی کہ نظیری بھی اس کے کلام کی صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز و گداز میں اس سے بازی لے جا سکا۔[1] ہمارے ناظرین بھی اس غزل سے لطف اٹھائیں،

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند ست	جز این قدر کہ دلم سخت آرزومند ست
بکیش صدق و صفا حرف عہد بیکار ست	نگاہ اہل محبت تمام سوگند ست
نہ دام دانم و نہ دانہ این قدر دانم	کہ پائے تا بسرش ہر چہ ہست در بند ست
مرا فروخت محبت ولے ندانستم	کہ مشتری چہ کس ست و بہائے من چند ست
ادائے حق محبت عنایتے ست ز دوست	وگرنہ خاطر عاشق بہیچ خرسند ست
از آن خوشم بسخنہائے دلکش تو رحیم	کہ اندکے بادا ہائے عشق مانند ست

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی عبارت کے معنی نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابو الفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لیے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخاناں نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہل دربار نے دی،[2]

ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہیے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلّم تھی، ہندی زبان کا پرگو شاعر تھا، اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، مآثر رحیمی میں لکھا ہے:-

[1] شعر العجم جلد سوم صفحہ ۱۵ [2] مآثر رحیمی، جلد دوم صفحہ ۵۵۹۔

مآثر رحیمی کے مولف کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اکثر شعرا خصوصاً خواجہ حسین ثنائی خراسانی، مرزا قلی میلی، فیضی، عرفی شیرازی، حیاتی گیلانی، مرزا نورالدین محمد قراری وغیرہ نے ابوالفتح گیلانی ہی کے یہاں تربیت پائی، اور یہ حکیم ہی کی تعلیم و تربیت کا اثر تھا، کہ ان شعرا نے واقعہ گوئی، معاملہ بندی، خیال بندی، مضمون آفرینی، صنعت ایہام، استعارات، تشبیہات، فلسفیانہ خیالات اور نئی نئی ترکیبوں میں طرح طرح کی جدت پیدا کی، جو اس زمانہ کی شاعری کی نمایاں خصوصیت ہے[۱]، حکیم ابوالفتح کی کچھ تصانیف بھی تھیں، فلسفہ و حکمت میں فتاحی اور قیاسیہ اور انشا میں چار باغ اس کی طرف منسوب ہے،

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا، ملا صاحب ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے[۲]، عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے جلیل القدر عالم تھے، اس لیے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات و اکرامات سے مالا مال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی، اس لیے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید[۳]، کتاب الاحادیث[۴] اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں، تیسرے میں علما، فقرا، اور شعرا کا ذکر ہے، الیٹ اس تاریخ

---

[۱] مآثر رحیمی ج ۳ ص ۱۴۳، و شعر العجم حصہ ۳ ص ۲، [۲] بدایونی ج ۲ ص ۱۷۲، [۳] ایضاً ص ۳۶۸، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے، [۴] ایضاً ج ۱ ص ۲،

کو سونے میں تلوا دیا[1]۔ نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخانان نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کرکے دکھایا، پھر وہ ڈھیر اسکے گھر بھجوا دیا[2]۔ کہا جاتا ہے کہ ایک ہندی شاعر گنگ کوی کو اس نے ایک بار چھتیس لاکھ روپے انعام میں دیے۔ اس کی یہ غیر معمولی فیاضی باپ سے بھی وراثت میں ملی تھی، خانخانان بیرم خان کو ہاشمی قندھاری کی ایک غزل بہت پسند آگئی[3] جسے ہاشمی کو ایک لاکھ تنکہ دے کر یہ غزل اپنی طرف منسوب کر لی۔

خانخانان عبدالرحیم ہی کی طرح اکبری دربار کے ایک دوسرے عظیم المرتبت امیر حکیم ابوالفتح گیلانی نے بقول مولانا شبلی نعمانی مرحوم شاعری کی ایک اکیڈمی اسیت العلما قائم کر رکھی تھی، اکبر کے مزاج میں حکیم ابوالفتح گیلانی کو وہی دخل تھا، جو جعفر برمکی کو ہارون رشید کے مزاج میں تھا۔ حکیم ابوالفتح نے آقا کی تقلید میں اپنے یہاں بھی علم و فن کی بزم اسی شاہانہ انداز میں گرم رکھی، اور اسی کی بدولت شعراء نے اپنے فن میں بڑی ترقی کی، مولانا شبلی شعرالعجم میں ابوالفتح کے مجموعۂ مکاتیب چہار باغ سے ایک خط نقل کرتے ہیں جو اس نے خانخاناں کو لکھا تھا،

قصائد کہ یاران آن جا گفتہ بودند، شعرائے این جا فرسودہ شد، بنام نامی شما ہر گاہ با تمام می رسد، بہ ملازمت فرستادہ خواہد شد، ملا عرفی، و ملا حیاتی بسیار ترقی کردہ اند"

---

[1] خزانۂ عامرہ تذکرہ نوعی، [2] مآثر الامراء حصہ دوم، [3] بیضاء (قلمی) نسخہ دار المصنفین، وہ غزل ملاحظہ ہو:

من کیستم عنان دل از دست دادۂ	در دست دل بہ دست غم از پا فتادۂ
دیوانہ وار در کمر کوہ گشتۂ	بے اختیار سر بہ بیابان فتادۂ
گاہے چو شمع ز آتش دل در گرفتۂ	گر چون فتیلہ با دل آتش فتادۂ
بیرم ز فکر اندک و بسیار فارغیم	ہرگز نگفتہ ایم کمی یا زیادۂ

یاد کرتے، اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی ذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لیے فیضی اور ابوالفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لیے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابوالفضل یا ملا عبدالقادر منتخب کئے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ مل کر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی برتی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبدالقادر کی لیاقت وقابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے:-

"شکستہ نوازا، ملا عبدالقادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی انچہ ملایان ہندوستان می خوانند خواندہ پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کردہ و قریب بہ سی وہفت سال میشود کہ بندہ او را می دانم و با فضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشاے عربی و فارسی و جزئے از نجوم ہندی و حساب یادداشت در ہمہ وادی وقوف در نغمۂ ولایت و ہندی خبرے از شطرنج صغیر و کبیر دارد و مشق بین بقدری کردہ باوجود بہرہ مند بودن از ہمیں فضائل، بے طمعی و قناعت و کم تردد نمودن و راستی و درستی و ادب و نامرادی و شکستگی و گذشتگی و بے تعینی و ترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص و عقیدت بدرگاہ بادشاہی موصوف است۔"

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:-

چوں درگاہ راستان است دریں وقت کہ بے طاقتی زور آوردہ بندہ خود را

کے بارے میں لکھتا ہے:۔

"یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا، لیکن اس کیلئے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اور ساتھ ہی ساتھ معاصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہیے، کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف و توصیف، ہجو وذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قائم نہیں رہتا، اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے، لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دلچسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں، جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو اس وضاحت اور بے توجہی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں"[1]

محمد حسین آزاد نے ملا صاحب سے اس لیے خوش نظر نہیں آتے ہیں کہ وہ ان کے ممدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے "بڑی خوبی" یہ بتائی ہے کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں[2]۔

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کر دی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح وبسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے، ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے

---

[1] الیٹ ج ۵ ص ۴۷۸، [2] دربار اکبری ص ۲۷۶،

مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبدالقادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظ بلفظ اسی سے نقل کر لیے ہیں، فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے، اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، مآثر الامراء میں ہے،

چونکہ مصنف نے واقعات کی تنقیح میں باریک بینی، جزئیات کے استقصاء اور معلومات کے جمع کرنے میں پوری کوشش کی ہے، اور میر معصوم بھکری وغیرہ جیسے اہل کمال اس تالیف میں شریک تھے، اس لیے وہ نہایت معتبر ہے، اور وہ پہلی تاریخ ہے جو ہندوستان کے تمام اسلامی بادشاہوں کے حالات کی جامع ہے، اور تاریخ فرشتہ کے مصنف اور اسکے تتبع کرنے والوں کا جنھوں نے انہی حالات کا اخذ کیا ہے، مرغوب ماخذ یہی کتاب ہے[1]،

منتخب اللباب حصہ اول میں ہے،

نظام الدین ہروی محمد اکبر بادشاہ کا بخشی تھا، اس نے ایک تاریخ لکھی جس میں صوبہ دکن کے اکیس بادشاہوں کے حالات تھے، اس کا نام تاریخ نظامی رکھا، اسمیں سنہ ۳۷ تک اکبر بادشاہ کا ذکر کیا ہے، اکثر سلاطین دکن کے حالات میں اس کا بیان اعتماد کے لائق نہیں ہے، محمد قاسم فرشتہ کے علاوہ جس مورخ نے بھی سلاطین دکن کا حال لکھا ہے، اس کا بیان قابل اعتبار نہیں، لیکن چونکہ نظام الدین نے اکبر بادشاہ کی خدمت میں عمر صرف کر دی تھی، اس لیے اس بادشاہ کی سلطنت کے حالات میں وہ قابل وثوق ہے[2]،

یورپین مورخین میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین

---

[1] مآثر الامراء جلد اول صفحہ ۲۶۳ [2] خافی حصہ اول صفحہ ۲۳۳،

حاضر پایۂ سریر والا دانستہ احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض نمی رسانید نوعی از ناراستی و بے حقیقی بود حق بسحانہ بندہائے درگاہ را در سایہ فلک پایۂ حضرت پادشاہ برراہ راستی و حق گذاری و حقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید و آں حضرت را بر کل عالم و عالمیاں سایہ گستر و شکستہ پرور و عطا پاش و خطا پوش ہزاران ہزار دولت و اقبال و عظمت و جلال دیر گاہ داراد بعزت پاکاں درگاہ الٰہی و روشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین[1]"

بعد کے اہل علم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بختاور خان عالمگیری مراۃ العالم میں لکھتا ہے:-

"ملا عبدالقادر بدایونی جامع معقول و منقول بود و بافضیلت علمی طبع نظم و سلیقہ انشائے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود"[2]

علم و ہنر کے آسمان کا ایک دوسرا درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھا، خواجہ نظام دربار اکبری کے پنجہزاری امرا میں تھا. جو اس عہد کی بڑی معراج تھی، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھا، صاحب ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھا، سنہ ۱۰۰۱ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے اس کو حیات جاوداں بخشی، یہ کتاب ہندوستان کے اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے. مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند مآخذوں سے حاصل کئے ہیں. جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب ہو سکتے تھے، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیس ہے، اسی لیے یہ کتاب ہمیشہ

---

[1] بدایونی جلد ۳ ص ۵-۳۰۴ [2] منتخب اللباب خافی خان جلد ۱ ص ۲۳۰

میر فتح اللہ شیرازی۔ کبھی میر، کبھی امیر، اور کبھی شاہ ان کے نام کا جز تھا، شیراز سے بیجاپور آئے اور ابراہیم عادل شاہ کے لڑکے علی عادل شاہ کے معلم مقرر ہوئے، ان کے فضل و کمال کی شہرت پورے ہندوستان میں گونجی، فیضی دکن پہنچا تو ان سے ملا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے دربار سے متوسل ہوئے، بیجاپور سے اکبر کے دار السلطنت کے قریب پہونچے، تو اکبر نے خانخانان عبد الرحیم اور ابو الفتح گیلانی کو ان کے استقبال کے لیے بھیجا، اور خود ان سے بڑی عزت و تکریم کے ساتھ پیش آیا، صدارت کے منصب پر سرفراز کرکے پرگنہ بساور، بیدلا ور محلی جاگیر میں عطا کئے، ترقی کرکے سہ ہزاری منصب پر بھی فائز ہوئے، تفسیر، کلام، حدیث، حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم و رمل اور حساب میں ان کی علم دانی کا پایہ بہت بلند تھا، اپنے نجوم و رمل کے کمالات سے اکبر کے زائچہ کی تصحیح کی، اکبر کی فرمایش سے ایک نئے سنہ کی داغ بیل ڈالی، جس کا نام سنہ الٰہی اکبر شاہی قرار پایا، ۹۹۳ھ میں امین الملک بنائے گئے، اور راجہ ٹوڈرمل کے ساتھ امور سلطنت کے انصرام میں مصروف ہوئے، دفتر مال و دیوانی کی بہت سی اصطلاحات ان ہی کی وجہ سے رائج ہوئیں، اسی سال اکبر نے ان کو عضد الدولہ کے خطاب سے سرفراز کرکے خان اعظم کے ساتھ دکن بھیجا، تاکہ اس صوبہ کو سلطنت تیموریہ کے زیر نگیں کرنے میں معاون ہوں، یہ مہم ناکام رہی، اکبر جب ۹۹۳ھ میں کشمیر پر حملہ آور ہوا تو شاہ فتح اللہ بھی اس کی معیت میں تھے، اور برابر مجلس مشورت میں شریک ہوتے تھے، ۹۹۷ھ میں اکبر کابل سے کشمیر جا رہا تھا، تو شاہ صاحب بھی شاہی جلو میں تھے، راستے میں یکایک تپ محرقہ میں مبتلا ہوئے، اور جان جاں آفریں کے سپرد کر دی، اکبر ان کی موت سے غیر معمولی طور پر متاثر ہوا، اور بار بار کہتا تھا کہ

"میر وکیل و حکیم و طبیب و منجم ما بود"

مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی چاہیے تھی، ایلیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے، جو جدید طرز پر لکھی گئی ہے۔[۱]

خواجہ نظام الدین کا انتقال ہوا تو ملا عبد القادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

> وہ تپ محرقہ میں ۴۵ سال کی عمر میں جان بحق ہوا، اور نام نیک کے سوا اپنے ساتھ کچھ نہیں لے گیا، دوست واحباب نے جو اس کے حسن واخلاق کو دیکھ کر بڑی امیدیں رکھتے تھے، اشک حسرت بہائے اور سینے پر ناامیدی کے پتھر رکھے، اس حقیر کو بھی اس سے بڑا دینی اخلاص تھا، اور کوئی دنیاوی غرض وابستہ نہ تھی، مجبوراً صبر و تحمل کے سوا کوئی چارہ کار نہیں پایا، اور یہی پرہیزگاروں کا شیوہ ہے، مگر اس واقعہ کو سب سے بڑی مصیبت سمجھ کر اس سے پوری عبرت حاصل کی، اور پھر کسی انسان سے محبت نہیں کی، اور گمنامی کے گوشہ میں بیٹھ رہا،[۲]

بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی، ع گوہرے بے بہا ز دنیا رفت[۳]

فضلاء — اکبر کے دربار کے فضلاء کی فہرست اتنی طویل ہے، کہ اگر ہم ان کو تفصیل سے بیان کرنا شروع کریں تو ایک علحدہ کتاب کی ضرورت ہوگی، ملا عبد القادر بدایونی نے اس عہد کے مشائخ، فضلاء، اطباء اور شعراء کا ذکر ایک مستقل جلد میں کیا ہے، جو ۳۹۰ صفحوں پر مشتمل ہے، ہم ان میں سے بعض ارباب علم واصحاب فن کو ناظرین سے روشناس کرکے ان کی تشنگی بجھانے کی کوشش کریں گے؛

---

[۱] ایلیٹ ج ۵ ص ۱۸۰، [۲] بدایونی ج ۲ ص ۳۹۴، [۳] ایضاً

اور شیخ الاسلام کے القاب عطا کئے تھے، وہ اہل سنت والجماعت میں سے تھے، اور ہر حال میں شریعت کی پابندی کا لحاظ رکھتے تھے، بیرم خاں نے ایک لاکھ روپے سالانہ تنخواہ مقرر کی تھی، اکبر کے زمانہ میں شاہی دیوان خانہ کے وکیل تھے، اور جب ۹۹۰ھ میں ان کا انتقال ہوا تو ان کے ذاتی خزانہ سے تین کرور روپے نکلے،[۱] اکبر کی حمایت میں جو محضر نامہ ترتیب دیا گیا تھا، اس پر طوعاً وکرہاً انھوں نے بھی اپنا دستخط ثبت کیا تھا، محضر نامہ کی تدوین کے بعد ان کے اور اکبر کے تعلقات اچھے نہیں رہے،

مولانا میر سید محمد میر عدل۔ امروہہ کے رہنے والے تھے، علم حدیث میں مولانا میر سید رفیع الدین کے شاگرد تھے، اپنے علم کے ساتھ ساتھ زہد و تقویٰ کے لیے بھی مشہور ہوئے اکبر نے اپنے دربار سے منسلک کر کے ان کو میر عدل کے عہدہ پر مامور کیا، اور جب تک وہ اس عہدہ پر رہے ملک سے خیانت اور الحاد کا انسداد کرتے رہے، ۹۸۴ھ میں بھکر کی حکومت ان کو تفویض کی گئی، ۹۸۵ھ میں جوار رحمت حق سے پیوست ہوئے،[۲]

شیخ عبد النبی۔ حضرت شیخ عبد القدوس گنگوہیؒ کے پوتے اور حضرت شیخ احمدؒ کے لڑکے تھے، مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ میں علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، ہندوستان واپس آئے تو اپنے تقویٰ طہارت، نزاہت اور عبادت کے لیے مشہور ہوئے، اکبر نے متاثر ہو کر ان کو عہدۂ صدر الصدور پر فائز کیا، ملا عبد القادر بدایونی کا بیان ہے کہ کسی سلطنت میں منصب صدارت کو وہ اہمیت حاصل نہیں ہوئی جتنی اکہ شیخ عبد النبی کے زمانہ میں ہوئی

"چوں بمنصب صدارت رسید جہان جہان زمین مدد معاش و وظائف و اوقاف بخلائق بخشید، چنانچہ در زمان ہیچ پادشاہی ایں چنیں صدری باستقلال نگشتہ و عشر عشیر

۱؎ بدایونی ج ۳ ص ۷۰،۷۱ مآثر الامراء ج ۳ ص ۲۵۲،۲۵۳ و تذکرہ علمائے ہند ص ۲۰۳ ۲؎ اخبار ص ۲۶۷، ۲۶۸

فیضی نے ان کی موت پر ایک غمناک مرثیہ کہا جس میں ۱۰۴ اشعار تھے، وہ اپنے زمانہ کے بہت بڑے انجنیر اور موجد بھی تھے، ایک ایسی چکی بنائی تھی جو خود بخود ہوا سے حرکت کرتی تھی، ایک آئینہ بھی ایجاد کیا تھا جو نزدیک اور دور کے عجیب و غریب تماشے دکھاتا تھا، ایک قلعہ شکن توپ بنائی تھی جو جوڑیوں کی طرح الگ الگ ہو جاتی تھی، ایک ایسی بندوق بھی تیار کی تھی جو ایک ہی بار بارہ گولیاں چلاتی تھی، معاصر اہل علم ان کے علمی پایہ کے معترف تھے، طبقات اکبری میں نظام الدین احمد لکھتا ہے :-

دبیر فتح اللہ (بآن کہ در جمیع علوم عقلی و نقلی در ایران و ہند بل در ربع مسکون قرین خود نداشت) از نیرنجات و طلسمات ماہر بود،

ان کے نام سے یہ تصانیف منسوب ہیں (۱) تفسیر منہاج الصادقین فی الزام المخالفین (۲) خلاصۃ المنہج (۳) اقبال نامۂ اکبری (۴) حالات کشمیر (۵) زیج جدید، تاریخ الفی کی تدوین میں بھی شریک رہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے[۱]،

مولانا عبداللہ سلطانپوری، سلطان پور مضافات لاہور کے رہنے والے تھے، اپنے عہد کے جید علماء میں سے تھے، عربی، اصول، فقہ، تاریخ اور علوم منقولات میں اعلیٰ دستگاہ رکھتے تھے، ان کی تصانیف میں عصمۃ انبیاء، شرح شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم، شرح ملا مشہور تھیں، تیموریوں سے پہلے سلاطین افغان بھی ان کے بڑے قدر دان تھے، شیر شاہ نے ان کو صدر الاسلام کا خطاب بخشا تھا، سلیم شاہ نے اپنے تخت پر ساتھ بٹھا کر ان کی خدمت میں بیس ہزار روپے کی ایک مروارید کی تسبیح پیش کی تھی، ہمایوں نے از راہ قدر دانی ان کو مخدوم الملک

[۱] تفصیل کے لیے دیکھو اکبر نامہ ج ۳ حصہ۳ و ج ۳ ص ۵۰۸، ۵۴۱، ۳۹۱ منتخب التواریخ ج ۲ ص ۲۷۰ - ۳۱۵ - ۳۱۶ - ۳۱۸ ماثر الامراء ج ۱ ص ۱۰۴ - ۱۰۱ و معارف نمبر ۲ ج ۱۴،

وابستہ تھے، وہ اپنے علم، حلم، نیک نفسی، زہد، تقویٰ، اور جودت فہم کے لیے مشہور تھے، اکبر نے ان کو لاہور کا قاضی مقرر کیا، جہاں ان کی دیانت اور عدل پروری کا ہر شخص معترف تھا،

شاہی دربار کے بہت سے اطبا ایسے بھی تھے جو نہ صرف اپنے فن میں ید طولیٰ رکھتے تھے بلکہ مختلف علوم پر بھی ان کو بڑی دستگاہ حاصل تھی، حکیم ابو الفتح گیلانی کا ذکر پہلے آچکا ہے، حکیم الملک شمس الدین اپنے زمانہ کا جالینوس تھا، علم منقولات میں بھی اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، حکیم عین الملک شیرازی علم کحل کا بڑا ماہر تھا، شعر و شاعری سے بھی اسکو دلچسپی تھی تخلص دوائی رکھتا تھا، حکیم مصری کو علم حروف و تکسیر و تصوف میں بڑی مہارت تھی، کبھی کبھی شعر بھی کہتا تھا، حکیم علی گیلانی حکیم الملک کا بھانجہ تھا، اپنے خالو شاہ فتح اللہ شیرازی سے طب کی تعلیم پائی، اور شیخ عبد النبی سے علوم منقولات حاصل کئے، جہانگیر اس کی عربی دانی کا بہت معترف تھا، اس نے قانون کی ایک شرح بھی لکھی، حکیم ہمام حکیم ابو الفتح گیلانی کا بھائی تھا، اس کا اصل نام ہمایوں تھا، اکبر کے دربار سے وابستہ ہوا تو ہمایوں کے نام کے احترام کی خاطر غایت خاکساری میں اپنے کو ہمایون قلی کہنے لگا، مگر اکبر نے اس کا نام ہمام رکھا، جس کے معنی بلند مرتبہ سردار کے ہیں، اکبر اس کو بہت عزیز رکھتا تھا، اور گو شش صدی منصبدار تھا لیکن دربار کا بہت ہی باثر اور بارسوخ امیر تھا، تاریخ الفی کی تدوین میں حکیم علی اور حکیم ہمام بھی شریک تھے، وہ توران شاہی سفیر بنا کر بھیجا گیا، وفات کے بعد بہت بڑی دولت چھوڑی، حکیم احمد ٹھٹھوی، حکیم لطف اللہ گیلانی، حکیم مظفر اردستانی، شیخ بینا، اور حکیم مسیح الملک شیرازی بھی ذی علم فضلا میں شمار کئے جاتے تھے، (دیکھو منتخب التواریخ جلد ۳ ص ۷۰-۱۶۰ و طبقات اکبری جلد ۳ ص ۴۸۸ و ۴۸۱)

ہم طوالت کے خیال سے تمام علما و فضلا کا ذکر کرنے سے قاصر ہیں، ابو الفضل نے آئین اکبری میں "دانش اندوزان جاوید دولت" کے عنوان سے ان کی پانچ

ایں اوقاف کہ او وا وہ نداوہ۔"

اکبر کو شیخ عبد النبی سے اتنی عقیدت تھی کہ وہ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ ان کے گھر جاکر ان سے حدیث پڑھتا تھا، اور ان کے فیضِ صحبت سے اس کی مذہبی خود رفتگی یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ مسجد میں خود اذان دیتا، اور ثواب کی خاطر مسجد میں جھاڑو بھی دیتا تھا، ایک دفعہ اس نے سالگرہ کی تقریب میں کپڑوں پر زعفران کا رنگ چھڑکا، شیخ عبد النبی نے دیکھا تو اس قدر برہم ہوئے کہ سر دربار لکڑی اٹھا کر ماری، اکبر کو ناگوار ہوا محل میں جاکر ماں سے شکایت کی کہ شیخ خلوت میں منع کرتے تو کوئی ہرج نہ تھا، دربار میں ذلیل کرنا مناسب نہ تھا۔ مریم مکانی نے کہا "بیٹا دل پر میل نہ لانا، یہ نجات اخروی کا باعث ہے، قیامت تک چرچا رہے گا کہ ایک مفلوک الحال ملّا نے بادشاہ کے ساتھ یہ حرکت کی، اور سعادتمند بادشاہ نے اس کو برداشت کیا۔[1] مگر بعض مقربان بارگاہ نے اکبر کو شیخ کی مذہبی سختی کے خلاف ابھارا تو اس کی یہ عقیدت کدورت میں تبدیل ہوگئی، جب محضر نامہ کا فتنہ اٹھا تو شیخ عبد النبی نے بجبر و اکراہ اس پر دستخط کیا، اکبر کی ناگواری اور بھی بڑھی، اور اس نے شیخ کو حج بیت اللہ کے لیے جانے پر مجبور کیا، اور خواہش کی کہ وہ وہاں سے واپس نہ آئیں، مگر شیخ کچھ دنوں کے بعد حج سے واپس آگئے، جس سے اکبر کی کدورت میں اور بھی اضافہ ہوگیا، اکبر نے ان کو قید کردیا اور وہ قید خانہ ہی میں ۹۹۱ھ میں عالم بقا کو سدھارے، ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڈھ) میں ہے، سماع کے انکار میں بھی ایک رسالہ لکھا، امام قفال مروزی شافعی نے امام ابو حنیفہ کے خلاف جو طنز کیا ہے اس کے رد میں بھی ایک رسالہ تحریر کیا۔[2]

مشہور شیعی عالم قاضی نور اللہ شستری (مؤلف مجالس المومنین) بھی دربار سے

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۵۶۳۔ [2] منتخب التواریخ جلد دوم، ص ۸۳-۸۲ و تذکرہ علمائے ہند ص ۱۳۳۔

شعراء

اکبر کی فیاضیاں اور زرپاشیاں سنکر ہر جگہ سے شعراء ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ایک سو چھ[1] شعراء کے حالات لکھے ہیں، اور ان کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، ابوالفضل نے آئین اکبری میں پچتر اور خواجہ نظام الدین احمد نے طبقات اکبری میں اکاسی ایسے شعراء کا ذکر کیا ہے، جنہوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا، اکبر نہ صرف ان پر سیم وزر کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور ان کے ذوق سخن کے معیار کو بلند کرنے کی خاطر ملک الشعراء کا خاص عہدہ قائم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی مامور ہوا، غزالی عراق سے ہندوستان آیا، تو اکبر کے درباری امیر خان زمان حاکم جون پور نے ایک ہزار روپے زاد راہ بھیج کر اس کو اپنے دربار میں بلایا، یہاں ایک مثنوی نقش بدیع لکھکر خان زمان کی خدمت میں پیش کی، جس میں ایک ہزار شعر تھے، سخن سنج اور سخن فہم خان زمان کو یہ مثنوی اس قدر پسند آئی کہ فی شعر ایک اشرفی انعام دیا، خان زمان کی وفات کے بعد غزالی اکبر کے دربار سے منسلک ہوگیا، ابوالفضل نے اس کے شاعرانہ کمال کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے:-

"بہ بلند فہمی و شیوا زبانی طراز یکتائی داشت و از دلاویز گفتار صوفی بہرہ مند"

(آئین اکبری ص)

ان ہی شاعرانہ اوصاف کی بنا پر اس کو ملک الشعراء کا خطاب دیا گیا، بہت ہی پرگو شاعر تھا کئی دیوان اور کئی مثنویاں مثلاً مشہد انوار، مرآۃ الصفات، نقش بدیع، اور قدرت آثار لکھیں، ملا بدایونی اسکی شاعری کے بہت زیادہ مداح نہیں، مگر اس کی شاعری کی کمیت و کیفیت کے معترف ہیں، لکھتے ہیں:-

[1] خزانہ عامرہ قلمی نسخہ بحوالہ شعر العجم حصہ سوم ص

قسمیں کی ہیں،

(۱) **خداوندانِ یقین** - جن میں شیخ مبارک ناگوری، شیخ نظام نارنولی، شیخ ادہن امین اللہ، میاں وجیہ الدین، شیخ رکن الدین، شیخ عبد العزیز، شیخ الہدیہ، شیخ عبد الغفور وغیرہ تھے،

(۲) **خداوند باطن،** شیخ رکن الدین محمود کماںگر، شیخ امان اللہ، خواجہ عبد الشہید، شیخ موسیٰ، شیخ علاء الدین مجذوب، شیخ سلیم چشتی، شیخ محمد غوث گوالیاری وغیرہ،

(۳) **دانندۂ معقول و منقول،** میر فتح اللہ شیرازی، میر مرتضیٰ، مولانا سعید ترکستانی، حافظ تاشکندی، مولانا شاہ محمد، مولانا علاء الدین، حکیم مصری، مولانا صادق وغیرہ،

(۴) **شناسای عقلی کلام،** مولانا پیر محمد، مولانا عبد الباقی، مرزا مفلس، مولانا محمد، مولانا نور الدین ترخان وغیرہ،

(۵) **پزشکان،** حکیم مصری، حکیم الملک، حکیم ابو الفتح گیلانی، حکیم علی گیلانی، حکیم ارسطو، حکیم مسیح الملک، حکیم لطف اللہ، حکیم ہمام، حکیم شفائی، شیخ بینا وغیرہ،

خوانای نقلی مقال، میاں حاتم، مولانا عبد القادر، مخدوم الملک، میر عبد اللطیف، میر نور اللہ، شیخ عبد النبی صدر جہاں، شیخ منو وغیرہ،

ان کے علاوہ اس عہد میں بہت سے اور صلحا و علما بھی تھے، مثلاً شیخ عبد الحق دہلوی، حاجی ابراہیم محدث، شیخ جلال الدین تھانیسری، شیخ نظام الدین امیٹھوی، شیخ داؤد جہنی والؒ وغیرہ جن کے فیوض و برکات سے عوام و خواص متمتع ہوتے رہے، مگر پھر بھی علمائے سو کی فتنہ سامانیوں سے اس دور میں ضلالت و گمراہی اتنی بڑھی کہ افق اسلام پر حضرت **امام ربانی مجدد الف ثانیؒ** کا ظہور ہوا اور اس مجدد اعظم نے ہندوستان کے ظلمت کدہ کی تیرگی و تاریکی کو اسلام کی ضیا پاشی سے ایک بار پھر منور کر دیا۔

روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا تحصیل حاصل ہے، پھر بھی ہم یہاں پر فیضی کے کچھ مدحیہ اشعار نقل کیے بغیر نہیں رہ سکتے، جس سے اس کی شاعری کی شوکت و عظمت کے ساتھ ساتھ اکبر کی ذات سے اس کی محبت و شیفتگی کا بھی اندازہ ہوگا،

شاہنشاہا! خسرو پژوہا! دریا گہرا! فلک شکوہا!

بزمے است جہان بعیش پیوست دور تو شراب و آسمان مست

امروز بدین نوائے چوں شہد من بار بدم تو خسرو عہد

زین جامہ کہ کردہ ام فلک سائے پیش تو نہادہ ام بیک پائے

این نامہ کہ عشق بر زبان برد طغرائے ترا بآسمان برد

این چار ہزار گوہر ناب کانگیختہ ام بہ آتشین آب

بپذیر کہ آب گوہر تست از ہر نثار افسر تست

پیمانۂ من اگر نشد پر دریا کنمت نثار در در

گر عشق چنین بسوز دم پاک مہتاب برون ترا دم از خاک

بگداختہ آبگینۂ دل آئینۂ دہم بدست محفل

آنم کہ بسحر کاری از زر از شعلہ تراشش کردہ ام حرف

بانگ قلم درین شب تار بس معنی خفتہ کرد بیدار

صبح بہ فیض بادشاہی من بودم و باد صبحگاہی

مثنوی نل دمن لکھتے وقت اکبر کی شان میں کہتا ہے:-

اے پایۂ فرائے ہفت اورنگ میزان عدالتت گران سنگ

فیض تو بروزگار مفتوح چوں بادہ بچشم و نغمہ با روح

"اگرچہ سخن او رتبۂ عالی چندان ندارد اما در کمیت و کیفیت اشعار او زیادہ از ہمہ اقرانست بزبان تصوف مناسبت تمام دارد" (جلد سوم ص۱)

۹۸۰ھ میں احمد آباد میں وفات پائی، اور سلاطین و مشائخ کے مقبرہ میں دفن ہوا، اس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہوں، مراۃ الصفاۃ اکبر کی ستائش میں لکھی گئی، اس میں کہتا ہے،

تاج وہ تارک رومین تنان | سر شکن گبر قوی گردنان
شاہ فلک مسند خورشید رخش | ملک ستانندہ و اقلیم بخش
گر بکشد تیغ جہان سوز را | قطع کند سلک شب و روز را
ور نخورد جرعے از جام او | تیغ شود موے بر اندام او
سوے فلک گر فگند چشم کین | آب شود چرخ ورد و در زمین
رائے وی از عقل جوان پیر تر | بخت وی از صبح جہانگیر تر
ابر حیا کان کرم بحر جود | تازہ گل گلشن چرخ کبود

مولانا شبلی نے شعر العجم حصہ سوم ص۱۶ میں غزالی کی مثنوی نقش بدیع کے حسب ذیل اشعار کی داد دی ہے،

خاک دل آن روز کہ می بیختند | شبنمے از عشق برو ریختند
دل کہ بآن رنجۂ غم اندود شد | بود کبابے کہ نمک سود شد
بے اثر مہر چہ آب و چہ گل | بے نمک عشق چہ سنگ و چہ دل
ذوق جنوں از سر دیوانہ پرس | لذت سوز از دل پروانہ پرس

غزالی کے بعد **ابوالفیض فیضی** ملک الشعراء ہوا، جس کا ذکر ہم گذشتہ صفحات میں کر چکے ہیں، فیضی کی خوش بیانی، جدت طبع اور فلسفیانہ خیالات پر مولانا شبلی مرحوم کا ایک بے مثل تبصرہ شعر العجم حصہ سوم میں ملے گا، اس تبصرہ کی موجودگی میں فیضی کی شاعری پر مزید

کاروان سالار شاہان آفتاب آمد ولے
چون تو نامد یوسفی در کاروان آفتاب

دہر سرکش رام شد در زیر ران دولتت
چون سمند آسمان در زیر ران آفتاب

طوطی نطقم چو در مدحت شکرخائی کند
آب کرم از ذوق گردد در دہان آفتاب

تا لوائے دولتت انگندہ زد از اوج عرش
اہل معنی را نشد معلوم شان آفتاب

ہمچو شمعی کان برافروزند از شمع دگر
از یکے نور است جان شاہ و جان آفتاب

فیض می یابد ز ذات چون نیابد گر ز ازل
گوہرت را پرورش داد است کان آفتاب

سجدہ گاہ ہفت اقلیم است مسند گاہ تو
قبلۂ ہفت آسمان است آسمان آفتاب

ہر کجا از اوج گاہی طلعت آمادہ کرد
می جہد تیر سعادت از کمان آفتاب

گر ہمائے آفتاب آرام گہ می داشتی
جائے اکبر شاہ بودی آشیان آفتاب

وصف شاہ از ما کسی چون من کجا لائق شود
ہر چہ کردم نقل کردم از زبان آفتاب

گر پس از قرنے بود سعدین را باہم قران
چون بود ہر صبح دم با شہ قران آفتاب

مدح خورشید و ثنای شہ کند عرفی مدام
کز مریدان شہ است و عاشقان آفتاب

وقف دولت باد سر لایزال آسمان
نور حشمت باد حسن جاودان آفتاب

بر سر شہ سایہ افگن چون شود بال ہما
چون پر خفاش گردد سایبان آفتاب

گر بدان غایت کہ شہ بشناسدش باید شناخت
از مسیحا ہم محو نام و نشان آفتاب

آسمان داند کہ چون شاہ جہان ہرگز نبود
قدر دان آفتاب اندر زمان آفتاب[1]

اکبر کے دربار میں کسی کو خودستائی کی جرأت اور ہمت نہیں ہو سکتی تھی، مگر خوددار عرفی ایک قصیدہ میں اکبر کو مخاطب کرکے کہتا ہے:-

[1] اس قصیدہ کے بعض اشعار اختصار کی خاطر حذف کردیے گئے ہیں،

صد باغ طرب بہ بزمگاہت　　صد خم کدہ بادہ در نگاہت

اے از تو جہان سکون گرفتہ　　با تیغ تو فتنہ خون گرفتہ

رحمت کہ گل ظفر دماندہ　　از خار ترا انگبین فشاندہ

ہر جا غرور کج کلاہے　　سرکردۂ فتنہ اشد سیاہے

تیغ تو کہ ربودہ سرہم　　این زہرہ تراست دین جگرہم

آفاق بشام گاہ دیجور　　از مہچۂ رائیت بردنور

آنزا کہ نشاط جاودانی ست　　بیداری شب حیات ثانی ست

فیضی کی علم دوستی بھی مشہور تھی، وہ اہل علم کے ساتھ غیر معمولی فیاضیان کرتا تھا، حیدر معمائی نے اس کی تعمیر کی تاریخ قُلْ هُوَ اللّٰهُ سے نکالی، تو اس نے دس ہزار روپے انعام میں دیے، محمد جمال الدین عرفی شیرازی ہندوستان آیا، تو فیضی ہی کا مہمان ہوا، فیضی نے اس کی پوری قدر دانی کی، اور اس کی ضروریات کی کفالت کرتا رہا، مگر وہ اپنی نخوت پرستی کے سبب فیضی سے الگ ہوکر اکبر کے دوسرے جلیل القدر امیر حکیم ابوالفتح گیلانی کے دربار سے وابستہ ہوگیا، اس کی وفات کے بعد عبدالرحیم خانخانان کے دربار کے ارباب کمال میں داخل ہوا، اپنے غرور، پندار اور خودستائی میں اکبر کے دربار سے بے نیاز رہنا چاہتا تھا، پھر بھی اکبر اس کی طرف متلفت ہوا، اور عرفی نے اس کی شان میں کئی قصیدے لکھے، پہلے قصیدہ میں اپنی جولانی طبع اس طرح دکھائی ہے:-

اے دل معنی سرشت رازدان آفتاب　　تا ابد بر خوان دولت میہمان آفتاب

بر کمال دولتت ہر کس کہ بیند بنگرد　　از شراب تربیت رطل گران آفتاب

دولت جمشید ہمدوشی کند با دولتت　　گر تواند سایہ بودن ہم عنان آفتاب

نے ان کی جس طرح قدردانی، عزت افزائی اور سرپرستی کی اس کا اندازہ ہو جائے، کہیں کہیں ہم ان شعراء کے کلام کے نمونے بھی ناظرین کے تفنن طبع کے لیے پیش کرتے جائیں گے، ان سے اس دور کے شعر و شاعری کے عام رجحانات کا پتہ چلے گا۔

خواجہ حسین مروی - حضرت شیخ رکن الدولہ سمنانیؒ کی اولاد میں سے تھے، معقولات کی تعلیم مولانا عصام الدین اور ملا حنفی سے پائی، حدیث میں خاتم العلماء والمحدثین شیخ ابن حجر کی شاگردی کا شرف حاصل کیا، ہمایوں ان کے علم و فضل کا قدردان تھا، اس لیے اس کے ندیم خاص بھی رہے، اپنی فصاحت، بلاغت، لطافت اور ظرافت کے لیے مشہور تھے، ان کی شاعری میں صنایع اور بدایع کا پہلو غالب رہتا تھا، شہزادہ سلیم کی ولادت کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا جس کے پہلے مصرع سے اکبر کی تاریخ جلوس اور دوسرے سے سلیم کی تاریخ ولادت نکلتی تھی، قصیدہ کا مطلع یہ تھا:-

شد الحمد از پے جاہ و جلال شہریار گوہر مجد از محیط عدل آمد برکنار

اکبر نے اس قصیدہ پر دو لاکھ ٹنکے انعام دیے،[1] اکبر کی فرمایش پر سنگھاسن بتیسی کا ترجمہ شروع کیا، مگر اس کی تکمیل نہ کر سکے، شیخ فیضی نے ان سے تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، کلام کا نمونہ یہ ہے:

گوئیم گمر ز اہل وفائیم نہ ایم واندر صفت صدق و صفائیم نہ ایم
آراستہ ظاہریم و باطن نہ چنان افسوس کہ آنچہ می نمائیم نہ ایم

ثنائی مشہدی - نام خواجہ حسین، باپ کا نام غیاث الدین علی تھا، ایران میں اپنے کلام کی رنگینی اور پرکاری کے لیے مشہور تھا، وہاں ایک مدت تک سلطان ابراہیم مرزا کی

[1] طبقات اکبری ج ۲ ص ۴۱۶۔

شہا! بہ بزم تو چون این قصیدہ برخوانم — کہ ملک نظم ز فیضش گرفتہ است نظام

سزد بجائزہ باجیب پر گہر گردوں — بدوشم افگند این جامۂ زمرد فام

اکبر ۹۹۵ھ میں کشمیر گیا، تو عرفی بھی ہم رکاب تھا، کشمیر پر اس نے ایک قصیدہ کہا جس میں اکبر کو مخاطب کرکے لکھتا ہے:-

بحکم تو آتش آورد بکشمیر و گرنہ — کے از سر آن خاک بخاک بدر آید

می آید و می سوزد ازین رشک کہ کشمیر — چوں یافت کہ آید بجہاں بر اثر آید

اکبر نے ایک موقع پر اس کو ایک گھوڑا بھی انعام میں دیا تھا، لیکن اس سے خوش ہونے کے بجائے اپنی رعونت میں اس نے گھوڑے کی ہجو لکھی، اکبری دور میں زور کلام، شوکت الفاظ، جدت استعارات و تشبیہات، نازک خیالی، مضمون آفرینی، فلسفیانہ خیالات اور نئی نئی تمہیدوں کے لحاظ سے عرفی کا کوئی مقابل نہ تھا، اس نے اپنے شاعرانہ کمال پر کبر و نخوت کا جو اظہار کیا تو یہ بے جا نہ تھا، اور اس کی اس افتاد طبع سے خود شاعری بھی معنوی حیثیت سے بلند مقام پر پہنچ رہی تھی،

محمد حسین نظیری نیشاپوری ہندوستان پہنچا تو عبدالرحیم خانخانان کے دربار میں ملازم ہوا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے شاہانہ دربار میں رسائی حاصل کی، پہلی بار جب اکبری دربار میں پہنچا تو جہانگیر کے بیٹے شہزادہ خسرو کی ولادت کا جشن تھا، نظیری نے اس موقع پر ایک قصیدہ پیش کیا جس سے اکبر کی توجہ اس کی طرف ہوئی، لیکن حاسدوں نے اس کو تقرب حاصل کرنے نہیں دیا، پھر بھی اس نے اکبر کی مدح میں اور بھی قصیدے لکھے جو مقبول ہوئے، اسکی سخن وری اور سخن گستری کی داد جہانگیر اور شہزادہ مراد کے دربار میں زیادہ دی گئی جیسا کہ آگے ذکر آئے گا۔

ان اکابر شعراء کے علاوہ دربار کے بعض اور سخن سنجوں کا بھی ذکر ضروری ہے تاکہ اکبر

در حوصلۂ نہ فلک از عشق نگنجید   ہر ذرہ کہ از خاک ثنائی بہ ہوا رفت

میلی ہروی ۔ مولانا شبلیؒ شعر العجم حصہ پنجم (صفحہ) میں عرفات اوحدی کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں کہ قزلباشی امرا میں سے تھا، نہایت خوش رو اور خوش مزاج تھا، مدت تک مشہد اقدس میں سلطان ابراہیم مرزا کے دربار میں رہا، پھر ہندوستان آیا، یہاں حسین ثنائی، غزالی، وحشی وغیرہ سے معرکے رہے، مشہور ہے کہ اکبر کے دربار میں غزالی سے مناظرہ ہوا، غزالی نے حکمت عملی سے اس کو مغلوب کیا، اس کا اس کو اسقدر صدمہ ہوا کہ اسی وقت تپ چڑھ آئی، اور بالآخر بیمار رہ کر مر گیا، مگر منتخب التواریخ حصہ سوم (صفحہ ۳۲۹) میں میلی ہروی کا ذکر ان الفاظ میں ہے۔

"مرزا قلی نام، صاحب دیوان اور صاحب طرز ہے، اس کا سلیقہ شاعری ایسا تھا کہ اگر وہ اب تک زندہ رہتا تو بہت سے خام شعراء کے دل میں شعر گوئی کا سودا سرد پڑ جاتا، اس کے زمانہ سے اس وقت تک کے شعرا میں سے اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا، برسوں نورنگ خان کی خدمت میں رہا، اور اس کی مدح میں بڑے بڑے قصائد کہے، کہتے ہیں کہ بدگمانی کی بنا پر نورنگ خان کے حکم سے اس کے پیالہ میں کوئی ایسی چیز ڈال دی گئی کہ اس دنیا سے چل بسا، اس کی وفات مالوہ میں ہوئی۔

طبقات اکبری جلد سوم (صفحہ ۴۹۶) میں ہے:۔

"مرزا قلی میلی نورنگ خاں کی خدمت میں برسوں رہا، نورنگ خان اس عالی شان دودمان (یعنی خاندان تیموری) کے امراء میں سے ہے، مرزا قلی غزل اور قصیدہ کا ایک دیوان رکھتا ہے۔"

آئین اکبری اور منتخب التواریخ میں میلی قلی کے بہت سے اشعار درج ہیں، جن میں سے

ثنا خوانی کی، ہندوستان میں آنے سے پہلے یہاں اس کا کلام ہر مجلس میں تبرک کے طور پر پڑھا جاتا تھا، ہندوستان آیا تو اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی اور آخر عمر تک اس کے خسروانہ مراحم سے مستفید ہوتا رہا، تمام تذکرہ نگار اس کے شاعرانہ کمال کے معترف ہیں، میخانہ کا مولف اس کو "عندلیب گلستان نکتہ سرائی" کہتا ہے، اور اس کی شاعری کو رنگ و بو سے رنگین اور معطر پاتا ہے منتخب التواریخ (ص ۲۰۷) میں ہے:-

"شاعر طبیعت است، و در ہمہ اقسام سخن غیر از توحید و موعظت و نصائح حکیم و تنگنائی طرفہ دارد"

خواجہ نظام الدین احمد طبقات اکبری میں لکھتا ہے:-

"دیوان شعر و کتاب مثنوی دارد، و اقسام شعر را خوب و استادانہ می گفت، و از شعرائے وقت امتیاز داشت" (جلد سوم ص ۴۸۹)،

میخانہ (ص ۱۹۶) میں مثنوی کا نام سکندر نامہ مرقوم ہے، اس میں اور منتخب التواریخ جلد سوم میں ثنائی کا ایک ساقی نامہ بھی منقول ہے، خانخانان عبدالرحیم کی شان میں بڑے لمبے لمبے قصائد کہے تھے، جو مآثر رحیمی جلد سوم میں ملیں گے، قصیدہ گوئی کو اس کی شاعری سے بھی بڑی ترقی ہوئی، اس کی ایک رباعی ملاحظہ ہو،

ترک مستم چو کلہ گوشہ یغما شکند | نقد دل ہا برد از طرہ و دریا شکند
ہرگز تندی خوی تو بخاطر نرسد | کہ نہ بر عارض دل رنگ تمنا شکند

اس کے کچھ اور کلام سے بھی لطف لیجیے، (آئین اکبری ص ۱۸۰)،

قاصد شوق دگر قطرہ زنان می آید | کہ بدل شوق کسے از پئے جان می آید
شرط عشق ست کہ ہم باز بدل بیایند | سخن دوست کہ از دل بزبان می آید

توسنی ۔ نام منوہر تھا، سانبر کے راجہ لون کرن کا لڑکا تھا، اکبر نے اس کو مرزا منوہر کا خطاب دیا تھا، مگر وہ اپنے کو محمد منوہر لکھتا تھا، اس کی شاعری میں متانت و سنجیدگی تھی، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

شیخ مستغنی بدین و برہمن مغرور کفر ۔۔۔ مست حسن دوست را با کفر و ایمان کار نیست

تشبیہی کاشی ۔ کئی بار وطن سے ہندوستان آیا، اور ابو الفضل کے توسل سے اکبر کے دربار میں حاضر ہوا، اور قصیدہ بھی پیش کیا، ملا بدایونی کی رائے کے مطابق ملحد تھا۔

تقی الدین ششتری ۔ علوم عقلیات و نقلیات میں کامل دستگاہ رکھتا تھا، اکبر کے حکم سے شاہنامہ کو منثور کرنے کی کوشش کی، مگر یہ سعی لاحاصل تھی اسی لیے ملا بدایونی اس قسم کی کوشش کے بارے میں لکھتے ہیں قماش ابریشم مل میکند، و یسماں ز می سازد یعنی مخمل کو ٹاٹ بنا رہا ہے، اور سوت کو روئی، اس کی سخن سنجی کا نمونہ یہ ہے:۔

گر دست ندہدم کہ برویت نظر کنم ۔۔۔ باری دہان بیاد لبت پر شکر کنم

با آنکہ ہمچو سبزہ بخاکم نشاندہی ۔۔۔ دست و دلی کجاست کہ خاکے بسر کنم

ثانی خان ہروی ۔ اکبر کے قدیم درباری امراء میں سے تھا، دین الٰہی کی تشکیل میں معاون ہوا، اس کی حمایت میں کچھ رسالے بھی لکھے، شعر گوئی سے بھی کچھ ذوق رکھتا تھا، مگر آخر عمر میں اس سے توبہ کر لی تھی، ذرہ و خورشید کے عنوان سے ایک مثنوی بھی لکھی تھی۔

جدائی ۔ سید علی نام، اکبر کے دربار کا مصور تھا، اکبر کے حکم سے قصۂ امیر حمزہ کی ۱۷ جلدوں کو مصور کیا، اور نادر الملک کے خطاب سے سرفراز ہوا، ہمایوں بھی اس کا قدردان تھا، ہمایوں شاہی بھی کہلاتا تھا، (طبقات اکبری حصہ سوم صفحہ ۵۰۷)، ملا بدایونی اس کو ہندوستان کا مانی لکھتے ہیں، شاعر بھی تھا، ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا کچھ اشعار یہ ہیں:۔

کچھ یہ ہیں :-

دانستہ کہ مہر تو با جان نمی رود ‎ ‎ ‎ کز خاک کشتگان گذری سرگران ہنوز

نہ آشنا و نہ بیگانہ نمی دانم ‎ ‎ ‎ کہ اختلاط چنین را کسی چہ نام کند

بیقرار است دل اندر بدن کشتہ عشق ‎ ‎ ‎ دیگر از یار ندانم چہ تمنا دارد

امتحان نام نہد دل ستمی کز تو کشد ‎ ‎ ‎ خویش را چند باین حیلہ شکیبا دارد

میرم و بر زندگانم رحم می آید کہ تو ‎ ‎ ‎ خوبان بے داد ہا داری کہ با ما کردہٴ

نوری ۔ ملا نور الدین محمد ترخان نوری سفیدون (توابع سرہند) کے رہنے والے تھے، ہمایوں کے سلسلہ میں ان کا ذکر آچکا ہے، ہندسہ، ریاضی، نجوم و حکمت میں ان کا علم مشہور تھا، جود و سخا اور بذلہ سنجی میں ضرب المثل تھے، اکبر نے ان کی عزت و قدر دانی باپ ہی کی طرح کی، اور ان کو خان کا بھی خطاب عطا کیا، چنانچہ اس خطاب پر اظہار تشکر کے ساتھ لطیف پیرایہ میں شکوہ بھی کرتے ہیں۔

ز روے مکرمت و ز راہ احسان ‎ ‎ ‎ بہ ترخان داد خانی شاہ عادل

ازین خانی ہمین نامیست بردی ‎ ‎ ‎ ازین نام شگرف او را چہ حاصل

ز ترخانی ہم او را شکوہ ہست ‎ ‎ ‎ بہ نزد خسرو دانائے کامل

کہ غیر از خان خشکی می نماند ‎ ‎ ‎ ز ترخانی تری گردد چو زایل

مگر بعض سیاسی اسباب کی بنا پر کچھ دنوں معتوب بھی رہے، آخر عمر میں ہمایوں کے مقبرہ کی تولیت ان کے سپرد تھی، شاعر بھی تھے اور اپنا ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا، یہ شعر ان ہی کا ہے :-

دل تنگ و دور از آن لب خندان نشستہ ام ‎ ‎ ‎ مانند غنچہ سر بگریبان نشستہ ام

ونظم کلامش در پاکیزگی غیرت گوہر سیراب، وجامع فنون کمالات وحیثیات کسبی و وہبی آست

وآداب نیکو ذاتی وخوش صحبتی وشگفتہ روئی وقاعدہ دانی دستور العمل ارباب این فن است

وجود شریفش در ہر مکان وزمان باعث تفریح قلب وسرور اکابر واعیان، وجمعیت و

خوشحالی ومستعدان است"۔ (جلد سوم ص ۳۰۹)۔

ملا بدایونی کی مدح وتعریف میں یہ غلو نہیں، وہ رقمطراز ہیں۔

"ازیاران دردمند ودر اقسام شعر مستثنیٰ، صاحب دیوان است، واورا باسخنان اکثر

سریست اگرچہ از مادہ علمی عاریست، اما جد وجہد وفہمی درست دارد ومنصف است"۔

کلام کا نمونہ یہ ہے۔

بہر سخن کہ کنی خویش را نگہبان باش | زگفتنی کہ دلی نشگفد پشیمان باش
چو بال مرغ کہ گرشغل روزگار این است | زمور ہم قدمے وام کن گریزان باش

این سبزہ در این صحرا بوی زجنون دارد | دیوانگی ومستی امروز شگون دارد

خنجر بیگ۔ اکبر کے دربار کے چغتائی امرا میں سے تھا، سپہگری، موسیقی، خوش خلقی، سخنگوئی اور علم نجوم وہیئت میں یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا، تین ہزار ابیات کی ایک مثنوی لکھی، جس میں اکبر کی مدح کرکے اپنے ذاتی فضائل بیان کئے ہیں، ملا بدایونی کا بیان ہے کہ اس مثنوی کے صلہ میں اکبر نے اس کو بہت سی نوازشوں سے سرفراز کیا، مثنوی کے کچھ اشعار منتخب التواریخ جلد ۳ (ص ۲۲۴ - ۲۲۶) میں ملیں گے، اس نے اپنا ایک دیوان بھی ترتیب دیا تھا۔

میر دوری۔ نام سلطان بایزید تھا، بدایونی کا بیان ہے کہ اس نے خط نستعلیق لکھنے میں ایسی مہارت پیدا کی تھی کہ ہندوستان میں اس کا کوئی مدمقابل نہ تھا، اسی لیے اکبر نے کاتب الملک کا خطاب عطا کرکے نوازا، شعر گوئی سے بھی دلچسپی رکھتا تھا۔

صبح دم خاردم از ہمدمی گل می زد   ناخنی در دل صد پارہ بلبل می زد

حسن بتان کعبہ ایست عشق بیابان او   سرزنش ناکسان خار مغیلان او

نیم بسمل صیدم وافتادہ دور از کوی دوست   میروم افتان وخیزان تا بہ منیم زیی دوست

جعفر بیگ قزوینی۔ عمدۂ بخشی پر مامور تھا، اکبر نے آصف خان کے خطاب سے عزت بخشی، اسکی بذلہ سنجی مشہور تھی،

دید و مضطربم کرد وآن قدر نہ نشست   کہ آشنائے دل خود کنم تسلی را

شہر گنجایش غمہائے دل ما چو نداشت   آفریدند برائے دل ما صحرا را

حیاتی گیلانی۔ عراق وخراسان میں قسمت آزمائی کرنے کے بعد ہندوستان آیا تو پہلے حکیم ابوالفتح گیلانی کے دربار سے منسلک ہوا، اور اسی کی وساطت سے اکبر کے دربار میں پہنچا، اکبر نے اس کی بڑی پذیرائی کی، منصب، علوفہ اور جاگیر عطا کی، مآثر رحیمی کے مصنف کا بیان ہے کہ

"در چندان قرب و منزلت اورا در ملازمت آن بادشاہ بہم رسید کہ مزیدی برآن متصور نہ بود"

عبدالرحیم خانخانان دکن کی مہم پر روانہ ہوا تو اس کے ساتھ حیاتی بھی گیا، خانخانان نے اس کی بڑی قدردانی کی، اور اسی کی سفارش پر حیاتی کو اکبر نے منصب ہزاری بخشا، خانخانان بزم اور رزم دونوں میں اسکو ساتھ رکھتا تھا، حیاتی نے جذبۂ تشکر میں اس کی شان میں لمبے لمبے قصیدے کہے، حیاتی جہانگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہا، مآثر رحیمی کا مولف اس کی علمی اور شاعرانہ صلاحیت پھر ذاتی اوصاف کا بہت مداح ہے، لکھتا ہے،

"ہر لفظی از منظوماتش چون زمان صباح متضمن طلوع آفتاب معانی۔ و ہر حرفی از منثور آتش چو دم عیسوی متکفل حیات باقی۔ رشحات اقلامش از صغار رشک قطرات سحاب"

بغیر وصل ہزار آرزو بہت عاشق را   ہنوز با ہتوائے بخت کار ہا داریم

سیدی ان کا نام سید شاہ، گرم سیر کے سادات میں سے تھا، شیخ اسلام چشتی سے شرف بیعت حاصل کیا، کچھ دنوں دربار شاہی سے بھی منسلک رہا، آخر عمر میں قلیج محمد خان کابل کے پاس جاکر ملازم ہوا، خوش طبع اور خوشگو شاعر تھا۔

اول سرگرمی عشقت و دل در اضطراب   ہمچو طفلی کو تپد ہنگام بیداری خواب

ملا شیری۔ پنجاب کے شیخ زادگان میں سے تھے، ابوالفضل کا بیان ہے کہ شعرو شاعری میں اکبر ہی کی توجہ سے ان کو درک حاصل ہوا،

بنظر گیتی خداوند در سخن بروے او کشودند"

ماثر رحیمی کے مؤلف کا بیان ہے:۔

"بکمال حیثیات آراستہ و پیراستہ است، و طبعش خالی از متانتی و رنگی نیست، و اشعار او در ہندوستان مشہور است" (ص۱۱۱)

ملا بدایونی ملا شیری کے شاعرانہ کمالات کے بہت مداح ہیں، اور لکھتے ہیں کہ ان کو شعر کہنے پر بڑی قدرت حاصل تھی، زمانہ کے آلام و مصائب کی تصویر ان سے بہتر کسی اور شاعر نے نہیں کھینچی، ایک رات میں تیس تیس غزل کہنے کا دعویٰ کرتے تھے، قصیدہ اور قطعہ گوئی میں اپنے تمام معاصرین میں ممتاز تھے، اور ان کی فصاحت کے مقابلہ میں دوسروں کی فصاحت ماند پڑ گئی تھی۔ (جلد سوم ص۲۴۹)، طبقات اکبری (جلد دوم ص۴۹۱) میں ہے کہ آفتاب پر ایک مثنوی شمع جہاں افروز کے نام سے لکھی تھی جس میں ایک ہزار اشعار تھے، پہلے ذکر آچکا ہے کہ اکبر نے مہابھارت اور ہربنس کے ترجمے کے لیے ان کو مامور کیا تھا، ان کے اشعار کے بہت سے نمونے منتخب التواریخ جلد سوم اور ماثر رحیمی جلد سوم میں ملیں گے، ایک قصیدہ میں کہتے ہیں:۔

گہ در درون جانے گہ در دل حزینی ۔۔۔ از شوخی کہ داری یکجا نمی نشینی

میر حیدر رفیعی۔ یہ کاشان سے گجرات آیا، اور وہاں سے لاہور پہنچکر شاہی ملازمت میں داخل ہوا، ملا بدایونی اور ابوالفضل کا بیان ہے کہ معما اور تاریخ گوئی میں عدیم المثال تھا، آخر عمر میں وطن واپس چلا گیا، ایک دیوان چھوڑا اس کی ایک رباعی یہ ہے:-

زاہد نکند گنہ کہ قہاری تو ۔۔۔ ما غرق گناہیم کہ غفاری تو

او قہاریت خواند و ما غفارت ۔۔۔ یارب بکدام نام خوش داری تو

روغنی۔ یہ اپنی [illegible] و غزل گوئی کے لیے مشہور تھا، اس کے دیوان میں تین ہزار اشعار تھے،

زین خان کوکہ۔ اکبر کا رضاعی بھائی، اور اس کے دربار کا اعلیٰ [illegible] چار ہزاری (طبقات اکبری کے مطابق پنجہزاری) امیر اور شہزادہ سلیم کا خسر تھا، موسیقی خصوصاً ہندی راگ کا بڑا شیدائی تھا، کبھی کبھی اشعار بھی موزوں کر لیتا تھا، اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو،

زدام من نمی دہد این چرخ کج خرام ۔۔۔ تار شتہ مراد بسوزن در آورم

وفائی اصفہانی اسی کی سرپرستی میں رہا،

سرمدی اصفہانی۔ نام محمد شریف، کچھ دنوں چوکی نویس رہا، پھر شریف آملی کے ساتھ بنگالہ میں کسی خدمت پر مامور کیا گیا، ملا بدایونی کا بیان ہے کہ پہلے فیضی تخلص کرتا تھا، فیضی نے اکبر سے اس کی شکایت کی، تو پھر سرمدی تخلص رکھا، آئین اکبری میں ابوالفضل نے اس کے بہت سے منتخب اشعار لکھے ہیں، جن میں سے بعض یہ ہیں۔

ز گرم خوئی عصیان چہا بخود دیدیم ۔۔۔ بہ پشت گرمی رحمت چہ جرمہا داریم

بہ گلشنے سحری بادل شوق افتادیم ۔۔۔ کہ رنگ از آمدن و رفتن صبا داریم

سے محروم ہوگیا، ایک دیوان اور ان منظوم سانو شہر آشوب، گل و مل، وجہ القناعت، رسالہ منظوم رنج صحیفۃ العشاق کا مولف تھا، (طبقات اکبری جلد سوم ص ۵۰۹)، کلام کا نمونہ یہ ہے:-

نیست ہر سوئی مژگان دیدہ نمناک را ۔۔۔ بر کنار افگند موج اشک من خاشاک را

تن یمین نہ شد او را از خاک پیرہن پیدا ۔۔۔ سمن درباغ خوبی شد زبرگ یاسمن پیدا

چنیں کافتادہ در راہ غم و محنت چو خاشاکم ۔۔۔ نسیم لطف و احسانت مگر بر دارد از خاکم

مرزا عزیز کوکہ۔ انکہ خان کا لڑکا اور اکبر کا رضاعی بھائی تھا، اکبر اس کو بہت محبوب رکھتا تھا، اس کے مختلف سیاسی اور حربی کارناموں کی وجہ سے اس کو پنجہزاری اور خان اعظم کا خطاب عطا کیا، جب کبھی اس سے اختلاف ہوتا تو اکبر اس سے درگذر کرتا، اور کہتا کہ میرے اور عزیز کے درمیان دودھ کی ایک نہر بہتی ہے، اس کے علم و ہنر سے تمام معاصرین متاثر تھے، ملا بدایونی لکھتے ہیں:-

"بانواع فضائل و ہنر موصوف است و نعم عالی و ادراک بلند او کسے دیگر انام را نشان نمی دہند"

طبقات اکبری جلد دوم (ص ۴۲۴) میں ہے،

"بجودت فہم وجدت طبع و وقوف در علم تاریخ عدیل ندارد"

تزک جہانگیری میں جہانگیر رقمطراز ہے،

"در علم سیر و فن تاریخ استحضار تمام داشت و در تاریخ و تقریب بے نظیر بود، و در خوشنویسی ید طولی داشت، و در لطیفہ گوئی بے مثل بود و شعر ہموار می گفت"

یہ لکھ کر جہانگیر نے اس کی حسب ذیل رباعی پسند کی ہے،

عشق آمد از جنون بر و مندم کرد ۔۔۔ وابستۂ صحبت خرد مندم کرد

اے جہاں در قبضۂ حکمت بضرب تیغ و تیر | تاجدار تخت و بخت از فیل و اسپ آفاق گیر
تاج و تخت و تیغ و تیرت مہر و مہ برق و شہاب | در شمار فیل و اسپت گشتہ عاجز صد دبیر

اکبر کی شان میں ایک قصیدہ جواب و سوال کے طرز پر کہا تھا، جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:-

گفتم اے دل چہ او ضاع جہاں گشت بدل | گفت خاموش کہ در مہر فلک رفتہ خلل
گفتم از چاہ امید آب تمنا نرسد | گفت کوتہ بود از دی رسن طول امل
گفتم از بخت بہ تفصیل شکایت دارم | گفت باید بہ شہنشاہ بگوے مجمل
گفتمش اکبر جم قدر سلیمان دانش | گفت خاقان بلند اختر خورشید محل
گفتم آن ذات نبی را بہ تنظیم ثانی | گفت آن خلق خدا را بہ تفضل اول
گفتم اصل و نسبش لازم تاج است و سریر | گفت لطف و کرمش حامی ملکت و ملل

بابا طالب اصفہانی - طبیعت میں درویشی تھی، اس لیے پہلے قلندر رہے، پھر اکبر کے دربار سے منسلک ہو گئے، اکبر نے تبت ایلچی بنا کر بھیجا، واپس ہوئے تو وہاں کے حالات ایک رسالہ میں قلمبند کیے، جس کو شیخ ابوالفضل نے اکبر نامہ میں شامل کر لیا، ادب و انشا کے ساتھ شعر گوئی میں بھی بڑا سلیقہ رکھتے تھے، جہانگیر کے زمانہ میں گجرات کے صدر مقرر ہوئے، انکی ایک رباعی یہ ہے:-

زہرم بفراق خور چشانی کہ چہ شد | خون ریزی و آستین فشانی کہ چہ شد
اے غافل از انکہ تیغ ہجر تو چہ کرد | خاکم بغبار تا بدانی کہ چہ شد

عتابی - سید محمد نجفی الہ آباد میں کسی عہدہ پر تھا، اپنی ہجو گوئی بے باکی اور درشتی طبع کی وجہ سے شاہی دربار سے معتوب رہا، مگر ارباب فن اس کی عربی اور فارسی شاعری کے مداح تھے،

میر عزیز اللہ قزوینی - طبقات اکبری سے معلوم ہوتا ہے کہ تخلص عزیزی تھا، احساب و سیاق کا ماہر تھا، سنبھل کے ضبط و نسق کے لیے مامور ہوا[1]، جہاں بعض امور کی بنا پر شاہی التفات

[1] طبقات اکبری کا ترجمہ ص ۱۱۰ میں ہے، "تا دیوان صدارت بود"

نشانی: نام مولانا علی احمد، مولانا حسین نقشی دہلوی مہرکن کے فرزند تھے، ہیئت و طبیعیات کے عالم تھے، خطاطی اور مہرکنی کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل کی، شہزادہ سلیم کے استاد بھی رہے، دربار میں بڑا عروج و رسوخ حاصل کیا، اور گو یک صدی کے منصبدار تھے، مگر ملا بدایونی کا بیان ہے کہ کسی امیر سے کمتر نہ تھے، اکبر نے گجرات تسخیر کر کے سکہ جاری کیا تو انھوں نے شاہی سکہ بنایا اور یہ تاریخ گذرانی:-

خسروا سکۂ گجرات بنام تو زدند ۔۔۔ ملک را سایۂ عدل تو تبارک بادا

اے خوش آن دم کہ چو تاریخ دی زرش پرسی ۔۔۔ گو بیت ، سکۂ گجرات مبارک بادا

ملا بدایونی ان کے علم و فضل کے بہت ہی معترف تھے، اسی لیے ان کی مثنویات، قصائد، اور قطعات کے نمونے منتخب التواریخ میں نقل کیے ہیں (دیکھو جلد سوم ص ۳۴۹-۳۹۰)۔

نامی۔ میر محمد معصوم خان نامی بھکر وطن، آبا و اجداد ترمذ سے آئے، محمد معصوم خان طبقات اکبری کے مولف خواجہ نظام الدین احمد اور گجرات کے صوبہ دار شہاب خان کی وساطت سے شاہی دربار میں پہنچا، اکبر اس کو بہت عزیز رکھنے لگا، رفتہ رفتہ دو ہزاری منصبدار بھی ہوا، ایران کا سفیر بنا کر بھیجا گیا، وہاں سے تبریز گیا، جہاں حکیم شفائی، محمد رضا فکری اور تقی اوحدی کی صحبت میں شعر و شاعری کا شغل جاری رکھا، وہاں سے واپس ہوا تو جہانگیر نے بھکر میں امین کے عہدہ پر مامور کیا، اپنی دیانت، امانت، شجاعت، سخاوت، زہد اور تقوی کی وجہ سے بڑی عزت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، علمی حیثیت سے وہ کثیر الاخلاق تھا، طب میں ایک رسالہ مفردات معصومی قلمبند کیا، ایک ضخیم تاریخ سندھ لکھی جو تاریخ معصومی کے نام سے مشہور ہے، آج بھی یہ تاریخ اپنے معلومات کے لحاظ سے مفید سمجھی جاتی ہے، میر محمد معصوم نامی کو شعر و سخن سے بھی دلچسپی تھی، اور ہمیشہ ایک سنگ تراش ساتھ رکھتا تھا، جو جا بجا اسکے اشعار پتھروں پر کندہ کر دیتا تھا، دیوان کے علاوہ خمسہ کے طرز پر پانچ مثنویاں: معدن الافکار، حسن و ناز، پری صورت، اور دو اور لکھیں، ایک طویل قصیدہ،

آزادو ز بند دین و دانش گشتم　　　تا سلسلۂ زلف کسے بندم کرد

مولانا شبلی نے شعر العجم حصہ سوم (ص۷) میں بکی نکتہ سنجی کی داد دی ہے اور اس کے حسب ذیل مطلع کو پسند کیا ہے۔

گشت بیمار دل از رنج و غم تنہائی　　　اے طبیب دل بیمار چہ می فرمائی

خانخانان عبدالرحیم اور حکیم ابوالفتح گیلانی کے بعد اس کے دربار کی علمی محفل آرائی مشہور تھی، یقینی سبزواری، جعفر ہروی، اور مدامی بدخشی خان اعظم ہی کی سرکار سے وابستہ تھے، حیدری نے بھی اس کے خوانِ کرم کی زلہ ربائی کی، اس کو نقاشی میں بھی بڑی مہارت تھی، آگرہ میں ایک باغ جہاں آرا کے نام سے تیار کیا، اور وہاں نقش و نگار کے ساتھ اپنی حسب ذیل رباعی لکھوائی۔

یارب بصفاے دل ارباب تمیز　　　کان نزد توہست خوب تر از ہمہ چیز

چون گشت بتوفیق تو این خانہ تمام　　　از راہ کرم فرست مہمان عزیز[1]

عنایت اللہ شیرازی۔ شاہی کتب خانہ کا کتاب دار تھا، اس کی خوشنویسی پر اکبر نے اس کو مکتوب خان[2] خطاب سے سرفراز کیا، اپنی خوش طبعی کی بنا پر کبھی کبھی طبع آزمائی کر لیتا تھا، اس کی ایک رباعی ہے:-

تا کاکل و زلف نیکوان خم خم است　　　تا شیوۂ رفتار بتان چم بہ چم است

تا ناوکِ غمزہ در کمان ستم است　　　مرگ من و زندگی من دم بدم است

غباری۔ قاسم علی نام، غباری تخلص، بقال تھا، اکبر نے اس کو اپنا خلیفہ بنایا، اور خان کا خطاب عطا کیا،

[1] خان اعظم کے حالات کی تفصیل کے لیے دیکھو مآثر الامراء جلد اول ص ۶۹۳-۶۷۵، و بدایونی ج ۳ ص ۲۸۳

[2] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

کہلاتا تھا، ہمدمی تخلص اور خان عالم خطاب تھا، مرزا کامراں ہمایوں سے شکست کھا کر حجاز کے سفر پر روانہ ہوا تو ہمدمی ہمایوں کی خدمت میں حاضر ہوا، اور پہلے یہ بیت پڑھی۔

کلاہ گوشہ درویش بر فلک ساید   کہ سایہ ہمچو تو شاہی فگند بر سر او

اور اسی کے بعد یہ شعر بھی زبان پر لایا،

بر جانم از تو ہر چہ رسد جائے منت است   گر ناوک جفاست و گر خنجر ستم

یہ سنکر ہمایوں بہت متاثر ہوا اور اس کو بڑی نوازشوں کے ساتھ اپنے ساتھ اپنے دربار میں رکھا، اکبر نے بھی شاہانہ لطف و کرم سے نوازا، اور سہ ہزاری منصب اور خان عالم کا خطاب عنایت کیا، اکبر کے ساتھ حصار پٹنہ کی تسخیر میں بڑی جانبازی دکھائی، عبدالرحیم خانخاناں کے ساتھ بنگال کی مہم میں بھی ساتھ رہا، اور ۹۸۲ھ میں اوڑیسہ کی لشکر کشی کے سلسلہ میں مارا گیا، شعر و شاعری سے بھی دلچسپی رکھتا تھا، اکبر کو آصفی کا یہ مطلع پسند تھا،

قاتل من چشم می بندد دم بسمل مرا   تا بماند حسرت دیدار او در دل مرا

اکبر نے ہمدمی کو اسی مطلع پر ایک مطلع کہنے کی فرمائش کی تو اس نے کہا۔

آمد و بگذشت از دل تیر آن قاتل مرا   ماند تا روز قیامت داغ او در دل مرا

فیضی کا بھی ایک مطلع اسی قافیہ و ردیف میں ہے۔

پا بہ رو بگذار اے قاتل دم بسمل مرا   تا بایں تقریب پابوسی شود حاصل مرا

ہمدمی کا ایک قطعہ ہے۔

اے کہ کردی سبزہ ریش سفید   یک بیک می کنی ز بر نمود

بزبان دادۂ جوانی را   ریش کندن کنون ندارد سود

لہ مآثر الامراء ج ۱ ص ۶۲۳ - ۲۵، و منتخب التواریخ ج ۳ ص ۳۸۵ - ۸۹،

منقبت اور بہت سی رباعیاں ملا بدایونی نے منتخب التواریخ جلد سوم (ص ۶۸ - ۲۶۷) میں نقل کی ہیں دو رباعیاں ملاحظہ ہوں :-

یک حصہ عمر من بنادانی رفت　　یک حصہ ازان بنا تمامی وانی رفت
یک حصہ بہیودہ بہ بیکار گذشت　　یک حصہ بافسوس و پشیمانی رفت

تا کے دل از این و آن پر از کینہ کنی　　تا چند بزر سینہ چو گنجینہ کنی
کار این بنود کہ تیرہ سازی دل را　　آن کار بود کہ دل چو آئینہ کنی

غزنوی۔ میر محمد نام، خان کلان خطاب، اکبر کے دربار کا جلیل القدر امیر پنجہزاری منصبدار تھا، اس کی مجلس میں شعر و شاعری کا شغل برابر جاری رہتا تھا، سنبھل کی حکومت کے زمانہ میں ایک بار شیخ سعدی کا یہ مطلع اس کے سامنے پڑھا گیا۔

دلے کہ عاشق صابر بود مگر سنگ است　　ز عشق تا بصبوری ہزار فرسنگ است

غزنوی نے فوراً کہا۔

دمے کہ چہرہ ساقی ز بادہ گلرنگ است　　بنوش بادہ بر آواز نے کہ دل تنگ است

اسی کے دربار کے ایک شاعر جمال خان بدایونی نے بھی ایک مطلع کہا

ترا رخ از مے عشرت مدام گل رنگ است　　مرا ز فکر دہانت چو غنچہ دل تنگ است

فارسی اور ترکی کا ایک دیوان بھی چھوڑا، مآثر الامرا جلد سوم (ص ۲۱۶) میں اس کے حسب ذیل دو شعر منقول ہیں۔

در جوانی حاصل عمرم بنادانی گذشت　　انچہ باقی بود آن ہم در پشیمانی گذشت
کس آب بجز مردم چشم ندہد　　جز آہ سحر ہم نفسے نیست مرا

ہمدمی۔ نام ترخان بیگ، کامران کے کوکہ ہمدم بیگ کا لڑکا تھا، مرزا بر خوردار بھی

اے قبلۂ جان کعبۂ من کوے تو باشد　　محراب می سازم خم ابروے تو باشد

گر جانب مسجد گذرم ور طرف دیر　　ہر جا کہ روم رُوے دلم سوے تو باشد

زاہد تو ز مستی منگر پستی ما　　صرف رہ نیستی شدہ ہستی ما

ماست مجسّم و تو مست غرور　　فرقست ز مستی تو مستی ما

سید فسونی یزدی - محمود بیگ نام[1]، ظاہری، معنوی اور علمی حیثیت سے یگانۂ روزگار سمجھا جاتا تھا، شعر و شاعری کے علاوہ فن سیاق، نجوم و ہیئت، حساب اور تاریخ سے بھی اسکو واقفیت تھی، ریاض الشعراء میں ہے کہ اکبر کے علاوہ جہانگیر اور شاہ جہاں کے دربار سے بھی منسلک رہا، جہانگیر نے اس کو افضل خان کا خطاب بھی عطا کیا تھا، اس کے بعض اشعار یہ ہیں

خواب راحت شد از آن دیدہ کہ دیدن دانست　　رفت آسایش از آن دل کہ طپیدن دانست

خبر دار آن زمان خواہی شدن از سوز پنہانم　　کہ آتش سر برون آورد باشد از گریبانم

فنائی ہروی - چغتائی نسل سے تھا، اکبر نے اس کو بھی خان کے خطاب سے نوازا تھا، طبقات اکبری (جلد سوم صفحہ ۵۱۶) میں ہے کہ تمام عمر اکبر کی بارگاہ میں رہا، ملا بدایونی (جلد سوم صفحہ ۲۶۹) رقمطراز ہیں کہ اس کا حسب ذیل مطلع ان کو اسقدر پسند آیا کہ اس کو پچاس سال تک یاد رکھا،

نگویم بہر تشریف قدومت خانۂ دارم　　غریبم خاکساریم گوشۂ ویرانۂ دارم

فنائی کا ایک مطلع یہ بھی ہے

تا گل روی تو از بادۂ گلفام شگفت　　بادہ از عکس گل رُوے تو در جام شگفت

فیروزہ کابلی - مرزا محمد حکیم کے یہاں تربیت پائی، آئین اکبری میں ہے کہ اکبر نے اس کو منصب دو ہزاری عطا کیا، موسیقی اور شاعری سے بھی ذوق رکھتا تھا، متقدمین اور متاخرین

---

[1] آئین اکبری میں ہے "از نامور تکیگیان، اختر نیکو بر شمرد"

اشکی۔ میر اشکی قمی بن سید علی محتسب، ہندوستان آیا، تو اکبر کے دربار میں ملازم ہوا، ریاض الشعراء کے مولف کا بیان ہے کہ یہاں غزالی مشہدی وغیرہ سے اس کے شاعرانہ معرکے ہوتے تھے، وفات سے کچھ دنوں پہلے اپنا دیوان نادر الملک جدائی کو دیا، جس نے اسکے کچھ اشعار اپنی طرف منسوب کر لیے، ریاض الشعراء میں ہے کہ غزالی نے اس پر ایک ہجو بھی کہی تھی، ملا بدایونی نے اس کے کلام کے کچھ نمونے دیے ہیں۔

از بسکہ سنگ بر سرزدے بے تو سینہ چاکی — آں سنگ در کف او گردید مشت خاکی

بسے سنگ از غمت بر سر من آں سنگ خواہم زد — اگر دستم رود از کار سر بر سنگ خواہم زد

اگر خواہم کہ در راہ تو از سنگ بلا افتم — ز ہر سو بر من آید سنگ و گمذارو بپا افتم

موخر الذکر شعر لکھکر ملا بدایونی کہتے ہیں کہ "مضمون سنگ" پر اس سے بہتر شعر کہنا مشکل ہے۔

فکری خراسانی۔ نام سید محمد، اکبر کا قصیدہ خوان بھی رہا، رباعی کہنے میں شہرت حاصل کی، اس لیے میر رباعی کے نام سے مشہور ہوا[1]، اس کے اشعار میں بلند افکار ہوتے تھے، اسکی ایک رباعی ہے۔

زان بت ہمہ غم نصیب ما خواہد بود — بیداد و ستم نصیب ما خواہد بود

تا عمر بود از ان قد و زلف و دہاں — پیوستہ الم نقیب ما خواہد بود

فیضی تربتی۔ اکبری دور کا بلند پایہ شاعر تسلیم کیا گیا ہے، ملک الشعراء ابو الفیض فیضی نے اس کے شاعرانہ کمالات کی تعریف ایک قطعہ میں کی ہے، اکبر کی شان میں فیضی تربتی نے متعدد قصائد کہے۔ ریاض الشعراء میں اس کی بہت سی رباعیاں منقول ہیں، ایک دو ہم بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

---

[1] طبقات اکبری جلد سوم ص ۴۹۲

سیم وزر انعام کردی لیک از خازن مرا ... ہم گرفتن مشکل وہم ناگرفتن مشکلست

خزانۂ عامرہ (مولفہ آزاد بلگرامی) میں ہے کہ اکبر نے حیدری کو انعام حسب ذیل قصیدہ پر عطا کیا تھا اور اس کے نہ ملنے پر مذکورۂ بالا قطعہ لکھا۔

اما چو روزگار مددگار من نبود ... زان شاخ گل بپای دلم خار غم خلید

نشنید شاہ عقدہ کشا مصرعی زمن ... بکشود قفل از دومن از ین کلید

بودم ز آب دیدہ غرق بحر غم ... کز عیب این ترانہ بگوش دلم رسید

حافظ وظیفۂ تو دعا گفتن است وبس ... در بند آن مباش کہ نشنید یا شنید

تیسری بار حیدری ہندوستان آیا تو خانخاناں کے دربار میں شغل سخن کو جاری رکھا، مگر پھر وطن کی طرف مراجعت کی، اور وہیں ۱۰۰۲ھ میں وفات پائی، اس کے دیوان میں چودہ ہزار اشعار تھے، ایک مثنوی لسان الغیب بھی لکھی، جس میں اپنے استاد لسانی کی مدح کی تھی،

(بدایونی جلد سوم ص ۲۱۸، و نیز انگریزی ترجمہ)

حلیمی۔ مرزا جانی بیگ ارغون حلیمی ٹھٹھہ کا حاکم تھا، اپنی فراست و دانائی کے لیے مشہور تھا، اکبر نے اس کو سہ ہزاروپانصدی کا منصب عطا کیا، شعر و شاعری میں حلیمی تخلص کرتا تھا، مآثر الامرا جلد سوم (ص ۳۱۰) میں اس کے یہ دو شعر مرقوم ہیں:

خوش آن وقتے کہ عشق غمخوارم بود ... آہ شب وگریۂ سحر کارم بود

بہ گردی چرخ بین کہ با من نگذاشت ... کالائے غمی کہ زیب بازارم بود

میر مرتضیٰ سبزواری۔ فوجی عہدہ دار تھا، دکن کے اکثر علاقہ کو اس نے فتح کیا، آخر عمر میں شاہی دربار میں رہنے لگا تھا، جہانگیر کے زمانہ میں وفات پائی، ریاض الشعراء اور مخزن الغرائب میں اس کا یہ شعر منقول ہے:

کے شعراء کی غزلوں پر غزلیں لکھنے کا بھی دعویدار تھا، ملا بدایونی (جلد سوم صفحہ ۲۱۷) لکھتے ہیں کہ اکی علمی استعداد تو اچھی نہ تھی، مگر شعر فہمی کی صلاحیت اچھی رکھتا تھا، اور اس کی شاعری کے جو نمونے پیش کیے ہیں ان میں سے دو شعر یہ ہیں۔

بندہ را از نظر انداختہ یعنی چہ — غیر منظور نظر ساختہ یعنی چہ

قیمت حسن بر انداختہ یعنی چہ — کس ندیدم بدور تو باین حسن و جمال

حیدری تبریزی۔ تین بار عراق سے ہندوستان آیا، پہلی بار قاسم خان نیشاپوری کے دربار سے وابستہ رہا، مگر ہندوستان اس کو پسند نہ آیا، اس لیے اس کی ہجو بھی لکھی، اور وطن واپس چلا گیا، دوسری بار ہندوستان آیا تو خان اعظم مرزا کوکہ کے دامن کرم کی خوشہ چینی کی، اس کی شان میں ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا

اگر مدد نکند روح صاحبان سخن — نزد اہل سخن چون کنم بیان سخن

خان اعظم نے اس کے صلہ میں دو ہزار روپے، خلعت اور گھوڑا عطا کیا، شمس الدین محمد اتکہ خان کے وسیلہ سے شاہی دربار میں بھی حاضر ہوا، ایک قصیدہ میں اکبر کے ہاتھی کی تعریف اس طرح کی

فیلہایش کہ در صف ہیجاست — نبود پشت ہاے ریگ رواں

ہر طرف موجہای بحر بلاست — کز پئے غرق کردن اعدا

ملا بدایونی (جلد سوم صفحہ ۲۱۸) رقمطراز ہیں کہ اکبر نے اس قصیدہ پر خلعت اور اسپ اور کچھ روپے عنایت کئے، مگر شاہی خزانہ سے ملنے میں دیر ہوئی، تو یہ قطعہ لکھکر اکبر کی خدمت میں پیش کیا،

مشکلے دارم شہا خواہم کنم پیش تو عرض — وانکہ زین مشکل مرا صد داغ حسرت بردست

ہوتا جارہا ہے، اس لیے ہم بقیہ شعرار کے صرف نام لکھنے پر اکتفا کرتے ہیں، ان میں بھی ہم ان ہی کے نام درج کرتے ہیں، جو شاہی ملازموں کے زمرہ میں داخل تھے،

ملا قیدی شیرازی، قاسم ارسلان، یادگار حالتی، ظریفی ساوجی، مشفقی بخاری، ملا صبوحی کابلی، حسنی ساوجی، خواجہ ہجری، فریدی، نارغی، وقوعی، خسروی، نیازی سمرقندی، میر حزنی، مظہر کشمیری، بہرام سقا، محمد صالح دیوانہ، شریف سرمدی، غازی اسیری وغیرہ وغیرہ ان کے کلام کے نمونے طبقات اکبری جلد سوم میں ملیں گے،

بہت سے ایسے شعرار بھی تھے، جنکا دربار سے براہ راست تعلق تو نہ تھا، مگر اپنے قصائد بھیجکر اکبر کے ابر کرم سے سیراب ہوتے رہتے تھے، ان میں ظہوری ترشیزی اور ملک قمی بھی تھے،

ہندو فضلا، اکبر کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو فضلا کی ایک کثیر جماعت بھی دربار شاہی سے منسلک تھی، ابوالفضل نے "دانش اندوزان جاوید دولت" کے سلسلہ میں خدیو نشاتین کی فہرست میں حسب ذیل ہندوؤں کے نام لکھے ہیں۔

مادھو سرستی، مدھوسودن، نارائن اسرم، ہرجی سود، دامودر بٹ، رام تیرتھ، نرسنگ، پرم اندر، آدت،

"خداوند باطن" کی فہرست میں یہ نام ہیں،

رام بھدر، جد روپ

شناسائے عقلی کلام کے عنوان سے مندرجہ ذیل نام گنائے ہیں:

نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام کشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر،

اے از رخ تو مارا صد عیش و کامرانی　　در عیش و کامرانی صد سال زندہ مانی

اسد بیگ قزوینی، ہندوستان آیا تو اکبر کے وزیر اعظم ابوالفضل کے دربار میں سترہ سال تک ملازم رہا، اس لیے اسد شیخ ابوالفضلی کہلایا، ابوالفضل کے قتل کے بعد اکبر نے اس کو اپنے دربار میں داخل کر لیا، شہزادہ دانیال کی نسبت کے سلسلہ میں اکبر نے اس کو والیِ بیجاپور کے پاس بھیجا، وہاں سے واپسی کے بعد اس کو شاہی حاجب بنایا گیا، منصب اور ستر ہزار روپے کا وظیفہ بھی عطا کیا گیا، اکبر کی وفات سے پہلے دکن میں بعض خدمات کو انجام دینے کے لیے سفیر کی حیثیت سے مامور ہوا، مگر وہاں پہنچنے بھی نہ پایا تھا کہ اس کو اکبر کی وفات کی خبر ملی، دار السلطنت واپس آیا تو جہانگیر کے دربار میں اس کی پذیرائی نہ ہوئی، ابوالفضل کے قتل کے سلسلہ میں جہانگیر اس سے ناراض تھا، مگر رفتہ رفتہ یہ ناراضگی دور ہو گئی، اور مقبول بارگاہ ہوا تو جہانگیر نے اس کو پشیرو خاں کا خطاب عطا کیا، سخن سنجی و سخن فہمی کے ساتھ اپنی طبیعت کی لطافت اور شگفتگی کے لیے ہر مجلس میں پسند کیا جاتا تھا، اس کے کلام کا رنگ یہ ہے:

ز صبحدم نفسی پیشتر شدم بیدار　　لب پیالہ گرفتم بو سہ چون لب یار

خون مرا مریز کہ از رسم خجل شوی　　چون ساقی کہ ریختہ باشد شراب را

خون مرا بریز و شراب مرا مریز　　یک قطرہ زین شراب بصد خون برابر است

ہر گہ خیال آن گل خود روی می کنم　　دل می کند خیال کہ گل بوی می کنم

وقایع اسد بیگ کے نام سے اپنے کچھ ذاتی کوائف اور اس عہد کے کچھ تاریخی حالات خصوصاً ابوالفضل کے قتل کی تفصیلات لکھی ہیں، جس کے اقتباسات الیٹ جلد ششم میں درج ہیں، [1]

دربار اکبری کے ارباب سخن کی تعداد اتنی کثیر ہے کہ ان کو ان صفحات پر آسانی سے سمیٹا نہیں جا سکتا

[1] نیز دیکھو میخانہ ص ۔۔۔ و ریاض الشعراء

ہوں گے، خوشنویسوں کے علاوہ مقابلہ نویس، مصحح، نقاش، جدول ساز، جلدساز اور مصور بھی تھے۔

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور شبیہیں بنواتا مرقعے تیار کراتا ۔۔ر کتابوں کی لوح و جدول مطلا کراتا تھا، قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمایش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں استادانِ سحر پرداز نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہابھارت)، رامائن، نل دمن، کلیلہ دمنہ، اور عیار دانش، نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں[1]،

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے، جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمال فن سے بڑھائی اور جن کی قدر دانی اکبر نے جاگیر، منصب اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں قلم کا خطاب دیا تھا، ابوالفضل ان کو جادو رقم لکھتا ہے[2]،

(۲) خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چارصدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری ٹکسال کے افسر اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی[3]،

(۳) میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد چشتی، یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری

---

[1] آئین اکبری ص۔ [2] ایضاً ص۔ و تذکرہ خوشنویسان ص۔ [3] ایضاً ص۔ و مآثر الامرا، ج ۲

بابن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹاچارج، بجاگیرت بھٹاچارج
کاشی ناتھ بھٹاچارج، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیوجی،[1]

کتب خانہ اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے مثل تھا، قلعہ آگرہ میں ثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں، اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات و تالیفات و تراجم خود اس کثرت سے تھے کہ ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے، پھر اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دستیاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دی گئیں، ملا عبد القادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا،[2] فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں ان کتابوں کی کل تعداد ۴۳۰۰ تھی، جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ کی یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں اور دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی اور تیسرے میں تفسیر، حدیث اور فقہ کی تھیں،[3] خیال کیا جاتا ہے کہ اکبر کے کتب خانہ میں ۲۴ ہزار کتابیں تھیں، جو زیادہ تر شاہی کاتبوں کی لکھی ہوئی تھیں، مآثر الامرا جلد دوم (ص ۶۱۰) میں ہے کہ ایک روز شہزادہ سلیم ابوالفضل کے گھر گیا تو چالیس کاتبوں کو کلام پاک اور تفسیر نقل کرتے ہوئے دیکھا، ظاہر ہے کہ شاہی کتب خانہ کے لیے اور بھی زیادہ کاتب اور خوشنویس مقرر

---

[1] آئین اکبری [2] بدایونی جلد دوم ص ۲۰۲ [3] ایضاً ص ۴۰۳

کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لیے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں کے ذہن نشین کرانا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لیے اور بھی دشوار تھا، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی ہیں، چنانچہ حروف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لیے اکبر نے ہدایت دی کہ پہلے استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف، پھر چھوٹے چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارتیں، یہ طریقۂ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:

> بفرمودۂ گیتی خداوند حروف ابتث (ا ب ت ث) را بر نویسند و دیگرگون پیکر را بر انساں نگارند نخست بصورت و نام آشناگرد و ندو دو روز بیش نکشد که از نقوش حروف پیوسته آگہی برگیرد، و چوں ہفتہ بدیں دریافت تنومندی یابد و لختی نظم و نثر آشنا ورد و نیایش ایزدی و اندرز گرامی جدا نگاشتہ در آموزند، و کوشش رود کہ ہر ایک را خود بشناسد و اندکے استاد دستگیری کند و چندے ہر روز یک مصرع یا یک بیت بانجام رساند، در کمتر زمانے سواد خوانی روشنی پذیرد و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی بر جوید شناسائی حروف الفاظ، مصرع، بیت، پیشین خواندہ بدیں روش آنچہ بسا لہا آموختی بماہ بل بروز کشید و جہانی بشگفت در آمد، [1]

ابو الفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے تھے، اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا نصاب تھا۔ [2]

[1] آئین اکبری ص ۲۰۱
[2] ایضاً

کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انہی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر مولانا محمد اوبی، مولانا سلطان علی شہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبدالحئی، منشی ابوسعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا،[1]

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط[2] تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، توقیع، محقق، ریحان، رقاع اور غبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے (دیکھو آئین اکبری ص...)

مدارس

اکبر نے علم کی نشر و اشاعت کے لیے متعدد مدارس قائم کئے، آگرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لیے چلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبر نامہ دفتر اول) فتحپور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا،[2] ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے بھی مدارس تھے جن کو امراء اور دوسرے لوگوں نے قائم کئے، مثلاً دہلی میں ماہم بیگم کا مدرسہ جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابوالفضل کا مدرسہ جو فتح پور سیکری میں قائم تھا، پھر عبدالرحیم خانخاناں کے مختلف مدارس تھے، ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علماء اپنے اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں، ہم طوالت

---

[1] آئین اکبری ص... [2] آئین اکبری، ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ،

برجستہ اور دلآویز طریقہ سے ادا کرتا ہے، کہ بڑے بڑے انشا پرداز نہیں کر سکتے"۔ وہ جب کسی جنگ کی ہنگامہ آرائیوں کی تصویر کھینچتا ہے تو ہم میدان کارزار میں کھڑے نظر آتے ہیں، جب کسی جشن کی چہل پہل یا شبستان عیش کا نقشہ کھینچتا ہے تو آنکھوں کے سامنے اس کی ساری رنگینیاں اور سرمستیاں آ جاتی ہیں، جب وہ کسی علمی مسئلہ پر بحث کرتا ہے تو اس کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے، جب وہ کسی مقام کا ذکر کرتا ہے تو ایک محقق جغرافیہ دان کی طرح اس کے سارے معلومات فراہم کر دیتا ہے، جب ایک شہر کی تاریخ اور وہاں کے لوگوں کے رسوم و عادات کو تحریر کرتا ہے، تو ایک مورخ کی شان میں نظر آتا ہے، وہ جب پھولوں، پھلوں، پرندوں اور جانوروں کی جزوی تفصیلات کو بیان کرتا ہے، تو نہ صرف زبان کا لطف قائم رکھتا ہے بلکہ نباتات اور حیوانات کے ماہر ہونے کا ثبوت بھی دیتا ہے، یہاں چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

۱۶۱۲ء میں عثمان خان افغانی نے بنگال میں بغاوت کا علم بلند کیا، اس کے استیصال کے لیے جہانگیر نے شاہی لشکر بھیجا، اس جنگ کی جو قلمی تصویر اس نے کھینچی ہے، وہ یہ ہے:

در کنار نالہ کہ زمین آن تمام چلہ و دلدل بود، جائے جنگ قرار داد، روز یکشنبہ و محرم شجاعت خاں ساخت جنگ اختیار نمودہ افواج قاہرہ را مقرر ساخت کہ ہر یک بجاو مقام خود رفتہ آمادۂ جنگ باشند، عثمان در آن روز قرار جنگ با خود ندادہ بود، چون شنید کہ لشکرہائے بادشاہی مستعد گشتہ آمدہ اند، ناچار او ہم سوار شدہ بہ کنار نالہ آمد، و سوار و پیادۂ خود را در برابر افواج منصورہ باز داشت، چون ہنگامۂ جنگ گرم گشت و فوج بہ فوج رو بروئے خود متوجہ گردید، دریں مرتبہ اول آن جاہل خیرہ سر فیل مست جنگی خود را پیش انداختہ بہ فوج ہراول می تازد، بعد از زد و خورد بسیار از سرداران ہراول سید اعظم بارہہ و شیخ اچھے، بدرجۂ شہادت می رسند، سردار برانغار افتخار خان ہم در ستیز و آویز تقصیر

جہانگیر

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا، حوصلوں اور تمناؤں میں پلا اور ناز و نیاز کے ساتھ بڑھا، ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم و کمال کے گہوارہ میں پایا، جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو علم پرور باپ نے اس کے بسم اللہ کی تقریب انجام دی[1]، اور ملک الشعراء فیضی اور مولانا میر کلاں ہروی مخدوش کو اس کی تعلیم کے لیے مامور کیا، قطب الدین خان اتکہ، اور عبد الرحیم خانخانان اس کے اتالیق مقرر ہوئے، مولانا علی احمد نشانی بھی اس کے استادوں میں تھے، یہ ہیئت، طبیعیات، املاء و انشاء اور خطاطی میں اپنی نظیر آپ تھے[2]، جہانگیر نے چہل حدیث سید صدر جہاں سے پڑھی[3]، ایسے اساتذہ اور اتالیقوں کے فیض تعلیم کا جو خوشگوار نتیجہ ہونا چاہیے تھا وہ ہوا، وہ علم و سخن کے آسمان پر ماہتاب بن کر چمکا،

عبد الرحیم خانخانان سے اس نے ترکی زبان سیکھی، وہ خود لکھتا ہے کہ "باوجودیکہ میں نے ہندوستان میں پرورش پائی ہے، لیکن ترکی زبان کے بولنے اور لکھنے سے عاری نہیں ہوں،" تزک بابری کے آخر میں کچھ اجزا ترکی زبان میں لکھکر اضافہ کئے ہیں،

فارسی زبان کا وہ ایک بے مثل انشا پرداز تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا علمی شاہکار خود اس کی تزک ہے، جو سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے عدیل ہے، مولانا شبلی کی رائے میں اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف

---

[1] طبقات اکبری جلد دوم صفحہ ۴۰۶۔ [2] بدایونی جلد سوم صفحہ ۳۴۹۔ [3] مآثر الکرام جلد دوم صفحہ ۹۳۔

بر فیل می دوند، و شجاعت خان ہم خود را رسانیده، به علمدار نہیب می دہد، کہ بر خیز و اسپ دیگر بجہت علمدار حاضر ساختہ، او را سوار می سازد و علمدار علم را بر افراختہ بر جائے خود می ایستد در اثنائے ایں گیر و دار تفنگی بر پیشانی آں عثمان می رسد کہ زننده آں ہر چند تفحص کردند، ظاہر نشد بمجرد رسیدن، این تفنگ از اں گرمی باز آمدہ می داند کہ ازین زخم جان بری نیست، تا دو پہر ہم با وجود چنیں زخمی منکر مردم خود را بہ جنگ ترغیب می نمود، معرکہ قتال و جدال گرم بود بعد از آں غنیم رو گردانید، و افواج قاہرہ سر در پے آنہا می نہند، و زدہ زدہ آں مخذولان را در محلے کہ دائرہ کردہ بودند، در می آورند، آں مخذولان بہ تیر و تفنگ مردم را آنجا وا داشتہ می گذارند کہ مردم بادشاہی بجا و مقام آنہا در رانیدہ چوں ولی برادر عثمان و ممریز پسر او و دیگر خویشان و نزدیکان او برزخم عثمان مطلع می شوند بخاطر می گزرانند کہ ازین زخم خود او را خلاصی میسر نیست، اگر ما ہمچنیں شکستہ و ریختہ بر قلعہ خود رویم یکس زندہ نخواہد رسید، صلاح در نیست کہ امشب کہ درہمیں جا کہ دائرہ کردہ ایم باشیم و آخر شب فرصت جستہ، خود را بہ قلعہ خود رسانیم دو پہر از شب گذشتہ عثمان بجہنم واصل می گردد........[1]

وہ عیش و نشاط کی بزم کی تصویر بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ کھینچتا ہے، تخت نشینی کے بعد پہلے نوروز کے جشن کا مرقع اسطرح سج کر تیار کرتا ہے،

شب سہ شنبہ یازدہم ذیقعدہ سنہ ۱۰۱۴ ہزار و چہاردہ صبح کہ محل فیضان نور است حضرت نیر اعظم از برج حوت بخانہ شرف و خوش حالی خود کہ برج حمل باشد، انتقال فرمود چوں اول نوروز از جلوس ہمایوں بود، فرمودم کہ دیوانخانہ ہائے دولت خانہ خاص و عام بدستور زمان والد بزرگوارم در اقمشہ نفیسہ گرفتہ، آئینہ در غایت زیب و زینت بستند و از روز اول

---

[1] تزک جہانگیری صفحہ ۱۰۳-۴ نولکشور پریس.

نکرده جان خود را نثار می نماید، و جمعے که با او بودند، آنقدر تلاش می کنند که پاره پاره
می شوند، همچنان گروه جرانغار کشورخان داد مردی و مردانگی داده خود را فدائے کار صاحب
می سازد، با آنکه تیره بختان نیز بسیارے زخمی و کشته شده بودند، آن مدبر حساب لشکریان را
از روے دانستگی و فهمیدگی بخاطر می آورد و مشخص خود می سازد که سرداران هراول و برانغار و
جرانغار کشته شدند، همین قول مانده از کشته شدن و زخمی گشتن جمعیت خود پروا نکرده در همان
گرمی بر قول می تازد و درین جانب پسر و برادران و خویشان شجاعت خان و دیگر بنده ها
ماه بران گمراهان گرفته بر مثال شیران و پلنگان به پنجه و دندان تلاش می کردند، چنانچه
بعضے درجهٔ شهادت یافتند، و جمعی که زنده ماندند زخمهاے منکر داشتند، درین وقت فیل مست
گجپت، نام که فیل اول او بوده بر شجاعت خان می دواند، شجاعت خان دست بر برچه
برده بر فیل می زند، آن طور فیل مستی را از برچه چه پرواست، دست به شمشیر برده دو شمشیر پے
در پے می زند، از آن هم چه محابا، بعد از آن جمدهر کشیده و جمدهر می رساند، با آن هم بر نمی گردد
و شجاعت خان را با اسپ زیر می کند، بمجرد از اسپ جدا شدن، جهانگیرشاه گفته بر می جهد
و جلودار او شمشیر دو دستی بر دستهاے فیل رسانیده چون فیل به زانو در می آید، اتفاقاً جلودار
فیلبان را از بالاے فیل بزیر می کشد، و همان جمدهر که در دست داشت، درین پیادگی
به نوعے بر خرطوم و پیشانی فیل می زند، که فیل از الم آن فریاد زنان بر می گردد، چون زخمها بسیار
داشت بر فوج خود رسیده می افتد، و اسپ شجاعت خان سالم بر می خیزد و در حینے که سوار
می شد، آن مخذولان فیل بر علمدار او می دوانند و علم او را با اسپ زیر می کنند و از آنجا شجاعت
خان نعرهٔ مردانه بر کشیده علمدار را خبر می سازد و می گوید که مردانه باش من زنده ام و در پاے
علم درین وقت تنگ هر کس از بنده هاے درگاه حاضر بودند، دست به تیر و جمدهر و شمشیر برده

دل افروز بزمے شد آراستہ ۔ بخوبی بدانسان کہ دل خواستہ

فگندند در پیش ایں سبز کاخ ۔ بساطے چو میدان ہمت فراخ

زبس نکہت بزم می رفت دور ۔ فلک نافہ مشک بود از بخور

شدہ جلوہ گر نازنیان باغ ۔ رخ افروختہ ہر یکے چون چراغ[1]

وہ دقیق فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو اس سادگی، اختصار اور حسن وخوبی سے لکھتا ہے کہ دوسرے اہل قلم شاید صفحے کے صفحے سیاہ کرنے کے بعد بھی ویسی کامیابی حاصل نہیں کر سکتے، وہ ہندو پنڈتوں کو بتانا چاہتا ہے کہ حق تعالی کی ذات مقدس "جسم وچون وچگونگی سے منزہ" ہے، تو لکھتا ہے:-

روزے از پنڈتان کہ عبارت از دانایان ہنود ست پرسیدم کہ اگر فتہاے دین شما بر فرود آمدن ذات مقدس حق تعالی است در دہ پیکر مختلف بطریق حلول آن خود نزد دارباب عقل مردود است واین مفسدہ لازم دارد، کہ واجب تعالی کہ مجرد از جمیع تعینات ست صاحب طول وعرض وعمق بودہ باشد، و اگر مراد ظہور نور الہی است درین اجسام آن خود در ہمہ موجودات مساوی است، دباین دہ پیکر مختص نیست واگر مراد اثبات صفتے از صفات الہی ست، درین صورت ہم تخصیص درست نہ زیرا کہ در ہر دین و آئین صاحبان معجزات و کرامات ہستند کہ از دیگر مردمان زمان خود بدانش وفراست ممتاز بودہ اند، بعد از گفت وشنود بسیار ورد و بدل بے شمار بخدائی خداے منزہ از جسم وچون وچگون معترف گشتند وگفتند کہ چون اندیشہ ما در ادراک ذات مجرد ناقص است، بے وسیلہ صورت در معرفت او نمی بریم واین دہ پیکر را وسیلہ شناخت ومعرفت خود ساختہ ایم، بیں گفتم این

[1] تزک جہانگیری ط۱۱۱، نولکشور پریس،

نوروز تا نوزدہم، دو جا محل کہ روز شرف است خلائق داد عیش و کامرانی دادند، اہل سا
و نغمہ از ہر طائفہ و ہر جماعت جمع بودند۔ لولیان رقاص و دلبران ہند کہ بہ کرشمہ دل از
فرشتہ می ربودند، ہنگامۂ مجلس را گرم داشتند۔ فرمودم کہ ہر کس از کیفات و مغیرات، آنچہ
می خواستہ باشند، بخورد، منع و مانعی نباشد۔"

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما　　　مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما" [1]

تخت نشینی کے بارہویں سال شعبان کی چودہویں تاریخ کو نور جہاں نے ایک مجلس جشن ترتیب دی، اس کا حال جہانگیر اس طرح لکھتا ہے:۔

"آخرہائے روز پنجشنبہ بست و ششم موافق چہاردہم شہر شعبان کہ شب برات بود، در یکے از منازل و عمارات محل نور جہاں بیگم کہ در میان تالابہائے کلان واقع است، مجلس جشن نمودم، و امراو مقربان را دریں مجلس کہ ترتیب دادہ بیگم بود طلب داشتہ، حکم کردم کہ مردم پیالہ و اقسام کیفات بہ مقتضائے خواہش ہر کس بدہند۔ بسیارے پیالہ اختیار نمودند، فرمودم کہ ہر کس کہ پیالہ بخورد بہ مثل منصب و حالت خود نشیند، و اقسام کبابہا و میوہا بطریق گزک مقرر شد کہ در پیش ہر کس بنہند، عجب مجلسے منعقد گشت، در آغاز شام براطراف تال و عمارات فانوسہا و چراغہا روشن ساختہ، چراغانے بہم دست داد، کہ تا ایں رسم را معمول ساختہ اند، شاید در ہیچ جا مثل این چراغانے شدہ باشد، جمیع چراغہا و فانوسہا عکس در آب انداختہ بنوعے بہ نظر در می آمد، کہ گویا تمام صحن ایں تالاب یک میدان آتش است بسیار شگفتہ مجلسے گزشت و پیالہ خواراں زیادہ از حوصلہ طاقت پیالہا تناول نمودند"

[1] تزک جہانگیری، صفحہ ۲۰۰۔

به مرجان مرصع ساختہ اند، و بعد زمانے ہمیں جا ہا سفید می شود، و بہ طریق پنبہ بہ نظر در می آید،
بوقلموں آسا ہر زمان برنگے دیگر دیدہ می شود، و دو پارچہ گوشت کہ بر سر دارد، بتاج خروس
مشابہ است، غریب این است کہ در ہنگام مستی پارچہ گوشت مذکور بطریق خرطوم از بالاے
سر او، تا یک وجب می آویزد و باز کہ آنرا بالا می کند، چوں شاخ کرگدن بر سر او بمقدار دو
دانگشت نمایاں می گردد، اطراف چشم او ہمیشہ فیروزہ گوں ست۔"[1]

جہانگیر جب کسی جگہ کے کیف پرور اور خمار آگیں مناظر سے متاثر ہوتا تھا، تو اپنے کیفیات و
جذبات کو اسی انداز سے تحریر میں لاتا تھا، کشمیر کو دیکھا تو اپنے کیف و مستی کا اظہار اس طرح کرتا ہے:

کشمیر باغ است ہمیشہ بہار یا قلعہ ایست آہنیں حصار بادشاہاں را گلشنے است عشرت
افزا و درویشاں را خلوتکدہ دلکشا، چمنہاے خوش و آبشار ہاے دلکش از شرح و بیان افزوں
آبہاے رواں و چشمہ سار ہاے از حساب و شمار بیروں، چندانکہ نظر کار کند سبزہ است و آب
رواں، گل سرخ و بنفشہ و نرگس خودرو صحرا صحرا انواع گلہا و اقسام ریاحین ازاں بیشتر است
کہ بشمار در آید، در بہار جاں نگار کوہ و دشت از اقسام شگوفہ مالا مال، در و دیوار و صحن و بام
خانہا از مشعل لالہ بزم افروز و جلکہاے سطح و سہ برگہاے مبروج را چہ گوید۔

شدہ جلوہ گر نازنیناں باغ	رخ آراستہ ہر یکے چوں چراغ
شدہ مشک بو غنچہ در زیر پوست	چوں تعویذ مشکیں بہ بازوے دوست
غزل خوانی بلبل صبح خیز	تمناے مے خوارگاں کردہ تیز
بہر چشمہ منقار بط آب گیر	چو مقراض زریں بقطع حریر
بساط گل و سبزہ گلشن شدہ	چراغ گل از باد روشن شدہ

[1] تزک جہانگیری بحوالہ مقالات شبلی تنقیدی جلد چہارم ص ۴۲ - ۴۵۔

ایں پیکرہائے شمار را وسیلۂ مقصود بہ معبود توانند بود۔"[1]

وہ جب پھولوں کا ذکر کرنے لگتا ہے تو نباتات کے طالب العلم اپنی واقفیت میں نئی معلومات کا بیش قیمت اضافہ کر سکتے ہیں۔ آگرہ کے شاہی باغ گل افشاں کے پھولوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے:

اول گل چنپہ کہ گلی ست در نہایت خوشبوئے و لطافت بہیات گل زعفران لیکن رنگ چنپہ زرد مائل بسفیدی ست، درخت آن در غایت موزونی ست و کلان و پر برگ و شاخ و سایہ دار می شود، یام گل یک درخت باغے را معطر دارد، و از ان گذشتہ گل کیوڑہ است کہ ہیئت و اندام غیر مکرر است، بوئے او در تندی و تیزی بدرجہ ایست، کہ از بوئے مشک ہیچ کمی ندارد، دیگر رائے بیل کہ در بو از عالم یاسمین سفید است، غایتاً برگہایش دو سہ طبقہ بر روئے ہم واقع شدہ، دیگر گل مولسری است، کہ درخت آن نیز بسیار خوش اندام و موزون و سایہ دار است و بوئے گل آن در نہایت ملایمت دیگر گل سیوتی کہ از عالم گل کیوڑہ است، غایتاً کیوڑہ خاردار است، و سیوتی خار ندارد، رنگ آن بزردی مائل است و کیوڑہ سفید رنگ ست از یں گلہا و از گل چنبیلی کہ یاسمن سفید ولایت ست، روغنہا خوشبوئی سازند۔[2]

جانوروں کی تصویر جب وہ کھینچتا ہے، تو وہ اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے کہ علم الحیوانات کے ماہرین اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں، ۱۰۲۱ھ میں مقرب خان کھمبائت سے ایک عجیب و غریب جانور ساتھ لایا، اس کا بیان جہانگیر جس طرح کرتا ہے، وہ انشا پردازی، اور لطافت بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے، ملاحظہ ہو:

یکے از جانوران درجثہ از طاؤس مادہ کلاں تر و از نر فی الجملہ خورد تر کہ ہے کہ در مستی جلوہ نماید، غم خود را و دیگر پرہا را طاؤس آسا پریشان می سازد، و برقص درمی آید، سر و گردن و زیر حلقوم او ہر ساعت برنگے ظاہر می گردد، وقتیکہ در مستی ست سرخ سرخ است، گویا کہ تمام

[1] تزک جہانگیری ص ۱۰۵ [illegible] ایضاً ص [illegible]

تزک میں نور جہان کا جہان جہان ذکر آیا، مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام اس کی زبان سے لذت لے کر نکلتا ہے، تاہم عشق اس کا خمیر تھا، اور چونکہ فیضی کا شاگرد رشید تھا، اس لیے شعروشاعری کا نکتہ دان اس سے بڑھ کر کون ہو سکتا تھا۔" (شعرالعجم حصہ سوم ص۱۶۵)

وہ خود شاعر تھا، چنانچہ مندرجۂ ذیل اس کی ایک غزل ہے، جو سلاست اور رنگینی بیان کے لحاظ سے خوب ہے۔

من چون کنم کہ تیر غمت بر جگر رسد — تا چشم نارسیدہ دگر بر دگر رسد
مستانہ می خرامی و مست تو عالمی — اسپندی می کنم کہ مبادا نظر رسد
در وصل دوست مستم و در ہجر بیقرار — داد از چنین غمے کہ مرا سر بسر رسد
مدہوش گشتہ ام کہ بپویم رہ وصال — فریاد از آن زمان کہ مرا این خبر رسد
وقت نیاز و عجز جہانگیر ہر سحر — امید آنکہ شعلۂ نور و اثر رسد[۱]

مصنف مخزن الغرائب نے جہانگیر کے جو چند اشعار نقل کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

مانا کہ بہ برگ گل نوشتیم — شاید کہ صبا بآن رساند

رباعی

ہر کس بضمیر خود صفا خواہد داد — آئینۂ خویش را جلا خواہد داد
ہر چہ کہ شکستہ بود دستش گیر — بشنو کہ ہمیں کار صدا خواہد داد

رباعی

اے آنکہ غم زمانہ پاکت خوردہ — اندوہ دل و سوسہ ناگہت خوردہ
مانند قطرہائے باران بزمین — جاگرم نکردہ کہ خاکت خوردہ[۲]

---

[۱] تزک جہانگیری ص۳۰۱، [۲] مخزن الغرائب قلمی نسخہ لوکل دار المصنفین، ورق ۸۵

بنفشہ سرِ زلف را خم زدہ   گرہ در دلِ غنچہ محکم زدہ[1]

جب وہ سوگوار اور مغموم ہوتا ہے، تو بڑے دردناک پیرایہ میں اپنے غم کا اظہار کرتا ہے۔ خسرو کی ماں اس کی باغیانہ اور ناشایستہ حرکتوں سے عاجز آکر افیون کھا لیتی ہے، اس کی موت پر جہانگیر جس طرح ماتم کرتا ہے وہ ملاحظہ ہو:-

"از خوبی ہا و نیکذاتی ہاے او چہ می نویسم عقلے بہ کمال داشت، و اخلاص او بمن در درجہ بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موے من می کرد، مکرر بہ خسرو مقدمات نوشت و اورا دلالت بر اخلاص و محبت من می کرد، چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد .... از غیرتے کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی است، خاطر بر مرگ خود قرار دادہ .... روز بست و ششم ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ افیون بسیار در عین سوزش دماغ خوردہ در اندک زمانے در گذشت .... از فوت او بنا بر تعلقے کہ داشتم ایامے برمن گذشت کہ از حیات و زندگانی خود ہیچ گونہ لذتے نداشتم چہار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشد از غایت کلفت و اندوہ، ہیچ از ماکول و مشروب دارد طبیعت نہ گشت، چون این قصہ بہ والد بزرگوارم رسید دلاسا نامہ   مرحمت بدین مرید فدوی صادر گشت و خلعت و دستار مبارک کہ از سر برداشتہ بودند، ہمایون طور بستہ بجہت من فرستادند، این عنایت آبے بر آتش سوز و گداز من زدہ اضطراب و اضطرار مرا فی الجملہ قرارے و آرامی بخشید۔"[2]

جہانگیر کی یہ قادر الکلامی صرف نثر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ نکتہ سنج و ادیب ہونے کے ساتھ وہ شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق رکھتا تھا، بقول مولانا شبلی "سلسلۂ تیموریہ میں یوں تو ہر فرد سخن فہم و سخن شناس گذرا ہے، لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد رکھتا تھا، وہ فطرۃً محبت کیش تھا، اور ازل سے درد و دل لے کر آیا تھا۔ اس کا اثر اگرچہ اس نے آئین و نظام سلطنت میں چنداں نمایاں نمونے دیا، لیکن

---

[1] تزک جہانگیری ص ۳۰۳ ، [2] ایضاً ص ۲۶

دایم اگرچہ شغلِ شاہی در پیش   ہر لحظہ کنیم یاد درویشان پیش
گر شاد شود زما دلِ یک درویش   آنرا شمریم حاصلِ شاہی خویش

جہانگیر نے خوش ہوکر حکیم مذکور کو ایک ہزار مہر انعام میں دیا[1]۔

سنہ جلوس شاہی میں جہانگیر موضع سمونگر شکار کے لیے گیا، اسی شکارگاہ میں ایک رات اس نے یہ شعر کہا:-

بود بر آسمان تا مہر را نور   مبادا عکس او از چتر شہ دور

اور قصہ خوانوں کو تاکید کی کہ سلام وصلوٰۃ بھیجتے وقت یہ شعر بھی پڑھا جائے[2]۔

ایک شکارگاہ میں جہانگیر کے شیر نے ایک کالے ہرن کا شکار کیا وہ گرا تو غایت خوشی میں جہانگیر چلا اٹھا،

چیتہ پادشاہ زد کالہ

طالب آملی بھی ساتھ تھا، اس نے برجستہ کہا

گشت صحرا ز خون پر از لالہ

جہانگیر نے مسرور ہوکر پانچ ہزار روپے انعام طالب کو دیے، (تذکرہ سرخوش قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)،

ایک بار جہانگیر نے پانی پینے کو مانگا چینی کے کوزہ میں پانی لایا گیا، کوزہ بہت ہی نازک پانی لانے والے کے ہاتھ میں جنبش ہوئی تو کوزہ ٹوٹ گیا، جہانگیر نے اپنے ہمزلف نواب قاسم خان یعنی نورجہان کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کے شوہر کی طرف دیکھکر فوراً کہا

کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد

قاسم خاں نے بھی فی البدیہہ عرض کیا،

---

[1] تزک جہانگیری ص۱۰۰ [2] ایضاً ص۱۰۱

وہ اکثر اساتذہ کے مقابلہ میں شعر کہتا، ایک بار امیر الامرا کا یہ شعر اس کے سامنے پڑھا گیا،

بگذر مسیح از سر ما کشتگانِ عشق   یک زندہ کردن تو بصد خوں برابر است

جہانگیر نے فوراً یہ شعر موزون کیا،

از من متاب رخ کہ نیم بے تو یک نفس   یک دل شکستن تو بصد خون برابر است

مولانا علی احمد نشانی نے بھی اس پر ایک شعر کہا، جو جہانگیر کو بہت پسند آیا

اے محتسب زگریۂ پیر مغان بترس   یک خم شکستن تو بصد خون برابر است[1]

ایک دفعہ عبد الرحیم خان خانان نے مولانا جامی کی ایک غزل پر غزل لکھی جس کا ایک مصرع یہ ہے

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید

جہانگیر کو یہ مصرع پسند آیا اس نے فی البدیہہ یہ مطلع کہا،

ساغرے بر رخ گلزار می باید کشید   ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید[2]

ماوراء النہر کے درویش صفت بزرگ خواجہ ہاشم سے جہانگیر خاص عقیدت رکھتا تھا، ایک بار خواجہ مذکور کے یہاں اس نے ایک ہزار مہر جہانگیری اور اسی کے ساتھ اپنی کہی ہوئی مندرجۂ ذیل رباعی بھیجی،

اے آنکہ مرا مہر تو بیش از بیش است   از دولت یاد بودت اے درویش است

چند انکہ زمہر دوات دلم شاد شود   شادیم زانکہ لطفت از حد بیش است

اسی کے ساتھ جہانگیر نے دربار میں فرمایش کی کہ اسی مضمون کی اور رباعیاں لکھ کر طبع آزمائی کیجائے حکیم مسیح الزمان[3] نے ایک رباعی کہی، جو جہانگیر کو بہت پسند آئی، وہ رباعی یہ تھی:-

---

[1] تزک جہانگیری صلا [2] اقبال نامۂ جہانگیر و تزک جہانگیری ص۲۳۵ [3] نام ضیاء الدین کاشان سے ہندوستان آیا، علم طب کا ماہر تھا، اس لیے جہانگیر نے مسیح الزمان کا خطاب دیا، شاعر بھی تھا، تذکرۂ نصر آبادی میں اسکے بہت سے اشعار منقول ہیں،

چاہتا تھا، چنانچہ سو تولے، پچاس تولے، بیس تولے، اور دس تولے کی مہروں پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی

بخط نور بر زر کلکِ تقدیر رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر

او مصرعوں کے درمیان کی جگہ چھوڑ کر کلمہ اور دوسری طرف یہ بیت جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے، منقش تھی،

شد چو خورزین سکہ نورانی جہاں آفتاب مملکت تاریخ آن

ایک دوسرے سکہ پر یہ شعر تھا،

روے زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

جب نور جہاں کا اقتدار ہوا تو سکہ پر یہ شعر ثبت کیا۔

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہان بادشاہ بیگم زر

جہانگیر کی سخن فہم اور ذوق شناس طبیعت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی تھی، کہ اس کے سامنے شاعری میں کسی قسم کی بدمذاقی کی جائے، ایک دفعہ ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں قصیدہ لکھکر پیش کیا، مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا،

اے تاجِ دولت بر سرت از ابتدا تا انتہا

جہانگیر نے کہا عروض بھی جانتے ہو؟ شاعر نے کہا حضور نہیں، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا، ورنہ تمھارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کر کے بتایا، کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے "لت بر سرت" اور یہ سخت بے ادبی ہے،

مولانا شبلی تذکرۂ سرخوش سے شعر العجم حصہ سوم میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں کہ اس زمانہ میں مئی تخلص کا ایک شاعر تھا، جو قوم کا کلال تھا، کلالوں کی قوم شاہی درباروں میں دربانی اور چاؤشی کے لیے مخصوص تھی، مئی نے نور جہاں بیگم کے توسل سے جہانگیر کے دربار میں شاعری

دید حالم را دچشمش غبط اشک خود نکرد   کاسہ نازک بود و آب آرام نتوانست کرد[۱]

۱۲؁ جلوس میں سید عبد اللہ خان بارہہ شاہزادہ خرم کی یہ عرضداشت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ عادل خان، عنبر اور دکن کے تمام سرکشوں نے اطاعت اختیار کر لی ہے، جہانگیر یہ مژدہ سنکر نہایت خوش ہوا، اور شادیانے کے نقارے بجوائے، سید عبد اللہ خان کو سیف خان کا خطاب دیا، شہزادہ خرم کے لیے ایک لعل بے بہا بھجوایا، اور عادل خان کے نام فرمان جاری کیا، جس میں اپنا یہ شعر لکھ بھیجا،

شدی از التماس شاہ خرم   بفرزندی ما مشہور عالم[۲]

اس کے دوسرے سال عادل خان نے جہانگیر کی ایک تصویر کی درخواست کی، جہانگیر نے ایک لعل گراں بہا و لعل خاصہ کے ساتھ اس کو اپنی تصویر عنایت کی، اور اس پر یہ رباعی دست خاص سے لکھ دی،

اے سوے تو دائم نظر رحمت ما   آسودہ نشین بسایۂ دولت ما

سوے تو شبیہ خویش کردیم روان   تا معنی ما بہ بینی از صورت ما[۳]

۱۴؁ جلوس میں جہانگیر کلانور میں مقیم تھا کہ خان عالم جو شاہ عباس کے پاس ایران قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا، واپس آیا، جہانگیر اس کے ساتھ بہت ہی لطف و عنایت کے ساتھ پیش آتا تھا، جب اس کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی تو اس نے اسے مندرجۂ ذیل مطلع لکھ کر خط جہانگیری کے ساتھ بھیجا،

بسویت فرستادہ ام بیت خویش   کہ آرام ترا زود تر سوے خویش[۴]

جہانگیر کے شاعرانہ ذوق کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ اپنے سکوں پر بھی اس کا اظہار

---

[۱] مراۃ الخیال ص۱۳۰، [۲] تزک جہانگیری ص۱۹۰ [۳] ایضاً ص۲۲۲، [۴] ایضاً ص۲۸۴

درین وقت رباعی دیگرہم ازین عالم شنیدہ شد، چون بسیار خوب گفتہ آن را نیز نوشتم۔"

رباعی

افسوس کہ اہل خرد و ہوش شدند　　از خاطر ہمدمان فراموش شدند

آنانکہ بصد زبان سخن می گفتند　　آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند[۱]

ایک بار سلطان قوام کے بیٹے حسینی کی ایک رباعی اس کے سامنے پڑھی گئی جو اس کو پسند آگئی ہو اس نے تزک میں اس کو نقل کیا ہے،

گردے کہ تراز طرف دامان ریزد　　آب از رخ سرمۂ سلیمان ریزد

گر خاک درت با ستخان بفشارند　　از وے عرقِ جبین شاہان ریزد

اس رباعی کو نقل کرکے وہ لکھتا ہے:-

"معتمد خان درین وقت رباعی خواند، مرا بغایت خوش آمد، در بیاض خود نوشتم۔"

رُباعی

زہرم بفراق خود چشانی کہ چہ شد　　خون ریزی و آستین فشانی کہ چہ شد

اے غافل ازانکہ تیغ ہجر تو چہ کرد　　خاکم بفشار تا بدانی کہ چہ شد[۲]

یہ رباعی بابا طالب اصفہانی کی تھی۔

سلطان سنجر کے ملک الشعراء معزی کا ایک قصیدہ جو اس نے سلطان کی مدح میں لکھا تھا، اس کے سامنے پڑھا گیا، جس کا مطلع یہ ہے،

اے آسمان مسخر حکم روانِ تو　　کیوانِ پیر بندۂ بختِ جوانِ تو

اس مطلع کو سنکر وہ بہت محظوظ ہوا اور اس قصیدہ کی تعریف تزک میں کرتا ہے، کہ

---

[۱] تزک جہانگیری ص۲۸۱، نولکشور پریس۔ [۲] ایضاً ص۲۸۹۔

کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن نورجہاں کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، مسیٰ نے یہ شعر پڑھا۔

مسیٰ بگریہ مہر و وادے نصیحت گر کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشہ کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نورجہاں بیگم نے تقریب کی، مسیٰ نے مطلع پڑھا:

من می روم و برق زنان شعلهٔ آہم اے ہم نفسان دور شوید از سر راہم

جہانگیر نے ہنس کر کہا وہ اثر کہاں جا سکتا ہے۔[۱]

یہاں پر بے موقع نہ ہوگا کہ اگر ہم ان اشعار کا ذکر کریں جن کو جہانگیر نے خاص طور پر پسند کیا، اور ان پر اپنی رائے ظاہر کی، تاکہ ناظرین کو اس کا صحیح مذاق معلوم ہو، مولانا شبلی لکھتے ہیں، کہ جہانگیر کا ذوق شاعری اس قدر صحیح تھا، جس قدر ایک بڑے نقاد فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی نسبت اس نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھ کر اس کے متعلق لکھا نہیں جا سکتا،

سنہ ۱۲ جلوس میں مانڈو (فتح پور) کے ایک تال کے قریب فروکش ہوا تو وہاں ایک ستون پر ایک رباعی لکھی ہوئی دیکھی، اس کے بارے میں لکھتا ہے:

در میان تال نشیمنے از سنگ واقع است بر یکے از ستون ہا رباعی شخصے ثبت نمودہ بود بنظر در آمد و مرا از جا در آورد، الحق از شعرہائے خوب است"، رباعی

یاران موافق ہمہ از دست شدند در دست اجل یگان یگان پست شدند
بودند تنک شراب در مجلس عمر یک لحظہ زما پیشترک مست شدند

اس کے بعد فوراً ہی لکھتا ہے:

---

[۱] تذکرہ سرخوش و ذکر مسیٰ، و شعر العجم حصہ سوم صفحہ ۔

زانکہ چون او نہفتہ افسر زر — بنمودی کلاہ گوشہ پسر

شکر کز بعد آن چنان پدرے — جانشین گشت این چنین پسرے

کز شنقار گشتن آن شاہ — کس بماتم نکرد جامہ سیاہ[1]

جہانگیر کو طالب آملی کے مندرجہ ذیل اشعار بہت مرغوب تھے،

ز غارت چمنت بر بہار منتہا است — کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند

لب از گفتن چنان بستم کہ گوئے — دہان بر چہرہ زخمی بود و بہ شد

عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است ولے تما — این ثمرے است کہ ہم پختہ ہم خام خوش است

گر من بجائے جوہر آئینہ بودمے — رو نما تر از تو کے می نمودمے

دو لب دارم یکے در می پرستے — یکے در عذر خواہی ہائے مستے

جہانگیر کے اس انتخاب پر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ "خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہیں کر سکتا تھا،"[2]

ایران سے **ملا محمد صوفی** مازندرانی ہندوستان آئے تو اپنے زہد، تقوی اور صوفیانہ ذوق کے ساتھ ساتھ شعر گوئی کے لیے بھی مشہور ہوئے، بتخانہ کے نام سے ایک بیاض ترتیب دی تھی جس میں ساٹھ ہزار اشعار تھے، ان کا ساقی نامہ بہت ذوق شوق سے پڑھا جاتا ہے جس کا ایک شعر یہ ہے:-

نمی ماند این بادہ اصلا بآب — تو گوئی کہ حل کردہ اند آفتاب

جہانگیر کو بھی ان سے ملنے کا شوق ہوا، وہ احمد آباد میں سکونت پذیر ہو گئے تھے، شاہی حکم کے بموجب سیف خان صوبہ دار گجرات نے جو خود بھی ملا صوفی کا معتقد تھا، ان کو دار السلطنت

۱؎ تزک جہانگیری ص۹۶ ۲؎ شعر العجم حصہ سوم ص۵ ۳؎ تزک جہانگیری ص ۲۰۹

"بنہایت سلیس و ہموار گفتہ":

سعیدائے زرگر باشی نے اس قصیدہ کے تتبع میں ایک قصیدہ کہکر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جسکو اس نے پسند کیا، اس کی تعریف کرتے ہوئے مندرجہ ذیل اشعار تزک میں نقل کئے ہیں[1]:-

اے زفلک نمونہ از آستانِ تو | دوران پیر گشتہ جوان در زمان تو

بخشندہ دل تو فیض دہ تجوید بیب جوہر | جانہا ہمہ فدائے دل مہربانِ تو

از باغ قدرت است فلک یک ترنج سبز | انداختہ بروے ہوا باغبان تو

یارب چہ گوہری تو کز فرخت دراہل | جانہائے قدسیان ہمہ از نور جان تو

بادا جہان بکام تو اے بادشاہ عہد | در سایۂ تو خرم شاہ جہان تو

اے سایۂ خدا از تو پر نور شد جہان | بادا ہمیشہ نور خدا سائبان تو

ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی جس کا ماحصل یہ تھا، کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا، تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا، تو اس کا بیٹا اس کے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپکے والد کو خدا نے ایسا بیٹا دیا، کہ لوگوں نے ان کے انتقال کا غم نہ کیا، آفتاب کو رشک ہے کہ آپ کے طالع کی روشنی اور عدالت کے دور سلطنت میں کہیں رات نہیں، جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سنکر بہت محظوظ ہوا، اور ایک ہاتھی انعام میں دیا، وہ لکھتا ہے:-

"ایں تازگی مضمون از شعرائے ہند کم گوش رسیدہ، بہ جلدوی ایں مدح فیلے بادرحمت گردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا، جو حسب ذیل ہیں:-

گر پسر داشتی جہان افروز | شب نگشتی ہمیشہ بودی روز

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۲، نولکشور پریس

جہانگیر کہا کرتا تھا کہ اعتماد الدولہ کی صحبت ہزار مفرح یاقوتی سے بہتر ہوتی ہے، اعتماد الدولہ کے عالم نزع میں جہانگیر نور جہان کے ساتھ اس کے بستر مرگ کے پاس پہنچا تو نور جہان نے باپ سے جہانگیر کی طرف اشارہ کر کے پوچھا کہ آپ ان کو پہچانتے ہیں اعتماد الدولہ نے اسی حالت میں انوری کا یہ شعر پڑھا:

آنکہ نابیناء مادر زاد اگر حاضر شود   در جبین عالم آرایش بہ بیند مہتری

جہانگیر کا ہم زلف یعنی نور جہان کی سگی بہن منیجہ بیگم کا شوہر نواب قاسم خان بھی شاعر تھا، اس کا ذکر نور جہان کے سلسلہ میں بھی آئے گا، اسکی ایک غزل ہے،

می پرستم مژہ چشم جائے آب آید برون   گر بگرید بلبل از چشمش گلاب آید برون

یک رہ اندر چشم من آید خیال او بخواب   کے ز ذوق آن دگر از چشم خواب آید برون

بسکہ میل ہمزبانی با تو دارد ہر کسے   گر ز نقل آئینہ پرسی جواب آید برون

ز اشتیاق ہم نشینی ہائے گوشش در گرد   بعد ازین ہمچون صدف از حباب آید برون

بسکہ قاسم پرشد از مہر علی موسی رضا   سینہ اش گر بر شگافی آفتاب آید برون

(مرآۃ خیال صـ ۱۳)

جہانگیر کا ندیم خاص محمد شریف تھا، جس کو اس نے معتمد خان کا خطاب دیا تھا، چنانچہ وہ خود کہتا ہے، (مآثر الامراء جلد سوم صـ ۴۳۱)

بدور شاہ جہانگیر خانی ارزان شد   شریفہ یا نزی ما رفت و معتمد خان شد

جہانگیر کی تزک لکھنے میں بھی معاون رہا، تزک میں سترہویں جلوس کا کچھ حصہ، اٹھارہویں اور پھر انیسویں جلوس کا کچھ حصہ اسی کا نوشتہ ہے،

جہانگیر کے ایک دوسرے ندیم مرزا محمد ہادی نے تزک کا تکملہ لکھا، اور شروع میں دیباچہ بھی تحریر کیا، معتمد خان نے اقبال نامۂ جہانگیری کے نام سے تیموریوں کی تاریخ تین جلدوں میں لکھی

روانہ کیا، مگر راستہ ہی میں مالکِ حقیقی سے جا ملے، وفات کے وقت یہ رباعی کہی:

اے شاہ ز تخت و نگین می ماند ۔۔۔ از بہر تو یک دو گز زمین می ماند
صندوق خود و کاسۂ درویشان را ۔۔۔ خالی کن و پر کن کہ ہمین می ماند

جہانگیر نے یہ رباعی سنی تو اس پر رقت طاری ہو گئی (مآثر الامراء جلد سوم ص۲۵۴)

جہانگیر کی خلوت و جلوت میں ساتھ رہنے والے بھی اس کے علمی ذوق سے متاثر ہوئے، ہم اس کے شہزادوں اور نورجہاں بیگم کی علم پروری کا ذکر آئندہ صفحات میں کریں گے، اس کے خسر یعنی نورجہاں کے باپ **اعتماد الدولہ** کو بھی ادب و انشاء سے ذوق تھا، مآثر الامراء جلد اول (ص۱۲۳) میں ہے:

"اعتماد الدولہ اگرچہ شعر نمی گفت اما تتبع شعر متقدمین بسیار کردہ، در انشا ید طولیٰ داشت و شکستہ را متین و آبداری نوشت، و خوش محاورہ رنگین صحبت شگفتہ او بود، و بانوسندگی و معاملہ فہمی نیک اندیش کار رو ابود"

اس کے یہاں بھی شعر و شاعری کی مجلس گرم ہوا کرتی تھی، شعراء اس کے دربار میں قصیدے کہتے، اور انعام پاتے، حکیم عارف ایگی نے جس کا ذکر آگے آئے گا، اس کی شان میں حسب ذیل قصیدہ دلآویز انداز میں کہا تھا:

عارف بساز بند کہ زان زلف مار پیچ ۔۔۔ تا بر تو نگذرد ہمہ ہر روزگار ہیچ
نیسان نو بہار جوانی بیست می ۔۔۔ یعنی بموج بادہ بگیر از خمار پیچ
در حلقہ پیچ دارد زلف تو ہمچنانکہ ۔۔۔ ہنگام خشم در گرہ چشم مار پیچ
آن اعتماد دولت کز راست بینی اش ۔۔۔ از موج خشم جدا نشود از جویبار پیچ
تا در زمانہ ہیچ نماند بعہد تو ۔۔۔ زان موج آبگیر کشند بر کنار پیچ

در عہد تو مارا ہمہ با خیر خطاب است — سر پنجۂ مژگان و گریبان عتاب است

گریہ ام گر سبب خندۂ او شد چہ عجب — ابر ہر چند کہ گرید رخ گلشن خندد

کجاست یک دو سہ ہمدم کہ ہمچو موسیقار — نشستہ پہلوی ہم بر کشیم آوازے

مولانا مرشد بروجردی نے اس کی شان میں بہت سے قصیدے کہے ہیں، ایک قصیدہ کے صلہ میں، اس نے مولانا کو مرشد خان کا خطاب دیا، طالب آملی کا بھی ممدوح رہا، طالب کی مداحی تو عاشقی کی حد تک پہنچ گئی تھی،

جہانگیر کے ایک دوسرے جلیل القدر امیر سپہ سالار مہابت خان نے بھی اپنے یہاں علمی مجالس سجائیں، شیخ حکیم رکنا کاشی متخلص بہ مسیح، حاجی اسد بیگ قزوینی، مولانا حیدر خصالی اور مولانا مرشد بروجردی اس کی فیاضیوں سے مستفید ہوئے[1]، وہ خود بھی شاعر تھا، سوسنی تخلص کرتا تھا، اس کا حسب ذیل شعر ندرت خیال کے لحاظ سے خوب ہے،

ننگ دلم بود کہ بہشت آرزو کند — دوزخ نصیب من بود، آرزو مباد[2]

آصف خان مرزا قوام الدین جعفر بیگ بھی دربار کا ایک ممتاز اہل علم تھا، اکبر کے بائیسویں سال جلوس میں عراق سے ہندوستان آیا، اور اپنے چچا مرزا غیاث الدین علی آصف خان بخشی کی وساطت سے شاہی دربار میں روشناس ہوا، رفتہ رفتہ ترقی کر کے جہانگیر کے عہد میں پنجہزاری منصب اور عہدۂ وکالت پر مامور ہوا، اس نے بہت سے حربی کارنامے بھی انجام دیے، اس کے ذاتی اوصاف اور علمی ذوق کے بارے میں مآثر الامراء کا مؤلف لکھتا ہے:

یکتائے روزگار تھا، ہر فن میں یگانہ اور ہر ہنر میں کامل، اس کے فہم کی تیزی

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو میخانہ مؤلفہ ملا عبد النبی ص ۲۲۵، ۲۳۴، ۵۴۰، ۵۵۰، ۵۵۵، مآثر الکرام حصہ دوم صفحہ ۹، مآثر الامراء جلد سوم ص ۳۴۵، ۳۹۹، شعر العجم حصہ سوم ص ۱۰، مخزن الغرائب ذکر حیدر خصالی [2] مآثر الامراء جلد ۳ ص ۴۰۹

پہلی جلد میں تیمور سے ہمایون تک کے حالات تھے، دوسری اکبری عہد کے واقعات پر مشتمل تھی، تیسری میں جہانگیر کے دور کی سیاسی تاریخ ہے، پہلی دو جلدیں مفقود ہیں، لیکن تیسری جلد بنگال ایشیاٹک سوسائٹی سے شائع ہو گئی ہے،

جہانگیر کے امرا میں بہت ہی قابل، بڑا علم دوست، دریا دل اور مشہور شعرا کا ہم پلہ **مرزا غازی خان** تھا، جو مرزا جانی بیگ حلیمی کا لڑکا تھا، اس کو فرزند کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب عطا کر کے قندھار کا حاکم بنایا تھا، اور ٹھٹھ اور ملتان جاگیر میں دیے تھے، اس کے یہاں ارباب کمال کا اجتماع رہتا تھا، ملا مرشد بروجردی، ملا اسد قصہ خوان، طالب آملی اور میر نعمت اللہ وصلی نے اسی کے یہاں تربیت پائی، میخانہ میں ہے:

جوان خوشخوئی خوش روی کریمی بودہ، واکثر پاس خاطر ارباب معنی می داشتہ وباآن جماعت بے تکلفانہ سلوک می کردہ، مروتش بمرتبہ خوب وسخاوتش بجدی مطلوب بودہ،

مولانا شبلی کہتے ہیں کہ ایران سے جو اہل کمال ہندوستان کا رخ کرتے تھے، ان کی پہلی منزل اسی کا آستانہ ہوتا تھا، چنانچہ مآثر الامرا میں ہے کہ فغفوری گیلانی قندھار پہنچا تو غازی خان اس کے ساتھ بہت ہی لطف و کرم سے پیش آیا، مگر فغفوری کو بعض باتیں ناگوار ہوئیں، اس لیے لاہور کی طرف اٹھ کھڑا ہوا، غازی خان نے معذرت لکھ بھیجی، لیکن فغفوری نے قبول نہیں کیا، غازی خان خود بھی بہت ہی بلند پایہ شاعر تھا، قندھار میں ایک شاعر وقاری تخلص رکھتا تھا، غازی خان نے اس تخلص کو ہزار روپے اور خلعت اور ایک گھوڑا دیکر خرید لیا، عالم شباب یعنی پچیس سال کی عمر میں اس کی وفات ہوئی، پھر بھی پانچ ہزار اشعار کا ایک دیوان چھوڑا، میخانہ میں اس کا ایک طویل ساقی نامہ منقول ہے، اسی سے مولانا شبلی نے اس کی بعض غزلوں کے حسب ذیل اشعار منتخب کیے ہیں:

رساند نامۂ اقبال دوش مرغ شرف   کہ صیت شہرتش از اوج لامکان آمد

نوشتہ کاتب قدرت عبارتی کان را   امید ترجمۂ شوق ترجمان آمد

ملا بدایونی نے اس کمسن بچے کی شعرگوئی پر بڑی حیرت کا اظہار کیا ہے[1]

میر حیدر رفیعی معمائی کا لڑکا محمد ہاشم سنجر اکبری دور کا ایک ممتاز شاعر تھا، اس کے بارہ میں میخانہ کا مؤلف رقمطراز ہے:

بعد از عرفی در استعارہ کردن کسے با از مرتکب این شیوہ نشدہ[2]

سنجر نے بھی شہزادہ سلیم کے دربار میں باریابی حاصل کر کے اس کی ثنا خوانی کی، اس کے ایک قصیدہ کے چند اشعار یہ ہیں:

ہمیشہ لطف تو بر دشمنان شود مصروف   مدام جور تو بر دوستان بود جاری

زمانہ چند دل اندرون از تو آموزد   یکے ز شاہ بیاموز رسم دلداری

منت حلال کنم لیک بر نمی تابد   زمان شاہ سلیم این ہمہ ستمگاری[3]

عرفی جب ہندوستان پہنچا تو شہزادہ سلیم نے بھی اس کے کلام کی شان و شوکت، استعارات کی طرفگی، بندش کی چستی، مضامین کی نازک خیالی، خیالات کی رفعت اور فقروں کے دروبست کی بڑی شہرت سنی، چنانچہ اس نے عرفی کو اپنے دربار میں بلا کر قصیدہ کہنے کی فرمائش کی۔ عرفی کی خودستائی اور خودبینی مشہور تھی، مگر اس دعوت پر اپنی خوش قسمتی کا اظہار کرتا ہے، چنانچہ جس وقت یہ پیام لیکر اس کے یہاں قاصد پہنچتا ہے، تو وہ گوہر افشانی کرتا ہے:

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم   گدا کلاہ نمد کج نہاد و شہ دیہیم

جہان چنین خوش و من خوشتر از جہان و ثاقی   نشستہ با خرد خود تعلم و تعلیم

[1] بدایونی جلد سوم ص ۲۷۶۔ [2] میخانہ ص ۲۲۹۔ [3] خزانۂ عامرہ، قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

اور فطرت کی بلندی کی بڑی شہرت تھی، وہ خود کہا کرتا کہ جس چیز کو میں نو ر آزماؤں وہ بے معنی ہے، ایک نگاہ سے تمام سطروں کو پڑھ لیتا تھا، اس کو ملکی و مالی معاملات میں بھی غیر معمولی مہارت تھی، اس کا ظاہر اور باطن آراستہ تھا، شعر و انشا میں کمال اور پختگی حاصل تھی (ج ۱ ص ۱۱۲)

جعفری تخلص کرتا تھا، اور اپنی سخن وری کی شہ زوری میں نظامی گنجوی کے تتبع میں ایک مثنوی خسرو شیریں لکھی، جس کے بارہ میں مرزا محمد طاہر نصر آبادی اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہے:

"بعد از شیخ نظامی خسرو شیریں را کسے باز و نگفتہ" (ص ۵۳)

مآثر الامرا، جلد اول (ص ۱۱۲) میں بھی ہے:

"باعتقاد جمعے بعد از شیخ نظامی گنجوی مثنوی خسرو شیریں بہ از و کسے نگفتہ"

اس مثنوی کے بہت سے اقتباسات تذکرہ نصر آبادی میں منقول ہیں۔

امرائے جہانگیری میں عبدالرحیم خانخاناں کی شعر و سخن کی شمع سب سے زیادہ روشن رہی، پہلے کہا جا چکا ہے کہ اس کا دربار شعراء کا ایک دار الحکمت تھا، جہانگیری دور میں اس نے بیس سال تک اس روایت کو قائم رکھا۔

شعراء کی سرپرستی | جہانگیر کی شہزادگی کے زمانہ ہی سے شعراء اس کے یہاں ملازم تھے، اس کی مجلس شعر و شاعری سے ہمیشہ گرم رہتی تھی، ایک بہت ہی کمسن شاعر جس کی عمر تیرہ سال سے زیادہ نہ تھی، شہزادہ سلیم کے دربار میں اپنی سخن گستری کی داد لیتا تھا، شہزادہ سلیم ہی نے اس کا تخلص طفلی رکھا تھا، شہزادہ کی شان میں اس نے کئی قصائد کہے، ایک مدح کے کچھ اشعار یہ ہیں:

ایا شہے کہ جہان را تو ہم زمان خلل	بدور معدلتت فتنہ پاسبان آمد
امید لطف تو ہست آنچنانکہ عاصی را	گناہ از آتش دوزخ نگاہبان آمد
تو ئی کہ مرکب عزم ترا بروز وغا	ظفر علم کش و اقبال ہم عنان آمد

بلش چو نوبت خویش از نگاه باز گرفت　　فتاد سامعہ در موج کوثر و تسنیم

شہزادے نے بلیغ پیرایہ میں عرفی کی تعریف کی اور پھر قصیدہ کی فرمایش کی،

نجندہ گفت کہ در عذر این گناہ بزرگ　　کہ رفتہ نام تو بے حکم با سبقت اقلیم

ہمیں کہ رفتی ازین آستان نوشتہ بیار　　گزیدہ نسخہ از زادہائے طبع سلیم

عرفی نے شہزادہ سلیم کی شان میں اور بھی قصیدے لکھے، دو کے مطلعے یہ ہیں،

دگر سفیر طبیعت بساز آگاہی　　بعالم ملکوت است محملش راہی

نو بہار آمد کہ افشاند چو حسن یار گل　　چون وصال عام ریزد ہر خس و ہر خار گل

عرفی کو عالم شباب ہی میں حاسدوں نے زہر دیدیا، اس لیے جہانگیر کی بادشاہت کے زمانے میں اس کی سرپرستی سے مستفید نہ ہو سکا، اس کے دیوان میں ۲۶ قصیدے، ۲۷۰ غزلیں، اور ان کے علاوہ بہت قطعات اور رباعیاں تخمین جنہیں ۷۰۰ شعر تھے، مخزن اسرار شیرین خسرو کے جواب میں دو مثنویاں بھی لکھیں، ایک رسالہ نفسیہ کے نام سے فن تصوف میں تحریر کیا،

جہانگیر تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو شاہی دربار باکمال شعراء سے بھرا ہوا تھا، جہانگیر نے جوہر شناسی سے کام لے کر طالب آملی کو ملک الشعراء کے عہدہ پر فائز کیا، طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، سولہ برس کی عمر میں اس نے ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف اور خوشنویسی میں کمال حاصل کر لیا تھا، تیموری حکمرانوں کی فیاضیوں کا شہرہ سنکر ہندوستان آیا، قندھار میں غازی خاں کے یہاں ایک قصیدہ لکھکر حاضر ہوا، غازی خان نے بڑی گرم جوشی سے اس کی پذیرائی کی، اور ندیم خاص بنایا، غازی خان کی موت کے بعد خواجہ قاسم دیانت خان کے پاس آگرہ آیا، اور کچھ وقفہ کے بعد دیانت خاں نے جہانگیر کے دربار میں اس کی تقریب کی، مگر طالب جب جہانگیر کے حضور میں پہنچا تو کچھ ایسا مخمور اور مسحور ہو گیا کہ اس کی کسی بات کا جواب دے سکا،

کہ ناگہاں ز درم در رسید فرخندہ دبے — چناں کہ از چمن طالعم ز مغز شمیم
چہ گفت؟ گفت کہ اے مخزن جواہر قدیم — چہ گفت؟ گفت کہ اے مطلب بہشت نعیم
بیا کہ از گہرت یاد می کند دریا — بیا کہ تشنہ لبت را طلب کند تسنیم
ازین پیام دلم شد شگفتہ و شاداں — چناں کہ باغ ز شبنم چنانکہ گل ز نسیم

عرفی ہمہ تن شوق بنکر اور بے تابی کے عالم میں دربار روانہ ہوا،

بہ رہ فتادم و گشتم چناں شتاب زدہ — کہ دست اہل کرم در نثار گوہر و سیم

اور جب وہ دربار میں پہونچکر شہزادہ سلیم کے سامنے آیا، تو زمین بوس ہوا اسکو وہ لطیف پیرایہ میں کہتا ہے کہ اگر میں ادب رک نہ جاتا تو بجائے اس کے کہ میرے لب اس کے قدم چومتے اس کے قدم میرے لب کو چوم لیتے،

چو روزگار رسیدم بہ درگہے کہ کند — زمانہ طوف حریمش بہ دیدۂ تعظیم
رسیدن من و اقبال آں ہمایوں فال — چناں فتاد مطابق درآں خجستہ حریم
کہ اگر ادب نکشیدی عنان من قدمش — بوسہ گاہ ہمی کرد بر لبم تقدیم

شہزادہ سلیم اس کے ساتھ خاص لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا جس کے بعد وہ آداب شاہی بجالایا،

مرا چو دوش بدوش ادب بدید استاد — بہ لطف خاص بدل کرد التفات عمیم
ز موز کرنش و تسلیم را ادا کردم — بہ داب مردم دانا و بذلہ سنج ندیم

شہزادہ سلیم نے وقار و تمکنت میں عرفی کی طرف صرف نگاہیں اٹھائیں لیکن جب وہ عرفی سے مخاطب ہوا تو مغرور و خودبین شاعر نے محسوس کیا کہ اس کا سامعہ کوثر کی موجوں میں ڈوب گیا،

بگفت و من بشنودم ہر آنچہ گفتن داشت — کہ درمیاں نگہش کرد بر زبان تقدیم

بہ نسبت گہرم دادہ بودی از کف خویش   ترا ز جود زیانے چنین ہزار افتاد

چو رو شدم ز کفت چہرہ خم از ہوا بربود   بگرمی گہر زبانم بہ نیہا را افتاد

یکے مقابل خورشید داشت آئینہ ام   بدیدہ گوہر عرقش موج بر عذار افتاد

چو پیش مشعل مہ بر و شب چراغ مرا   بچہرہ گوہر نگاہش شمع وار افتاد

ازیں نشاط اگر دست آسمان لرزید   گرہ باز در کف خاقان کامگار افتاد

کنوں برشتہ مہرش بدار گوہر تقدیر   دو بارہ در کفت این در شاہوار افتاد[1]

نظیری نیشاپوری کو بھی جہانگیر نے شاہانہ الطاف و اکرام سے سرفراز کیا، اس کے بارے میں تزک جہانگیری میں لکھتا ہے:

"در فن شعر و شاعری از مردم قرار دادہ بود" (ص ۹۲)

سنہ جلوس شاہی میں جہانگیر نے اس کا شہرہ سنکر دربار میں طلب کیا، نظیری نے انوری کے اس قصیدہ پر

باز این چہ جوانی و جمال ست جہاں را

ایک قصیدہ لکھکر پیش کیا۔ جہانگیر نے اس کے صلہ میں ہزار روپیہ، گھوڑا اور خلعت عطا کیا۔[2]

جہانگیر نے ایک دفعہ نظیری سے ایک عمارت کے کتبہ کی فرمائش کی، اس نے ایک غزل لکھ کر پیش کی جس کا مطلع یہ تھا۔

ایں خاک درت صندل سر گشتہ سران را   باد و مژہ جاروب رہت تاجوران را

---

[1] منقول از شعر العجم حصہ سوم ص ۱۴۰-۱۴۷۔ [2] تزک جہانگیری (ص ۹۲)، شعر العجم حصہ سوم (ص ۱۳۹) میں نظیری کا قصیدہ ملاحظہ ہو۔

دیانت خاں کو بڑی ندامت ہوئی مگر طالب گھر پر آیا تو ۹ شعروں کا ایک قطعہ فی البدیہہ لکھکر دیانت خاں کے پاس بطور معذرت بھیجا، اس کے بعد اعتماد الدولہ نے اس کو دربار میں پیش کیا، جہانگیر بہت لطف و محبت سے پیش آیا، رفتہ رفتہ سخن سنج اور سخن فہم بادشاہ طالب کی شاعری کی تشبیہات کی ندرت اور استعارات کی لطافت و نزاکت سے ایسا متاثر ہوا کہ اس کو دربار کا ملک الشعرا بنایا، جس کے بعد اس نے بڑی خوشحالی سے زندگی بسر کی، اس کا معاصر عبد النبی فخر الزمانی قزوینی مؤلف میخانہ رقمطراز ہے کہ

وزیر اعظم دارالامان مدار المہامی فرمانروائے ہندوستان اعتماد الدولۃ العلیہ العالیہ .... بعد از اندک ایامی خود باعث از دیاد رشد طالب گردیدہ و اورا داخل بساط بوسان محفل عظمت و شوکت بادشاہ جہان پناہ آسمان جاہ، سلیمان دستگاہ شاہ نور الدین محمد جہانگیر بادشاہ گردانید، آن منتخب نکتہ سنجان در اندک زمانی جوہر خویش بر فرمان روای دامان ہندوستان و شہریاران بخش جہاں ستان ظاہر ساخت تا در سنہ ثمان عشرین والف آن شہنشاہ گردون اساس واین بادشاہ جوہر شناس طالب را از امثال واقران برگزیدہ بخطاب ملک الشعرائی مفتخر و سرفراز گردانید، الحال بدولت این خسرو غریب دوست، مسکین نواز واین خورشید ذرہ پرور از ہمہ چیز بے نیاز سرآمد سخنوران و برگزیدہ نکتہ پروران است " (ص ۴۹۹)

جہانگیر ایک موقع پر طالب سے ناراض ہو گیا، طالب چند روز شرفیابی سے محروم کر دیا گیا، اس کا قصور معاف ہوا تو اس واقعہ کو ایک قصیدہ میں خاص شاعرانہ لطافت و بلاغت کے ساتھ ادا کرتا ہے، جہانگیر کے ساتھ طالب کو جو قلبی لگاؤ تھا، اس کا بھی اندازہ حسب ذیل اشعار سے ہوگا،

اس رباعی کو سنکر جہانگیر خوش ہوا، پھر مولانا شکیبیؔ سے کہا کہ آپ کی ایک اور رباعی مجھکو بہت پسند آئی ہے جو میں نے اپنی بیاض میں اپنے ہاتھ سے لکھ لی ہے۔

زر دیست جہان کہ بر دنش باختن است   زادمی آن بدا و کم ساختن است

دنیا بمثال کعبتین و نرد است   بر داشتنش برائے انداختن است

جہانگیر نے ازراہ قدردانی مولانا کو دہلی کی صدارت پر فائز کیا، اور اسی شہر میں آخر عمر تک رہے، شکیبی رفت (۱۰۲۳ھ) تاریخ وفات ہے، چار ہزار بیت کے ایک دیوان کے علاوہ ایک مثنوی خسرو شیریں بھی یادگار چھوڑی۔ (میخانہ ص ۲۳۰)

ملا طفی تبریزی ہندوستان آئے تو جہانگیر ان کے کلام کی لطافت، دلآویزی اور رنگینی سے محظوظ ہوا، اور **موزون الملک** کے خطاب سے سرفراز کیا، اور ندیم خاص بنایا، کچھ دنوں کے بعد ان کو ٹھٹھہ کے علاقہ میں بندر لہری کی حکومت تفویض کی، وہاں تین سال رہ کر آگرہ واپس ہوئے، دوسری بار جہانگیر نے ان کو گجرات کے دار الضرب کا داروغہ بنا کر بھیجا، ۱۰۳۰ھ میں وفات پائی، ان کے کلام کا نمونہ یہ ہے:۔

ہنوز جام شرابے بنو گلے نزدیم   (۱)   نوائے قہقہہ بر صوت بلبلے نزدیم

ہزار فصل گل آرزو رسید و گذشت   ہنوز بر سر یک آرزو گلے نزدیم

ببین نگار من از روزگار تلخ شدہ است   (۲)   کہ زندگانیم از ہجریار تلخ شدہ است

ز روزگار بود تلخکامی ہمہ کس   ز تلخ کامی من روزگار تلخ شدہ است

یکچند بے گردش افلاک شدیم   (۳)   یکچند پے دانش و ادراک شدیم

از آمد و رفت خود ہمی فہمیدیم   خاک بر آمدیم و در خاک شدیم[1]

---

[1] میخانہ ص ۳۹-۲۴۰، و صبح گلشن ص ۳۵۵

جہانگیر نے اس کے صلہ میں تین ہزار بیگھہ زمین انعام دی گئی۔[1]

حیاتی گیلانی بھی جہانگیر کے دربار سے منسلک رہا، اس کا ذکر گذشتہ باب میں آچکا ہے، آخر عمر تک جہانگیر کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتا رہا، جہانگیر اس کو ہمیشہ سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا، بہت ہی پرگو شاعر تھا، سات ہزار شعر اس کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، خسرو شیرین کی بحر میں قصہ سلیمان و بلقیس لکھ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جہانگیر نے خوش ہو کر اس کو سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا۔[2]

مولانا شکیبی صفاہانی، یہ اپنے شیریں و رنگیں کلام کے لیے مشہور تھے، ہندوستان آئے تو کچھ دنوں عبد الرحیم خانخاناں کے دربار میں رہے، پھر مہابت خان کی وساطت سے جہانگیر کے دربار میں پہنچے، اور ایک قصیدہ پیش کیا جس کے تین شعر یہ ہیں:-

فتاد بر سرم از ہجوم نقش جباہ — بر آستان جہانگیر شاہ اکبر شاہ

چہ رفعت تعالی اللہ آستانش را — کہ از بلندی آن پر بریخت مرغ نگاہ

زبسکہ ناصیۂ خویش سودہ اند ملک — نگار خانۂ چین گشتہ خاک آن درگاہ

جہانگیر اس قصیدہ سے محظوظ ہو کر مولانا شکیبی سے لطف و کرم کے ساتھ پیش آیا، مولانا شکیبی کو توقع ہوئی کہ جہانگیر کے حضور میں ان کی روز باریابی ہوگی مگر کسی وجہ سے یہ توقع پوری نہیں ہوئی اسلئے کبیدہ خاطر ہو کر ایران واپس جانے کا ارادہ ظاہر کیا، جہانگیر کو جب ان کی اس کبیدگی کی خبر ملی، تو طلب کر کے کہا

مولانا شکیبی بایستی کہ از روزے چند بموجب تخلص خود می شکیبیدند نمی کبیدید"

مولانا نے اس لطف خسروانہ کو ایک رباعی میں قلمبند کر کے بطور معذرت پیش کیا،

گفتی بشکیبی کہ زما کبیدی — یعنی کہ ز قبلۂ دعا کبیدی

حد نیست مرا اگر گویم این بہتان است — گویند بنگ کہ از وفا کبیدی

[1] سرو آزاد ص ۴۲
[2] میخانہ ص ۳۹۷

ہو کر جونپور میں کچھ جاگیر مرحمت کی، جس کے بعد معنوی نے خوشحالی سے زندگی بسر کی، اس کی ایک رباعی ہے:-

سودا بسرم ہمچو پلنگ اندر کوہ — غم بر سر غم بدل چو سنگ اندر کوہ

دور از وطن خویش بخواری گردم — چو شیر بدریا و نہنگ اندر کوہ[1]

حسن بیگ خاکی، جہانگیر اس کی ذہانت اور وقعت نظر کا معترف تھا، شاہانہ نوازش سے سرفراز کر کے اس کو صوبہ بہار کا دیوان بنایا، جہاں اس نے ایک تاریخ عالم بھی لکھی[۲] سنہ میں وفات پائی،

عشق خوبان وفا کیش ندارد سوی — سر آن یار بگردم کہ جفا کیش بود[۲]

حکیم عارف ایگی، نام سراج الدین حسن، تخلص عارف، اپنے وطن ایگ سے کرمان، یزد، کرک اور سیستان ہوتا ہوا ہندوستان پہنچا تو شہزادہ سلیم کی آستان بوسی کی، اور اس کی شان میں متعدد قصیدے کہے، پھر شہزادہ دانیال کے دربار سے وابستہ ہو گیا، جہاں اس کے دن اچھے نہیں گذرے، اکبر کا بھی پانچ سال تک وظیفہ خوار رہا، پھر وطن چلا گیا، وہاں سے پانچ سال کے بعد واپس آیا تو کچھ دنوں ہندوستان کے مختلف شہروں کی سیاحت کے بعد اعتماد الدولہ کے وسیلہ سے پھر جہانگیر کی خدمت میں حاضر ہوا، جہانگیر نے شاہانہ لطف و کرم سے نوازا، اور صوبہ بہار میں پانچ سو بگھہ زمین گذران اوقات کے لیے عطا کی، عارف نے جذبہ تشکر میں ایک قطعہ کہا جس کے دو شعر یہ ہیں:

خدایا تو این شاہ درویش دوست — کہ آسایش خلق در ظل اوست

برآرش برا ورنگ شاہی و جاہ — برا وج فلک تا بود مہر و ماہ

---

[۱] میخانہ ص ۳۲۵، [۲] ریاض الشعراء

مولانا علی احمد **نشانی** کا ذکر پہلے آچکا ہے، یہ صاحب فن، صاحب سخن اور صاحب دل بھی تھے، ایک بار جہانگیر کے حضور میں محفل سماع گرم تھی کہ ایک مطرب نے یہ بیت پڑھی

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے — من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہے

جہانگیر نے حاضرین سے اس بیت کا مطلب پوچھا، مولانا نشانی پر ایک وجد کی کیفیت طاری تھی، اسی عالم میں رقص کرتے اور تالیاں بجاتے ہوئے شاہی تخت کے پاس پہنچے، اور کہنے لگے، کہ ایک روز جمنا کے کنارے ہندو عورتیں اور مرد غسل کر رہے تھے، کہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اپنی خانقاہ سے امیر خسرو کے ساتھ نکلے، دریا کے کنارے نظر اٹھائی تو یہ مصرع زبان مبارک سے نکلا،

ہر قوم راست راہے دینے و قبلہ گاہے

امیر خسرو نے یہ مصرع سنا تو مرشد سے فی البدیہہ عرض کیا کہ

من قبلہ راست کردم بر سمت کجکلاہی

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ کے سر مبارک پر اس وقت طاقیہ تھی، وہ تھوڑی سی کج تھی، مولانا نشانی نے اس بیت کی تشریح کرنے میں اپنی کلاہ کو کج کیا، اور وجد کی حالت میں بسمل کی طرح رقص کرتے ہوئے فرش پر گر پڑے، حاضرین کو خیال ہوا کہ مولانا بیہوش ہو گئے ہیں جہانگیر اپنے استاد کی یہ کیفیت دیکھکر بے چین ہو گیا، غایت اضطراب میں تخت سے اتر کر مولانا کے سر کو اپنے زانو پر رکھ لیا، اسی اثنا میں مولانا کی روح مالک حقیقی سے جا ملی،[1]

عطائی معنوی جونپوری۔ شیخ عبد الکریم عطائی نام اور معنوی تخلص تھا، انشا و شعر میں اس کی قابلیت مسلم تھی، بعض امرا نے اس کو جہانگیر کے دربار میں پیش کیا، اس کی شاعری سے جہانگیر محظوظ

[1] ریاض الشعرا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

کیا، اور نمایاں جگہ پر بٹھا کر اس سے تازہ کلام سنانے کی فرمایش کی، شیدا نے یہ شعر پڑھا،

چیست دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے　　حسن را پروردگار عشق را پیغمبرے

شیخ فیروز نے کہا یہ تو رودکی کے شعر سے سرقہ ہے،

عشق را پیغمبر ولیکن　　حسن را آفریدگار توئی

شیدا کچھ برہم ہوا لیکن اس نے ایک دوسرا شعر سنایا،

زبسکہ کردہ غمت بتدبیر جگر ناخن　　چو پشت ماہیم از پاے تا بسر ناخن

شیخ فیروز نے اعتراض کیا کہ یہ غیاثاے حلوائی کا چربہ ہے،

از بسکہ سینہ کندم ناخن درد نشست　　چو پشت ماہیست سراپاے سینہ ام

شیدا اور بھی زیادہ چین بجبین ہوا، مگر ایک اور شعر پڑھکر داد چاہی،

بصحرا موفشانی دشت پر سنبل شود　　در بدریا روبشوی خار ماہی گل شود

مگر شیخ فیروز بولا کہ یہ تو ملا کاتبی کے شعر سے توارد ہے،

گر بدریا افتد از عکس جمال او فروغ　　خار ماہی آورد در قعر دریا بار گل

شیدا نے چڑھ کر کہا کہ اگر یہی تم ظرافت ہے تو اس کے مقابلہ کا شعر سناؤ،

ذات تو بود صحیفہ کون کہ کرد　　از روی ادب مہر خدا بر پشت

شیخ فیروز نے فوراً ہی ہاتفی کا شعر پیش کیا،

نبوت را توی آن نامہ در مشت　　کہ از تعظیمش آید مہر بر پشت

حاضرین نے قہقہہ لگایا، شیدا نے زچ ہوکر بدکلامی شروع کر دی لیکن اصحاب مجلس

پھر مصر ہوئے تو اس نے یہ شعر پڑھا،

زلف او را رشتہ جان گفتم و گشتم خجل　　زانکہ این معنی چو زلفش پیش پا افتادہ است

وہ ایک کتاب اندرزنامہ کا مصنف بھی تھا، جس میں شاہنامہ کی بحر میں دو ہزار تین
سو اشعار تھے، ایک ساقی نامہ میخانہ میں منقول ہے[1]، اس کے ایک قصیدہ کا ذکر پہلے آچکا ہے،

شیدا۔ قبیلہ تکلو سے تعلق رکھتا تھا، اس لیے شیدائے تکلو کے نام سے مشہور ہوا،
اس کا خاندان مشہد سے ہندوستان آیا، شیدا کی پیدائش فتح پور (آگرہ) میں ہوئی، اس لیے
ایرانی شعرا اس کو ہندوستانی سمجھتے تھے، جہانگیر کے لشکر میں احدی کی حیثیت سے مامور ہوا،
اور دستور کے مطابق اس کو جاگیر اور علوفہ ملتا تھا، دکن کی تسخیر کے سلسلہ میں اس نے عبدالرحیم
خانخاناں کی شان میں بھی انوری کے طرز پر قصیدہ کہا، جو ماثر رحیمی جلد سوم (ص ۴۸۹) میں مطالعہ کیا جا سکتا
ہے، کچھ دنوں شہزادہ شہریار کی ملازمت میں بھی رہا اور آخر میں شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا،
بہت ہی ذہین، پرگو اور ذی علم شاعر تھا، مگر تمام شعرا اس کی خردہ گیری، عیب جوئی اور ہجوگوئی
سے عاجز تھے، حتی کہ ملک الشعراء طالب آملی کو بھی اپنے طنز و استہزاء سے نخچیر کیا،

شب و روز مخدوم ما طالبا — پئے جیفہ دنیوی در تگ است
مگر قول پیغمبر آمد عجب — کہ دنیا است مردار طالب سگ است[2]

ارباب سخن شیدا کو زیر کرنے کی فکر میں رہتے، مگر شاید ایک ہی موقع ایسا آیا جب کہ
وہ ان سے پسپا ہوا، اس کی دلچسپ تفصیل سے ہم ناظرین کو بھی محظوظ کرنے کی کوشش کرتے
ہیں، ۱۰۲۳ھ میں جہانگیر اجمیر گیا، لشکر کے ساتھ شاہی جلو میں شعرا بھی تھے، ایک روز شیخ
فیروز کی قیامگاہ پر تمام اصحاب سخن مثلاً طالب آملی، ملا عطائی جونپوری، انور لاہوری، طغیٰ
فتحپوری وغیرہ جمع ہوئے، شیخ فیروز کو مقبولیت اس لیے حاصل تھی کہ اس کو اساتذہ کے ہزاروں
اشعار زبانی یاد تھے، یہ مجلس جاری تھی کہ شیدا بھی آپہنچا، تمام شعرا نے گرم جوشی سے اس کا خیرمقدم

[1] ص ۴۲۲-۴۰۰۔ [2] ید بیضا قلمی نسخہ ص ۹۲۔

بڑا قدر دان تھا، شہزادگی کے زمانہ میں اس کو معلوم ہوا کہ صدر جہاں مقروض ہیں، تو اس نے وعدہ کیا کہ تخت و تاج کا مالک ہوا تو وہ ان کا سارا قرض ادا کر دیگا، اور ان کی خواہش کے مطابق منصب پیش کریگا، چنانچہ ایسا ہی کیا، چار ہزاری منصب دے کر قنوج کا علاقہ تنخواہ میں عطا کیا، صدر جہان نے جہانگیر کی نوازشوں سے فائدہ اٹھا کر خلق اللہ کی بڑی خدمت کی، اور ان کی مدد معاش کے سلسلہ میں بڑی فیاضی دکھائی، چنانچہ آصف خان جعفر نے جہانگیر سے عرض کیا کہ عرش آشیانی (یعنی اکبر) نے جو بخشش پچاس سال میں کی تھی صدر جہاں نے پانچ سال کی صدارت میں کی (ماثر الامراء جلد سوم ص ۳۵۰، و ماثر الکرام جلد دوم ص ۹۳)

مولانا مرزا شکر اللہ شیرازی۔ شیراز، قزوین، عراق اور عرب سے علوم متداولہ حاصل کر کے ہندوستان آئے، نسخ، تعلیق اور علم سیاق میں مہارت تامہ رکھتے تھے، پہلے عبدالرحیم خانخانان کی فیاضیوں سے متمتع ہوئے، پھر جہانگیر کی ملازمت میں آئے، جہانگیر نے انھیں شہزادہ خرم کی ماتحتی میں عہدۂ دیوانی پر مامور کیا، اپنے فرائض منصبی میں بہت کامیاب رہے، پھر ادوے پور کی مہم میں کچھ مفید خدمات انجام دینے پر جہانگیر نے ۱۰۲۳ھ میں انھیں افضل خاں کے خطاب سے مشرف کیا، اور اجمیر کا ناظم بنا کر بھیجا[1]،

مولانا تقیای شوستری۔ شیراز سے تعلیم کی تکمیل کر کے ہندوستان آئے، ان کے بارے میں ماثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے،

"مولانا تقیای شوستری طالب علمے بے مثال و قرین و منشی و شاعرے سخن آفرین است
دراقسام منظومات بجوری تخلص می فرماید۔"

جہانگیر نے انھیں صدارت کے منصب سے سرفراز کیا[2]،

---

[1] ماثر رحیمی حصہ سوم ص ۱۰۳۰، [2] ایضاً ص ۱۶۰۳۔

شیخ فیروز نے کہا کہ مہمان کی دلآزاری مراد نہیں، لیکن اس مضمون کا ایک شعر پہلے بھی کہا جا چکا ہے،

کس نیابد مصرعۂ پیچیدۂ زلفِ کجت گرچہ این مضمون ترا در پیش پا افتادہ است

اسی طرح شیدا نے کچھ اور شعر سنائے، تو شیخ فیروز اس کے ہر شعر کا ماخذ بتاتا گیا، بالآخر شیدا پر مہر سکوت لگ گئی، اور باوجود اصرار کے اس نے کوئی اور شعر پڑھنے کی ہمت نہ کی، اور پھر کبھی ایسی مجلس میں شریک نہ ہوا جس میں شیخ فیروز بھی ہوتا، مگر شیخ فیروز کا بیان ہے کہ کشمیر میں ایک روز شیدا اس کے گھر پر آیا، اور پوچھا کہ میرا کوئی شعر بھی قابل ستایش ہے تو فیروز نے کہا ہاں اور وہ شعر یہ ہے:

اے بروے تو کزو آئینہ را چشم نیاز شانہ زادست و مادر شب زلفِ تو دراز

شیدا نے ہاتھ پھیلا کر دعا کی "عمرت دراز باد"[۱] شیدا کا ذکر شاہجہان کے سلسلہ میں بھی آئے گا۔

فضلاء: جہانگیر کی قدردانیوں کے سبب اس کے دربار میں علماء بھی بکثرت تھے ہم ان میں سے دو چار کا ذکر کرتے ہیں،

میران صدر جہان پہانی۔ پہلے ذکر آچکا ہے، کہ جہانگیر نے شہزادگی کے زمانہ میں ان سے چہل حدیث پڑھی تھی، مآثر الامراء جلد سوم (ص ۳۴۸) میں ہے،

"مرد فاضل خوش طبع بود"

اکبر کے زمانہ میں ممالک محروسہ کے صدر تھے، حکیم ہمام کے ساتھ عبداللہ خان اوزبک والیٔ توران کے پاس ایلچی بناکر بھی بھیجے گئے، وہاں علماء سے بڑے معرکے ہوئے، ہر فن میں صدر جہان ان پر غالب رہے، جس سے وہاں کے ارباب علم کو بڑی حیرت ہوئی، وہاں سے واپس ہوئے تو کچھ دنوں کیلئے صدارت کل کی خدمت تفویض کی گئی، اور منصب دو ہزاری بھی عطا ہوا، جہانگیر نے

---

[۱] مخزن الغرائب قلمی نسخہ، دار المصنفین ورق ۲۱۴ - ۲۱۵

"الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علماء قدما مستند آوردہ درین فن کتابے مثل ایں نمی باشد"[1]

مولانا شبلی جہانگیر کی اس رائے کی نسبت لکھتے ہیں کہ "فارسی کا ایک محقق اس کتاب کی نسبت اس سے بڑھ کر کیا رائے دے سکتا ہے، فارسی لغت میں جس قدر کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں، کسی میں قدماء کے اشعار سے سند لانے کا التزام نہ تھا، اور فرہنگ جہانگیری کا یہی امتیازی وصف ہے"[2]

وہ ہندو پنڈتوں اور درویشوں سے اسی فراخدلی اور عقیدتمندی سے ملتا جس طرح علمائے اسلام سے پیش آتا تھا، ۱۲ جلوس میں جب اوجین گیا، تو اسے معلوم ہوا کہ سنیاسی مرتاض جدروپ نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک دشوار گذار بھٹ میں رہتا ہے، جس کا طول ساڑھے پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ تھا، یہ اس قدر تنگ تھا کہ اس میں مشکل سے ایک شیر خوار بچہ سما سکتا تھا، جہانگیر کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، وہاں تک سواری پہنچ نہ سکتی تھی، مگر وہ تین میل پاپیادہ چل کر وہاں پہنچا، اور چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا، اس ملاقات کی نسبت لکھتا ہے:

"الحق کہ وجودش بغایت مغتنم است، در مجلس او محظوظ و مستفید می توان شد علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد، خوب ورزیدہ، تا شش گھڑی بہ او صحبت داشتم، سخنان خوب گفت کہ ساخت چنانچہ خیلے در من اثر کرد"

اس ملاقات سے وہ سیر نہیں ہوا، پھر گیا، چنانچہ لکھتا ہے:

"باز خاطر را بملاقات گسائیں جدروپ رغبت افزودہ، بے تکلفانہ بکلبۂ او شتافتہ صحبت

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۰۴۔ [2] مقالات شبلی ج ۴ ص ۱۰۳

مولانا مرزا محمد قاسم گیلانی ۔ حدیث اور فقہ کے متبحر عالم تھے، قزوین اور اصفہان میں کچھ دنوں رہنے کے بعد ہندوستان آئے، تو پہلے بیجاپور دکن میں دربار عادل شاہی سے وابستہ رہے، ۱۰۲۳ھ میں برہانپور خاندیس میں شہزادہ پرویز سے ملے، جس نے ان کی بڑی پذیرائی کی، عبدالرحیم خانخانان نے بھی اپنے دربار میں ان کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور نقد جواہرات کے علاوہ بہت سی اور چیزیں بھی ان کی خدمت میں پیش کیں، اور اسی کی وساطت سے جہانگیر کے دربار میں ملازم ہوئے، جہانگیر ان کا سرپرست اور قدردان رہا[۱]

جہانگیر کے عہد کے دوسرے علماء کے نام جو مصنف اقبال نامۂ جہانگیری نے بتائے ہیں، یہ ہیں

ملا روزبہان شیرازی، اعمی اعمری، ملا باقر کشمیری، ملا باقر عظمی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نوراللہ، ملا فاضل کابلی، ملا عبدالحکیم سیالکوتی، ملا عبدالمطلب سلطانپوری، ملا عبدالرحمن بوہرہ گجراتی، ملا حسن فراغی گجراتی، خواجہ عثمان حصاری، اور ملا محمد جونپوری[۲]

جہانگیر ہر مذہب و ملت کے علماء سے بہت بے تکلفی کے ساتھ ملتا تھا، اور ان کے متعلق جو رائے ظاہر کرتا تھا، وہ بڑی محتاط ہوتی تھی، شیخ عبدالحق دہلوی سے ملا، تو لکھتا ہے:

"مدت ہاست کہ در گوشۂ دہلی بہ وضع توکل و تجرید بسر می برد، مرد گرامی ست صحبتش بے ذوق نیست، بہ انواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"

ان کی تصنیف تذکرۂ اولیائے ہند کے بارے میں رائے ظاہر کرتا ہے:۔

کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بہ نظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ[۳]

میر عضدالدولہ نے جب فرہنگ جہانگیری پیش کی، تو اس کے متعلق جہانگیر لکھتا ہے:

---

[۱] مآثر رحیمی حصہ سوم ص ۶۳۹، [۲] اقبال نامۂ جہانگیری ص ۳۰۰، [۳] تزک جہانگیری ص ۲۸۴،

روزانہ مغرب کے بعد جہانگیر حضرت شیخ مجدد الف ثانیؒ سے ملاقات کرتا، ان ملاقاتوں میں حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے سرچشمہ علم وفضل سے اس کے قلب کی جس طرح تطہیر ہوئی، ؤہ خود ان کے مکتوب میں سننے کے قابل ہے، وہ اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید اور خواجہ معصوم کو تحریر فرماتے ہیں:

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ، اس طرف کے احوال اور اوضاع حمد کے لائق ہیں، (بادشاہ کے ساتھ) عجیب وغریب صحبتیں گزر رہی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی عنایت سے ان گفتگوؤں سے امور دینیہ اور اصول اسلامیہ میں سرموسستی اور مداہنت دخل نہیں پاتی، اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ان محفلوں میں بھی وہی باتیں ہوتی ہیں جو خاص خلوتوں اور مجلسوں میں بیان ہوا کرتی ہیں، اگر ایک مجلس کا حال لکھا جائے تو دفتر ہو جائے، خاصکر آج ماہ رمضان کی سترہویں رات کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی بعثت اور عقل کے عدم استقلال اور آخرت کے ایمان اور اس کے عذاب وثواب اور رویت وودیدار کے اثبات اور حضرت خاتم الرسل کی نبوت کی خاتمیت اور ہر صدی کے مجدد اور خلفائے راشدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اقتداء، اور تراویح کے سنت اور تناسخ کے باطل ہونے اور جن اور جنیوں کے احوال اور ان کے عذاب وثواب کی نسبت بہت کچھ مذکور ہوا، اور (بادشاہ) بڑی خوشی سے سنتا رہا اس اثنا میں اور بھی بہت سی چیزوں کا ذکر ہوا، اور اقطاب، اوتاد ابدال کے احوال اور ان کی خصوصیتوں وغیرہ کا ذکر ہوا، اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ (بادشاہ) سب کچھ قبول کرتے رہے، اور کوئی ایسا تغیر ظاہر نہ ہوا جو بے مزگی پر دلالت کرے ان واقعات اور ملاقات میں شاید اللہ تعالیٰ کی پوشیدہ حکمت اور راز خفیہ ہوگا۔ الحمد للہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ لقد جاءت

داشتہ شد، سخنان بلند درمیان آمد حق جل وعلی غریب توفیقے کرامت فرمودہ فہم عالی فطرت بلند و مدرکہ تمند، با دانش خداداد و جمع و دل آزاد و ساختہ پشت پا بر عالم و ما فیہا زدہ در گوشہ تجرید مستغنی و بے نیاز نشستہ۔"

اوجین سے رخصت ہوتے وقت اس کے پاس پھر ملاقات کو گیا، الوداعی ملاقات اس پر شاق گذری، لکھتا ہے:

"باز بملاقات گسائیں رفتہ از و وداع شدم، بے تکلف جدائی از صحبت او بر خاطر حقیقت گزیں گرانی نمود۔"[1]

آخر عمر میں جہانگیر کو حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت کیمیا اثر سے غیر معمولی روحانی اور مذہبی فیوض و برکات حاصل ہوئے، پہلے تو بعض درباری امراکی فتنہ انگیزیوں اور شر انگیزیوں سے حضرت مجدد اعظم سے برگشتہ رہا، حتیٰ کہ مشتعل ہو کر ان کو گوالیار میں محبوس کردیا، مگر عاشق شریعت رسول کی قید و بند کے زمانہ میں ایک روز جہانگیر نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اس سے فرما رہے ہیں کہ تم نے ایک بڑے آدمی کو قید کر دیا ہے، جہانگیر نے منفعل ہو کر حضرت شیخ احمد قدس سرہ کی رہائی کا حکم صادر کیا، اور اپنے پاس بلا کر معذرت کی، اور لطف و کرم سے پیش آیا، ان کی ذات اقدس سے جہانگیر کی شیفتگی اور عقیدت اتنی بڑھی کہ اپنے کو زیادہ تر ان ہی کی خدمت بابرکت میں دیکھنا چاہتا تھا، خزینۃ الاصفیا میں ہے:

"بادشاہ (جہانگیر) از محبان شیخ شد، مجددیکہ گاہی آنجناب را از خود جدا نمی کرد، و شاہزادہ خرم را داخل حلقہ مریدان شیخ نمود، چنانچہ تا عہد شاہجہان و عالمگیر بادشاہان باہمہ علما، و وزرا، داخل سلسلہ مجددیہ می شدند" (حصہ اول ص ۶۱۳)

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۸۳

شاہجہان

شاہجہان کی نادرۂ کار تعمیری یادگارین اس کے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بین دلیل ہین،، اس کی تمام تکوینی قوتین فنونِ لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئین، اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیان اس کی تزک بابری ہین، ہمایون کی تخیل آرائیان اس کے شعر و شاعری ہین اکبر کی علمی فیاضیان اس کے دربار کی ہنر پرور فضا ہین اور جہانگیر کی رنگینیان اس کی تزکِ جہانگیری مین پاتے ہین، تو شاہجہان کے ذہن کی پرکاریان، اس کے تختِ طاؤس، قلعۂ معلّٰی اور روضۂ تاج کے نقش و نگار سے عیان ہین، اس لیے یہ امر موجب تعجب نہین گو اس نے اپنے باپ یا اپنے لڑکون دارا اور اورنگ زیب کی طرح کوئی علمی یادگار نہین چھوڑی، اس کے دماغ کی گل فشانی کاغذ کے صفحات کے بجائے دیوان خاص اور دیوان عام کی دیوارون پر ہوئی، اس کا حسن ذوق نظم و ادب کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت و نفاست مین ظاہر ہوا، اس نے محبت کا ترانہ شعر و شاعری مین نہین بلکہ تاج مین منظوم کیا،

اس کو بابر، ہمایون اور جہانگیر کی طرح علمی انہماک نہ تھا، اس لیے ان کی طرح کوئی علمی تصنیف نہین چھوڑی، لیکن پھر بھی اسکی کتاب زندگی کا کوئی صفحہ علمی دلچسپیون سے خالی نہین، اس کے دربار کی علمی فضا اور اہلِ علم و فن کیساتھ اس کی عدیم المثال فیاضیان اور زرپاشیان، پھر دارا شکوہ، جہان آرا، مراد، اور اورنگ زیب کی اعلیٰ تعلیم و تربیت اس کے ذوق سلیم کی شہادت ہے،

وہ جب چار برس، چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو خاندانی روایات کے مطابق پڑھنے

رُسُلُ رَبِّنَا بِالحق، دوسرے یہ کہ قرآن مجید کو (بادشاہ سے) سورہ عنکبوت تک ختم کرا چکا ہوں،
جب رات کو اس مجلس (یعنی شاہی مجلس) سے اٹھ کر آتا ہوں تو تراویح میں مشغول ہوتا
ہوں، حفظ قرآن مجید کی یہ اعلیٰ دولت اس پراگندہ حالی میں جو عین جمعیت حاصل ہوئی
ہے الحمد للہ اولاً و آخراً۔ (مکتوبات امام ربانی، دفتر سوم، نمبر ۴۳)

جہانگیر کے اس تزکیۂ باطنی کے بعد حضرت مجدد اعظمؒ نے اسلامی شریعت کی فلاح و بہبود کے لیے
جو چاہا اس سے کرایا،

مشہور ہے کہ جہانگیر اکثر کہتا تھا کہ میرے پاس ایک دستاویز نجات ہے، اور وہ حضرت شیخ
کا ارشاد مبارک ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہم کو جنت میں لے جائے گا تو ہم تیرے بغیر نہ جائیں گے،

جہانگیر اور کتب خانہ و مدارس جہانگیر ایک شاندار کتب خانہ کا مالک تھا، مکتوب خان اس کا مہتمم تھا،
جب وہ سفر میں جاتا تو بھی ایک کتب خانہ ساتھ لیجاتا تھا چنانچہ تزک میں ہے کہ جب وہ گجرات پہنچا
تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتب خانہ سے تفسیر حسینی، تفسیر کاشفی اور روضۃ الاحباب نذر کیں،
اس نے مدارس کی تعمیر کا یہ اہتمام رکھا تھا، کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لاوارث مرجاتا،
تو اس کے مال و متاع سے مدارس اور خانقاہیں بنوا تا تھا[1] تاریخ خان جہان میں ہے کہ اس
نے ان تمام مدارس کو از سر نو آباد کیا، جو گذشتہ تیس سالوں سے پرندوں اور چوپایوں کے
مسکن بنے ہوئے تھے،[2]

[1] منتخب اللباب خافی خان [2] تاریخ خان جہان بحوالہ پرموشن آف محمڈن لرننگ ص ۱۷۵

مشکل ہے، لیکن شاہجہان نامہ میں اس کا ایک رقعہ منقول ہے، جو اس نے تخت نشینی کے بعد دست[1] خاص سے لکھکر آصف خان یمین الدولہ کے پاس بھیجا، رقعہ حسب ذیل ہے:۔

"دانائے رموز سلطنت عظمیٰ، واقف اسرار خلافت کبریٰ، سرخیل یکرنگان وفادار، سلالۂ یکجہتان حق گذار، کارفرمائے سیف وقلم، مدبر امور عالم، زبدۂ خوانین عالیشان، قدوۂ امرائے بلند مکان، عضد الخلافت یمین الدولہ، عموی وانا آصف خان' دراماں حضرت ملک منان بودہ بدانند، کہ در چہارم گھڑی روز مبارک دوشنبہ بست وہفتم ماہ بہمن موافق ہشتم جمادی الثانی سنہ ہزار وسی وہفت ہجری بمبارکی وفیروزی در دار الخلافت اکبرآباد جلوس میمنت مانوس بر تخت سلطنت وسریر خلافت واقع شد، وبدستوری کہ معروض داشتہ بودند، لقب را شہاب الدین قرار دادیم، چنانچہ نام مبارک ما را بعنوان اقبال نشان صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی در خطبہ کہ درین روز بلند آوازہ گردانیدند، درج نمودند سکہ ہم بہمین نام مبارک زدہ شد۔"

للہ الحمد کہ آن نقش کہ خاطر میخواست

آمد آخر ز پس پردۂ تقدیر برون

امیدواریم کہ اللہ تعالیٰ این بادشاہی کل ہندوستان بہشت نشان را کہ بمحض کرم خود بما عنایت نمودہ بر بر ما وشما کہ شریک غالب این دولت اید، مبارک گرداند، ور وز بروز فتوحات تازہ ونصرت ہائے بے اندازہ نصیب ما شود وشما ہم بعمر طبیعی رسیدہ از دولت مادو[2] عظیم یابید، خدمت پرستخان آخر روز جمعہ رسیدہ عرضداشت شما را گذرانید، وبعرض

[2] شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ ص۲۰۰، وبادشاہ نامہ جلد اول از عبد الحمید لاہوری ص۱۰۱، شاہجہان کے بعض اور رقعات بھی نظر سے گذرے، لیکن علمی حیثیت سے وہ بلند نہیں ہیں۔

[1] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری ج ۱ ص ۱۰۱

کے لیے بٹھایا گیا، قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (برادر علامی ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لیے مقرر ہوئے، ان باکمال استادون کی زیر نگرانی شہزادہ خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی، خطاطی مین اس کو بڑی مہارت تھی، محمد صالح کنبوہ لاہوری شاہجہان کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں لکھتا ہے :-

"بے بر نیامد کہ بتفصیل تحصیل فصول ابواب دانش نمودہ در جمیع فنون فضائل دقایق نکتہ فہمی را باعلیٰ درجات کمال رسانیدہ، ودر عرض اندک مایہ مدتے بے آنکہ کار بطول کشد، ہیولائے خط نیز صورت درست پذیرفتہ تختۂ مشق از ریختۂ قلم مشکین رقمش چون صفحۂ رخسار نوخطان بخط زینت گرفت[1]"

ان استادون مین دوائی گیلانی کی سعی و محنت زیادہ بارآور تھی، چنانچہ شاہجہان کہا کرتا تھا :-

"فی الحقیقت حکیم دوائی آموزگار ماست، وحق تعلیم او بر ما از استادان دیگر بیش است[2]"

تاتار خان جس کو ترکی لغت کی واقفیت مین اعلیٰ کمال حاصل تھا، شہزادہ کی ترکی زبان کی تعلیم کے لیے مامور تھا[3]، یون تو اس نے شروع ہی سے اکبر کی سب سے پہلی بیوی خدیجۃ الزمانی رقیہ سلطان بیگم بنت ہندال مرزا کی نگرانی مین پرورش پائی[4]، جو خالص ترکی زبان بولا کرتی تھی، مگر شاہجہان کو ترکی بولنے کی کبھی مشق نہین ہوئی، جہانگیر کہا کرتا تھا، کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ خرم مین کیا عیب ہے تو مین کہونگا کہ وہ ترکی زبان نہین جانتا ہے[5]، وہ ہندوستانی زبان سے بھی واقف تھا،

شاہجہان نے کوئی تصنیف اور نہ رقعات کا مجموعہ چھوڑا، اس لیے اس کی علمی لیاقت کا اندازہ کرنا

---

[1] عمل صالح، موسوم بہ شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ جلد اول ص ۳ [2] ایضاً ص ۳ [3] ایضاً ص ۳،
[4] و[5] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد ا ص ۳۹۱ [6] تزک جہانگیری،

آرد کہ ان افادت و افاضت مرتبت را درین مسائل مختصر جامع مفیدے کہ مستجمع کلمات حکمات حکما و تاویلات علما و وجہ تکفیر اسلامیین و اقوال لمیین، و مباحثات و مناظرات و شکوک و شبہات و ازالات و اخراجات و اسولہ و اجوبہ و غایت تدقیقات و نہایت تحقیقات و اصل کلام در ہر باب و اساس سخن در ہر جواب و آن چہ دران ظفر یافتہ باشد و برہان بران فائدہ شدہ باشد، و احاطہ مسائل متعلقہ بمطلب علم از حصولی و حضوری بود و علم و عین عالم و عین معلوم است، یا غیر، و تعلق آن بجزئیات بوجہ کلی است یا بوجہ جزئی، و تحریر آنکہ کلیہ و جزئیہ معلوم تابع مدرک و یا تابع مدرک است و نسبۃ الواجب جزئی ست یا نہ، و بیان آنکہ ادراک تعلقی است، نہ احساسی .... الخ"

ایک صاحب نظر کا خیال ہے کہ یہ جملے شاہجہان کے بتائے ہوئے تھے، چنانچہ عبارت ہذا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "شاہجہان کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے، کہ اس نے اس مسئلہ مین جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے، اس کو چند جملون مین ادا کر دیا" آگے چل کر پھر لکھتے ہیں کہ "سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے، لیکن شاہجہان کی علمی فضیلت بھی اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کچھ کم نہ تھی، ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم و فن سے واقف نہ ہو وہ کیا اس کو سمجھ سکتا ہے"[1]

شاہجہان کی علمی لیاقت کا حال ان حکیمانہ اور عالمانہ باتون سے بھی معلوم ہوتا ہے، جو وہ اپنے درباریوں سے کہا کرتا تھا، عمل صالح جلد اول (ص ۱۵-۵۱۴) مین ہے :

ماہ آذر کی چوتھی تاریخ کو بادشاہ کی محفل مین ہر ملک کے علماء جمع تھے، اور شرکا، اپنے اپنے مبلغ علم کے مطابق ہر فن کے تمام مسائل کے متعلق گفتگو کرتے تھے، بادشاہ جو نہایت حکیم اور محقق تھا ہر مسئلہ مین دخل دیتا تھا، اور ہر قسم کی گفتگو کرتا تھا، یہان تک کہ سلسلۂ سخن ان بادشاہون اور حکما تک پہنچا جو بادشاہ بھی تھے اور حکیم بھی تھے، اسی

[1] معارف، نمبر ۳ جلد ۱۰،

رسانید، کہ مقرر نمودہ آمد، کہ روز پنجشنبہ بیست و نہم ماہ بہمن از آنجا روانہ شوید و روز جمعہ
چہاردہم ماہ اسفندار مذ بملازمت ما مشرف گردید، این معنی چون دلالت بران می نمود کہ
زمان دریافت ملازمت نزدیک رسید خوشحال شدیم، قرارداد این معنی کہ پادشاہزادہ ہائے
کامگار دیر خوردہ اند در اہمراہ بیاورید، و خواجہ ابوالحسن راہ لاہور بگذارید مستحسن افتاد، سروپائے
کہ در روز مبارک جلوس میمنت مانوس پوشیدہ بودیم برائے آن عضد الخلافہ فرستادیم،
ہر چند کہ ہر چہ بآن عمو عنایت فرمائیم زیادہ از ان گنجایش دارد، اما بالفعل منصب ہشت
ہزاری ذات و ہشت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ عنایت نمودیم، و سوائے آن بندہ لاہری
بالطریق انعام مرحمت فرمودیم، این عنایت ہائے بار شما مبارک باشد"

اس عبارت مین نہ جہانگیر کی تزک کی رنگینی اور روانی ہے، نہ عالمگیر کے رقعات کی سلاست و برجستگی لیکن پھر بھی اس کا کاتب کوئی معمولی استعداد کا آدمی نہین معلوم ہوتا۔

ایک اور فرمان سے اس کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے، ایک بار کا ذکر ہے کہ شاہجہانی سفرا عراق گئے، تو وہان کے ایک وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ مین قدم علم اور نفی علم واجب تعالیٰ کے مسئلہ مین شیخ ابو نصر فارابی اور بو علی سینا کی تکفیر کی ہے، اس کا جواب کیا ہے؟ شاہجہانی سفرا ہندوستان اور سلطنت تیموریہ کے علمی ..... وقار کو قائم رکھنا ضروری سمجھتے تھے، اس لیے انھوں نے شاہجہان کو اطلاع کی شاہجہان نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خان کو حکم دیا کہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن مین ایک رسالہ لکھکر پیش کرین تاکہ عراق بھیجا جائے، چنانچہ سعد اللہ خان نے ایک فرمان صادر کیا، جس مین لکھا کہ

"کمترین مریدان حکم محکم آن فضائل و کمالات دستگاہ سطرے چند بنگارد دربارۂ آن

ہوگی اور ملک میں فتنہ و فساد پھیل جائے گا، جیسا کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے عہد خلافت میں ہوا، کہ وہ اگرچہ خلیفۂ برحق اور امام مطلق تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے قول کے موافق حق و صداقت کے ساتھ کام کرتے تھے، تاہم کوئی کام ان کی مرضی کے مطابق نہیں ہوا، کیونکہ وہ دین اور دنیا کے کسی کام میں سہل انگاری اور رو و رعایت سے کام نہیں لیتے تھے، اس لیے دنیا کے لوگ جو دین و آخرت کے بالکل مخالف بلکہ سراپا باطل ہیں، اٹھ کھڑے ہوئے، اور فتنہ و فساد برپا کرنا شروع کیا (عمل صالح جلد دوم ص ۲۳۲)،

اسی اثنا میں سید جلال بخاری نے شاہجہان کے ایک ارشاد عالی کا حوالہ دیا کہ دنیا دو پاؤں پر قائم ہے، ایک حق دوسرا باطل، لیکن سید جلال بخاری نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حق پر قائم ہو، شاہجہان نے کہا کہ حق و باطل ہر زمانہ میں رہا، اور اس سلسلہ میں یہ تقریر کی:-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تمام کاموں کی بنیاد حق پر تھی، اور تمام ترقیاں اس لیے ہوتی تھیں کہ آپؐ کے وجود کی برکت سے اس زمانہ کے لوگ حق و صداقت پر تھے، اور سچے دل فطری پاکیزگی اور صفائی کے علاوہ آپکے مواعظ و نصائح سے پاک و صاف ہو گئے تھے، اس لیے حق و صداقت کے سوا کسی چیز کا نقش ان پر قائم نہیں ہو سکتا تھا، اور باطل کے لیے ان میں کوئی جگہ نہ تھی، اس لیے تمام امور واقعہ کے مطابق حق و صداقت کے ساتھ انجام پاتے تھے، یہی حال خلفاء راشدین کے زمانے کا تھا، کہ جس طرح سورج کے ڈوبنے کے بعد بھی کچھ دیر تک روشنی قائم رہتی ہے، اسی طرح آفتاب نبوت کے ڈوبنے کے بعد بھی خلفاء راشدین کے زمانے کے لوگوں کے دلوں پر بھی غفلت کا زنگ لگنے نہ پایا، لیکن جب رفتہ رفتہ لوگوں کے حالات بدل گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے بالکل بعد ہو گیا اور لوگوں کے دل زنگ خوردہ ہو گئے، نوبت یہاں تک

اشارہ ین یمین الدولہ سکندر کی تعریف اس حد تک کی کہ اتنی طویل مدت مین عقلمندون
کے کسی فرد نے اس بادشاہ کے کسی قول و فعل سے گرفت نہیں کی، بادشاہ نے فرمایا کہ چونکہ
سکندر فیلقوس رومی کی نبوت ثبوت کے درجہ تک نہین پہونچی ہے، اور محققین ائمہ
تاریخ کے قول کے مطابق اسکندر ذوالقرنین دوسرا شخص ہے، اس لیے مجھکو ادب
کے ساتھ اس کے قول و فعل پر دو اعتراضات ہیں پہلا یہ کہ دارا کے قاصد کے جواب مین
جب اس نے سونے کے وہ انڈے مانگے تھے جن کو اس کا باپ فیلقوس ہر سال بطور
خراج دیتا تھا تو اس نے کہا کہ

شد آن مرغ کو خایۂ زرین نہاد

اس قسم کی بات اپنے باپ کے متعلق کہنا نہایت بے ادبی ہے، کیونکہ مرغیان نہایت حقیر
جانور ہین اور اسی کے ساتھ انڈا دینا ان کی نسوانیت کو مستلزم ہے، دوسرا اعتراض یہ
ہے کہ اس قاصد کے لباس مین نوشابہ کی مجلس مین جانا دور اندیشی اور احتیاط کے خلاف
تھا، اور یہ طریقہ عقلمندون کے طریقہ سے الگ ہے، کیونکہ عقلمند ایسا کام نہین کرتے
جس سے ان کو پسپائی ہو، حاضرین مجلس نے ان باتون سے اتفاق کیا۔

ایک دوسری مجلس کا تذکرہ بھی ملاحظہ ہو:۔

مہینے کی انیسوین تاریخ کو جبکہ تمام حکماء و شعراء دربار مین حاضر تھے، ہر قسم کی گفتگوئین
شروع ہوئین، اور اسی سلسلے مین ایک تقریب سے صوبجات کے ایک دیوانی کے عہدہ دار
کا ذکر آیا کہ وہ کاروبار اور تمام معاملات مین نہایت سخت گیری سے کام لیتا ہے، اعلیٰ
حضرت نے فرمایا کہ کارگذاری کا یہ مناسب طریقہ نہین، کیونکہ کام مین سخت گیری اور
اس کے دائرے مین تنگی کرنے کا انجام یہ ہوگا کہ کامون کے کرنے مین سستی اور کاہلی ظاہر

سے معلوم ہوگا، جو اس نے اپنی بیاض خاص مین لکھ رکھی تھین،

"روندادن بمردم بد، نرنجیدن بعدم حصول مقصد، نرنجانیدن مردم خوب فراج، ندادن خواستن بکمال احتیاج، صحبت داشتن با اہل معاد و جستجو کردن قابلان با استعداد، باز پیش خود بردم جہان، دادن بار باب استحقاق بقدر توفیق پیش از سوال، مکرم داشتن اہل فضل معروف نمودن مزاج بعدل میل نکردن باقوال غیر عقائد، بے خبر نبودن از احوال متوکلان بے مکائد، غنیمت داشتن وجود یگانگان کہ بیگانہ از خلق باشند، پیش داشتن جمیکہ مصالح امور دنیا و عقبیٰ بوَوند"

یہ نکات علمی اور عملی حیثیت سے کس قدر سبق آموز ہین، عالمگیر نے ان کو شاہجہان کی بیاض سے نقل کر کے اپنے فرزند عالیجاہ شاہزادہ معظم کو بطور نصیحت لکھ بھیجا تھا،[1]

شعراء

اکبر اور جہانگیر نے شعراء کی سرپرستی مین جو شاہانہ فیاضیان کین، ان کے غلغلہ سے ہندوستان اور ایران گونج رہا تھا، ایران سے شعراء ہندوستان اُمڈے چلے آرہے تھے، اور بقول مولانا شبلیؒ ایران اور ہندوستان ایک مکان کے دو صحن بن گئے تھے، چنانچہ شاہجہان کے دربار مین بھی شعراء کی تعداد بکثرت رہی، بلکہ وہ اپنی فیاضی و قدر دانی مین اکبر اور جہانگیر دونون سے بازی لے گیا، اس نے شعراء و فضلاء کے ساتھ جود و دہش اور انعام و اکرام کا ثبوت دیا ہے اس کی نظیر مشکل سے شاید ہی کسی حکمران خاندان مین پائی جائے گی،

لطف اللہ مہندس[2] نے جو دارا شکوہ کے مقربان خاص مین تھا، شاہجہانی شعراء کے نام مندرجہ ذیل اشعار مین نظم کئے ہین:-

---

[1] وقائع عالمگیری مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی۔ [2] لطف اللہ مہندس کے حالات کے لیے دیکھو مضمون تاج محل اور لال قلعہ کے معمار، از علامہ سید سلیمان صاحب ندوی، معارف فروری و مارچ، اپریل ۳۶ء

پہونچی کر سیہ کار ظالمون نے حضرت عثمانؓ ذی النورین کی شمع زندگی کو بجھا دیا، اور اس حالت مین دنیا حق و صداقت پر قائم نہ رہ سکی، اسی بنا پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اقامت حق مین جو ان کا مقصود تھا کامیابی نہ ہو سکی"۔ (عمل صالح جلد دوم صفحہ ۳۲)

شاہجہان شاعر تو نہ تھا، مگر شعر و شاعری سے اس کو غیر معمولی مناسبت تھی، جیسا کہ آیندہ صفحات سے اندازہ ہوگا، جب ہم شعرا کے ساتھ اس کی قدردانی کی تفصیل بیان کرین گے، مگر ایک بار اس نے شہزادہ اورنگ زیب کو ایک رباعی لکھکر اپنی پدرانہ محبت کا جو ثبوت دیا تھا، اس کا یہان پر ذکر کرنا شاید بے جا نہ ہوگا، اورنگ زیب کی شادی کی تقریب انجام پانے والی تھی، اورنگ زیب دولت آباد سے چل کر دہلی آیا تو نور منزل مین مقیم ہوا، شاہجہان اس مسرت و انبساط کے جشن کے موقع پر غایت اشتیاق مین بیٹے سے جلد از جلد ملنا چاہتا تھا، اس لیے کلیم کی یہ رباعی اپنے ہاتھ سے لکھ بھیجی:

باناختہ پیش از خبر آئی چہ شود ۔۔۔ با مژدہ اگر زود در آئی چہ شود

از زود اگر زود تر آئی چہ شود ۔۔۔ زود آمدنت نظر بشوقم دیر است[1]

شاہجہان اپنے گوناگون مشاغل کے باوجود روزانہ کتابون کا مطالعہ جاری رکھتا تھا، جب تمام کامون سے فارغ ہو کر رات کو سونے جاتا، تو اس کے مقربان خاص پردہ کے پیچھے سے کتابین پڑھتے تھے، جو زیادہ تر انبیار، اولیا، و سلاطین کی سوانحمریان اور تاریخین ہوتین، وہ ظفرنامہ اور واقعات بابری کو بہت پسند کرتا تھا،[2]

اس کا گھر خود علم و ادب کا گہوارہ تھا،[3] اس کے دربار مین علمی شان و شوکت، دیرینہ روایات کے ساتھ قائم رہی، وہ اہل علم و فضل کو کن نظرون سے دیکھا کرتا تھا، یہ ذیل کے بند و نصائح

[1] عمل صالح جلد دوم ص ۳۰۴ [2] بادشاہ نامہ اول ص ۱۵۰ [3] شاہجہان کی اولاد کی علم نوازی کا حال ہم تیموری شہزادون اور شہزادیون کے علمی ذوق کے سلسلے مین لکھین گے۔

قدسی کو انعام مین دیدین، سنہ ١٠٤٢ھ[1] مین قدسی شاہجہان کی خدمت مین حاضر ہوا، اور ایک قصیدہ کہا جس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

اے قلم برخود ببال از شادی و بشارتان — در ثنای قبلۂ اقبال خاقان زمان

جوہر اول شہاب الدین محمد کز ازل — از برای خدمتش زد چرخ دامن بر میان

اختر برج کرامت مظہر لطف اِلٰہ — جوہر تیغ شجاعت مصدر امن و امان

آنکہ از آغاز فطرت بستہ شہباز ظفر — چو عقاب تیر بر شاخ کمانش آشیان

گر مخالف ور موافق از ولایش دم زنند — با بد و نیک است چون خورشید گرم و مہربان

سرمۂ چشم غزالان سازد از داغ پلنگ — سازگاریہای عدلش چو نہد با درمیان

شہرت آثار عدلش زود بر خواہد گرفت — تہمت زنجیر عدل از گردن نوشیروان

خوش نشست از نقش پایش نقش ہفت اقلیم — ربع مسکون گو دگر بنشین بعیش جاودان

آفتابی اینچنین طالع نشد در ہیچ قرن — از زمان حضرت صاحبقران تا این زمان

جنت دولت کہ میند با تو خود را در رکاب — مرحبا نصرت کہ باشد با تو دائم ہمعنان

مراۃ الخیال کے مؤلف کی روایت ہے کہ اس قصیدہ کے صلہ مین شاہجہان نے قدسی کے منہ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا، اصل عبارت کا لفظی ترجمہ یہ ہے:

"چند روز کے بعد (یعنی عبد اللہ خان سے انعام پانے کے چند دن کے بعد) محمد جان نے صاحبقران ثانی کی مدح میں اور بھی زیادہ رنگین قصیدہ کہکر سنایا، بادشاہ عبد اللہ خان کی بخشش کا حال سن چکا تھا، اس سے کہا کہ حاجی! عبد اللہ خان نے تم کو جو انعام دیا ہے وہ کوئی اور نہیں دے سکتا ہے لیکن اس نے جواہرات کی مختلف قسمیں طلب کیں،

[1] مراۃ الخیال ص ١٣٠؛ [2] عمل صالح ج ٣ ص ٩-٣٠٨؛

وحید دہر امانی بن مہابت خان　　دلے نجان زمان است شہرۂ دوران

دگر یگانہ ظفر خان تخلص احسن　　ربودہ گوے سخن از سخنوران دفن

دگر وحید زمن آشنا عنایت خان　　بود بہجر سخن آشنا عنایت خان

دگر وحید زمن شادمان غم پرور　　بیان شادی و غم در کلام او مضمر

دگر سخنور کشمیر محسن فانی است　　بقاے نام وے از دولت سخندانی است

مہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد　　کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد

لبیب عصر محمد حسین آشوب است　　سخنورے کہ سخنہاش جملہ مرغوب است

دگر وحید زمان ست طالبا کلیم　　کہ شعر او ید بیضا است نزد طبع سلیم

دگر فرید جہان قدسی محمد خان　　بعہد شاہجہان گو ربودہ از اقران

الٰہی ہمدانی است در سخن استاد　　سخنورے است کہ داد سخنوری می داد

لبیب از منہ امی نخواندہ ہیچ کتاب　　ز فیض حق شدہ مفتوح بر خش صد باب

دگر وحید زمن باقیا تر از او　　خوش است ہمچو غزلہاے عاشقانۂ او

فصیح از منہ فتحا کہ چو غزل می گفت　　بچو عندلیب غزلخوان در دگر می گفت

اس چمنستان شعرا کا گل سر سبد حاجی محمد جان قدسی تھا، جس کو تمام انواع سخن پر قدرت حاصل تھی، مشہد کا رہنے والا تھا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تعلیم پاکر ہندوستان آیا، خواجہ عبد اللہ خان زخمی کی مدح میں، جو ہفت ہزاری منصب کا شاہجہانی امیر تھا، ایک قصیدہ کہا، عبد اللہ سفر میں تھا، قدسی نے قصیدہ پڑھا، تو عبد اللہ خان اس قدر متاثر اور محظوظ ہوا کہ اپنی مسند سے اٹھ گیا، اور قدسی کو اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر باہر نکل کر اپنا خیمہ اور اس کے تمام متعلقات اور لشکر کی تمام چیزیں

۱؎ دیکھو مضمون ہذا و فہرست کتب خانہ شاہ اودھ از ڈاکٹر اسپرنگر صفحہ ۱۱

کے دربار مین ملک الشعراء طالب آملی کے مقابلہ مین اگرچہ اسکو فروغ حاصل نہ ہوسکا ۔ لیکن شاہجہان کے عہد مین کلیم کا کلام شعلہ طور بن کر چمکا، اس کے اشعار کے حسن تعلیل، خیال بندی، ترکیبون کے سلجھاؤ، روزمرہ کی صفائی، محاورات کی برجستگی، شگفتگی اور روانی سے اس عہد کی شاعری جگمگا اٹھی، اسی لیے شاہجہان کے دربار سے اس کو ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۱۰۴۳ھ مین جب شاہجہان نے ایک کرور روپیہ کی لاگت سے تخت طاؤس تیار کرایا، اور آگرہ مین جشن نوروز کے موقع پر اس پر جلوس کی رسم ادا کی تو دربار کے شعراء نے اس تقریب میں قصائد کہہ کر اپنی لیاقت و ذہانت کا ثبوت دیا، کلیم نے بھی ایک قصیدہ کہا جس کے جستہ جستہ اشعار ملاحظہ ہون،

خجستہ مقدمہ نوروز و غرہ شوال   فشاندہ اند گل عیش بر سر مہ و سال

بچشم مردم دار الخلافہ عید نویست   غبار موکب شاہجہان جہان جلال

شرف پذیرہ نوروز در چنین عیدی   کہ بادشاہ نشیند بہ تخت استقلال

بوصف تخت مرصع گہر فشان گشتم   خدا نصیب کند عمر خضر و طول مقال

ہزار سیلان یاقوت و صد بدخشان لعل   برونمائی گرفت است تا نمود جمال

توان ز آتش یاقوت آن چراغ افروخت   کہ نے ز باد رسد آفتش نہ ز آب زلال

فتادہ پرتو یاقوت و لعل بر الماس   چنانکہ عکس چراغان فتد در آب زلال

زمردش تازہ تر ز سبزۂ نو   کہ اجتماع نقیضین را شمردہ محال

طلائے تخت شدی آب ز آتش یاقوت   اگر نہ قطرہ فشانی می شدی ز لال لال

بماند از دو دیگر ہر آنچہ خواہی ہست   ز شان و شوکت و فر و شکوہ و حسن و جمال

شاہجہان کو یہ قصیدہ اس قدر پسند آیا کہ کلیم کو اس کے صلہ میں روپے کے برابر تلوایا، جو ۵۵۰۰ وزن مین آئے، اور اس کو عطا کئے، ۱۰۵۰ھ مین جشن وزن شمسی کے موقع پر شاہی خزانہ سے کلیم کو کچھ

لہ بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۷۹، عمل صالح ج ۲ ص ۱۰۰

اور حکم دیا کہ اس کا (یعنی قدسی کا) منہ سات بار ان موتیوں سے پر کیا جائے، سامنے سونے کا طشت رکھا ہوا تھا، قدسی کا منہ بھر جاتا تو اس طشت میں موتیوں کو گرا دیتا تھا[1]

اس قصیدہ کے بعد شاہجہان نے قدسی کو اپنے دربار سے منسلک کر لیا، جہان سے اس کو روزانہ وظیفہ ملتا تھا، اور جب اس نے دربار میں اپنی شاعری و نکتہ سنجی کا سکہ بٹھا دیا، تو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، ۱۰۴۵ھ میں اس نے جشن نوروز کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا جس کو شاہجہان نے بہت پسند کیا، انعام میں اس کو روپے میں تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار پانچ سو تھے[1]۔ ۱۰۴۹ھ میں قدسی کو کچھ اشعار کے صلہ میں سو اشرفیان مرحمت ہوئین، جہان آرا بیگم کی صحت یابی کے موقع پر قدسی نے ایک قصیدہ کہا تو شاہجہان نے دو ہزار روپے عطا کئے[2]۔ جہان آرا بیگم کے جلنے کے موقع پر قدسی نے ایک رباعی لکھکر گذرانی، اس کی آخری بیت یہ ہے (کلمات الشعرا)

نا سر زدہ از شمع چنین بے ادبی پروانہ ز عشق شمع واسوختہ است

قدسی کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں ہوا، ابوطالب کلیم نے ایک مرثیہ لکھا جس کے ایک ترکیب بند سے تاریخ نکلتی ہے، ع دور از ان بلبل قدسی چمنم زندان شد،

قدسی نے ایک مثنوی "تعریف کشمیر و صعوبت راہ" بھی لکھی، (کلمات الشعرا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

قدسی کا مد مقابل ابوطالب **کلیم** تھا، کلیم کاشان کا رہنے والا تھا، جہانگیر کے عہد حکومت مین ہندوستان آیا، لیکن ۱۰۲۸ھ مین وطن واپس چلا گیا، پھر ہندوستان آیا، جہانگیر

---

[1] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۱۴۲، [2] عمل صالح حصہ دوم ص ۴۱۸، سرو آزاد (ص ۶۲) مین ہے کہ قدسی بادشاہ نامۂ صاحبقرانی بنظم اوردہ۔" تذکرۂ سرخوش مین ہے کہ "ظفر نامہ شاہجہان با حسن وجوہ و طرز دلخواہ بفصاحت و بلاغت تمام ادا کردہ"

مین صرف کرتا تھا، مگر بقول مولانا شبلی کلیم کا اصلی کمال غزل گوئی ہے[1]، اس کا خاص رنگ مضمون بندی اور خیال آفرینی ہے، اس کا ہر شعر قوت تخیل کا ایک منظر ہے، جب اس کا انتقال ہوا تو غنی کشمیری نے تاریخ وفات یہ کہی

گفت تاریخ وفات او غنی ۔۔۔ طور معنی بود روشن از کلیم (۱۰۶۱ھ)

کلیم نے بہت سی مثنویان بھی لکھین، تعریف اکبر آباد، قحط دکن، صعوبت دکن کے علاوہ ایک مثنوی بادشاہ نامہ بھی تکمیل کی جس مین عہد شاہجہانی کے ۱۰۴۶ھ تک کے حالات ہین، یہ شاید قدسی کی مثنوی ظفرنامہ شاہجہانی کے تتبع مین لکھی گئی جس مین ۱۰۴۶ھ تک کے واقعات ہین،

(بقیہ حاشیہ) بعہد عدل او واپس ستاند ۔۔۔ چمن از خاک زرہاے خزان را

کفش برواخت کان گوہر و زر ۔۔۔ فلک برچید آخر این دکان را

درون شیشۂ افلاک بیند ۔۔۔ لبالب مے فضاے آسمان را

(حاشیہ صفحہ ہذا) [1] مراۃ الخیال (ص ۹۴-۱۰۵) میں کلیم کی کچھ منتخب غزلین منقول ہین، ان مین سے ایک ہم بھی ناظرین کی ضیافت کے لیے پیش کرتے ہیں،

پیری رسید و مستی طبع جوان گذشت ۔۔۔ ضعف تن از تحمل رطل گران گذشت

وضع زمانہ قابل دیدن دوبارہ نیست ۔۔۔ رو پس نکرد ہر کہ ازین خاکدان گذشت

در راہ عشق گریہ متاع اثر نداشت ۔۔۔ صد بار از کنار من این کاروان گذشت

طبعے بہم رسان کہ بسازی بعالمی ۔۔۔ یا ہمتی کہ از سر عالم توان گذشت

در کیش ما تجرد عنقا تمام نیست ۔۔۔ در قید نام ماند اگر از نشان گذشت

بدنامی حیات دو روزی نبود بیش ۔۔۔ آن ہم کلیم با تو بگویم چسان گذشت

یک روز صرف بستن دل شد باین و آن ۔۔۔ روز دگر بکندن دل زین و آن گذشت

اشعار کے صلہ مین ایک ہزار روپے ملے، سنہ ۱۰۴۹ھ مین کلیم شاہجہان کے ساتھ کشمیر گیا، اس جگہ کی دلآویزیون اور رنگینیون کو دیکھ کر فریفتہ ہوگیا، بادشاہ سے وہان قیام کی اجازت چاہی، جو منظور ہوئی، یہین بیٹھکر شاہی فتوحات منظوم کرتا تھا، جس کے لیے کلیم کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا، سنہ ۱۰۵۵ھ مین شاہجہان پھر کشمیر گیا، تو کلیم نے تہنیت کا قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس کے انعام مین خلعت اور دو سو اشرفیان پائین، شاہجہان جب واپس ہونے لگا، تو کلیم نے پھر ایک قصیدہ کہا، اور دو سو اشرفیان پھر انعام مین ملین،[1] کلمات الشعراء مؤلفہ سرخوش مین ہے کہ قیصر روم نے شاہجہان کو خط لکھ کر یہ اعتراض کیا کہ صرف ہندوستان کا بادشاہ ہوکر شاہجہان کا لقب اختیار کرنا صحیح نہیں، اس اعتراض پر شاہجہان بھی کچھ پریشان ہوا، اور یمین الدولہ سے اپنے لقب کو بدلنے کے لیے مشورہ کرنے والا تھا، کہ کلیم نے ایک قصیدہ لکھ کر پیش کیا، جس مین لقب کی یہ توجیہ کی،

ہند و جہان ز روی عدد ہر دو چون یکیست | شہ را خطاب شاہ جہانی مبرہن است[2]

شاہجہان نے خوش ہوکر روپے مین اس کو تلوا دیا،

کلیم نے بہت سے قصائد کہے،[3] ان قصائد مین طبیعت کا اصلی زور تشبیب خصوصًا بہاریہ تمہید

---

[1] بادشاہ نامہ جلد دوم صفحہ ۴۴۹، نیز شعر العجم حصہ سوم مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۔ [2] یہ شعر اس طرح بھی نقل کیا گیا ہے

ہند و جہان ز روے عدد چون برابر است | بر شہ خطاب شاہجہان زان مقرر است

[3] مولانا شبلی شعر العجم حصہ سوم (صفحہ ۲۱۰) مین اس کے ایک قصیدہ کا کچھ حصہ نقل کرتے ہین، جو شاید شاہجہان ہی کی شان مین کہا گیا تھا، اس کی جدت آفرینیان ملاحظہ ہون

بعہد ش آنچنان در خواب امن است | کہ بادپا سبانے پاسبان را

بملکش راہ زن مانند جادہ | بمنزل میرساند کاروان را

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۸۳)

بھی اس کا بڑا قدردان تھا، ارباب علم کے ساتھ اس کی فیاضی مشہور تھی، مآثر الامراء، جلد ۲ (ص ۷۶۱)، مین ہے،

"ظفرخان ایرانیون کو بکثرت روپے دیتا تھا، خصوصاً شعراء کے ساتھ خوب بذل وکرم کرتا، صاحب استعداد شعراء اپنے وطن سے دل برداشتہ اس کی بارگاہ مین پہنچتے، اور جن احسانات کی توقعات کے ساتھ آتے، وہ پوری ہوتین، افصح المتاخرین مرزا صائب تبریزی ایران سے کابل آیا تو اس کی (یعنی ظفرخان کی) گرم جوشی اور فیاضی سے اس کی صحبت مین اس کی دلبستگی ایسی ہوئی کہ مدتون ظفرخان کے ساتھ ہندوستان مین رہا، چنانچہ کہتا ہے،

خانِ خانان را بہ بزم ورزم صائب دیدہ ام

در سخا و در شجاعت چون ظفرخانِ تو نیست

ظفرخان کے ذوق شاعری کا اندازہ اس سے بھی ہوگا کہ وہ اپنے عہد کے تمام شعراء شلاً صائب، کلیم، قدسی، سیدای زرگری، سالک یزدی، سالک قزوینی، دانش اور میر صیدی وغیرہ کے کلام کو ایک بیاض مین ہر ایک کے دست خاص سے لکھوایا تھا، اور ہر ایک کی تصویر اس کے ساتھ منسلک کرائی تھی[1]، وہ خود بھی صاحب دیوان تھا، میر غلام علی آزاد بلگرامی نے اس کے دیوان سے مآثر الکرام جلد دوم (ص ۹۶) مین حسب ذیل اشعار منتخب کئے ہیں:

دلم بکوے تو امید وار می آید | نگاہ دار کہ روزے بکار می آید
در گوشہ میخانہ ہمین گفت و شنید است | بیاران برسانید دماغے شب عید است
در زبان ہند چون او دلبر خود کام نیست | رام رام گرچہ می گوید ولیکن رام نیست

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۶۷، و مجمع النفائس

کلیم کو شاہ جہان کی فرمایش پر شعر کہنے کی قدرت اتنی حاصل تھی کہ اس نے شاہی تخت مرصع، شاہی سپر، شاہی شمشیر اور شاہی قلمدان پر اشعار کہے، شاہ جہان نے اپنی ہر چیز پر اس کے اشعار کندہ کرا دیے تھے، (کلمات الشعرا، قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی)

ظفر خان احسن کو شاہ جہانی عہد کا عبدالرحیم خانخانان سمجھنا چاہیے، مجمع النفائس مین ہے

"بعد از عبدالرحیم خانخانان مثل او از امرائے ہندیہ نشان ندارد"[1]

نام اصلی احسن اللہ، تخلص احسن اور ظفر خان خطاب تھا، اس کا باپ خواجہ ابوالحسن تربتی خراسان سے اکبر کے زمانہ مین ہندوستان آیا، شہزادہ دانیال کا وزیر اور دکن کا دیوان مقرر ہوا، جہانگیر کے زمانہ مین پہلے میر بخشی پھر دیوان کل کے عہدہ پر مامور ہوا، اور پنج ہزاری منصب سے سرفراز کیا گیا، کابل کا حاکم بھی مقرر ہوا، شاہ جہان کے زمانہ مین شش ہزاری و شش ہزار سوار کا منصب اور کشمیر کا علاقہ عطا ہوا، اس کے مرنے کے بعد احسن اللہ شاہانہ عنایت سے مستفیض ہوا، جہانگیر کے زمانہ ہی مین وہ باپ کی جگہ کابل کا حاکم، اور ظفر خان کے خطاب سے سرفراز کیا جا چکا تھا، شاہ جہان نے خواجہ ابوالحسن کی زندگی ہی مین ظفر خان کو کشمیر کی حکومت تفویض کی، جہان سے اس نے تبت پر فوج کشی کی، کچھ دنون ٹھٹھہ کا بھی حاکم رہا، وہ ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا صائب سے مشق سخن کرتا، ..... رفتہ رفتہ اس کا ذوق اتنا بڑھا کہ خود مرزا صائب اس کی سخندانی کا مداح ہو گیا، وہ جب صائب کے کلام پر نکتہ چینی کرتا تو خود صائب اس کی داد دیتا، چنانچہ صائب ظفر خان کو مخاطب کر کے ایک قصیدہ مین کہتا ہے:

تو جان زدخلِ بجا مصرع مرا دادی	تو از فصاحت دادی خطاب سجانم

صائب کو ظفر خان کی مداحی پر فخر تھا، اس کی شان مین بہت سے قصائد کہے، ظفر خان

---

[1] مجمع النفائس، قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

بڑی قدرت تھی، "آشنا" تخلص کرتا تھا، سنا ہے کہ دو سال ہوئے اسکا انتقال ہوگیا ہے"

یہ لکھکر آشنا کی رباعیاں اور اشعار بھی نقل کئے ہیں، مثلاً شاہی آئینہ خانہ کی تعریف

مین وہ کہتا ہے:

جنذا این نشیمن والا — کہ بود رشک عالم بالا

دل زکعت بردہ حسن دلجویش — طاق آئینہ چشم و ابرویش

کردہ بنائے این نکو منزل — از یک آئینہ اش تمام چو دل

ایک غزل کے دو شعر ملاحظہ ہون:

چشم آن لحظہ کہ در ہجر تو بیمار شود — خار پشت مژہ ام غیرت گلزار شود

عقل ناچار کشد زحمت آلایش نفس — دایہ پرہیز کند طفل چو بیمار شود

ایک رباعی بھی سننے کے قابل ہے:

کم ظرف ز عشق خرمن ہستی سوخت — پر حوصلہ نور زندگانی افروخت

کاہید خرد ز عشق و افزود جنون — از باد چراغ مرد و آتش افروخت[۱]

کشمیر پر ایک مثنوی بھی لکھی[۲]، ایک ساقی نامہ بھی اس کی طرف منسوب ہے، وہ جب

شاہی کتب خانہ کا نگران تھا، تو عبد الحمید لاہوری اور محمد امین قزوینی کی تاریخون کا ایک

ملخص تیار کیا، جس مین شاہجہانی عہد کے پہلے تیس سال کے حالات تھے[۳]، اسکے نام شاہجہان نامہ

کے نام سے اس کے اقتباسات جلد ہفتم مین دیے ہین،

جہانگیری عہد کے جلیل القدر امیر اور شاہجہان کے مربی مہابت خان سپہ سالار کا لڑکا

۱؎ تذکرہ نصرآبادی صفحہ ۵۹-۵۰۰ ۲؎ فہرست کتب خانہ شاہ اودھ صفحہ ۳۳۹ ۳؎ برٹش میوزیم کیٹیلاگ، فارسی مخطوطات جلد اول صفحہ ۲۶۰

شادم بدل تنگی خود کہ پیش من | قدر دل شکستہ چو زلف شکستہ است

گوشۂ چشمی اگر ساقی بما دارد بجاست | عمرہا در گوشۂ میخانہ خدمت کردہ ام

ظفرخان نے دو مثنویان بھی لکھین، ایک لاہور، پنجاب، کشمیر اور آگرہ وغیرہ کی تعریف مین تھی، دوسری مثنوی کا نام میخانۂ راز تھا،[1]

مرزا محمد طاہر **آشنا**۔ ظفرخان کا لڑکا تھا، اس کی ماں بزرگ خانم ممتاز محل کی بڑی بہن ملکہ بانو کی لڑکی تھی، شاہ جہان نے اس کو بہت ہی کم عمری مین یعنی جب وہ صرف سات سال کا تھا منصب عطا کیا، اور جب سن شعور کو پہنچا تو ہزار و پانصدی کے منصب پر مامور ہوا، اور اسی کے ساتھ "داروغہ حضور" بنایا گیا، یہ عہدہ صرف خاندان کے معتبر اراکین کیلئے مخصوص ہوتا تھا، شاہجہانی عہد کے آخر مین وہ شاہی کتب خانہ کا داروغہ مقرر ہوا، شاہجہان نے اس کو ہمیشہ اپنا ندیم خاص بنا کر رکھا، آشنا نے اپنی عمر کا آخری حصہ کشمیر مین گذارا، عالمگیر کے زمانہ مین اس کو چوبیس ہزار روپے سالانہ کا وظیفہ ملتا تھا، باپ سے شعر و شاعری کا ذوق وراثت مین پایا تھا، مآثر الامراء مین ہے:

"در معنی بندی و سخن سنجی استاد است، صاحب مثنوی و دیوان"[2]

تذکرہ نصرآبادی کا مولف رقمطراز ہے:

"بڑا سمجھدار جوان تھا، لیکن طبیعت مین شوخی تھی، اپنے دوستون مثلاً ابوطالب کلیم اور دوسرے شعراء کو اپنے گھر مین بلاتا، اور کھانے کی چیزون مین نشہ آور چیزین ملا دیتا، ...... مجھ پر بھی وہ مہربان تھا، اور اس سے غائبانہ ملاقات تھی، کئی بار خط بھی لکھا، اپنا دیوان، خسرو کی غزلیات اور دوسری کتابین بھی میرے پاس بھیجین، شاعری مین اس کو

[1] فہرست کتب خانۂ شاہ اودھ ص ۲۲۶۔ [2] مآثر الامراء جلد دوم ص ۷۶۲،

سے مالا مال کرتا رہتا تھا۔[1] جب تخت طاؤس تیار ہوا تو قدسی، کلیم اور دوسرے درباری شعرا کے ساتھ شادمان نے بھی ایک قصیدہ کہا جو پسند کیا گیا، اور وہ یہ ہے:

صبحدم کز فیض گشتم ہمنشین آفتاب
نقش نام شاہ دیدم در نگین آفتاب

شاہ دین پرور شہاب الدین محمد بادشاہ
ثانی صاحب قران مہ قرین آفتاب

تا قرین آفتابش گفتہ ام ہستم خجل
زانکہ باشد سایۂ حق برترین آفتاب

معجز وصف سریرش بین کہ میکارم بذوق
تخم گلہاے مدیحش در زمین آفتاب

تخت شاہنشاہ ما ز آب گہر پیدا کند
موج دریاے خجالت بر جبین آفتاب

صفحۂ اشعار من از وصف تخت بادشاہ
چون ید بیضا بود در آستین آفتاب

روے اورنگ شہنشہ ز آب و تاب لعل و دُر
خیرگی بخشد بچشم دوربین آفتاب

خوبی اعجاز مدح شاہ را نازم کہ ساخت
از بلندی معنی من دلنشین آفتاب

شادمان ظل شہنشہ بر جہان پایندہ باد
تا بود رخش فلک در زیر زین آفتاب[2]

شیخ محمد محسن **فانی**۔ کشمیری ملا طاہر غنی کشمیری کے استاد تھے، جو ان کے علمی کمالات کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مراۃ الخیال میں ہے

"مالک مسالک نکتہ دانی شیخ محسن فانی فاضل متبحر و صاحب جاہ و پاکیزہ روزگار و خوش گو و خوش صحبت بودہ۔" (ص ۱۵۲)۔

ید بیضا میں آزاد بلگرامی لکھتے ہیں

"از اہالی کشمیر است، درویشی صوفی مشرب صاحب ذوق بودہ، غنی کشمیری بخدمت وی

[1] مراۃ الخیال ص۲۵ میں ہے "شاہمان باوجود لکنت زبان طبعی بغایت چالاک داشت و صاحب قران ثانی با فکرش ہموارہ سرخوش بودہ مورد انعامات فاخرہ میگردانند۔" [2] ایضاً ص۲۵۱

مرزا امان اللہ بھی صاحب علم اور صاحب سخن تھا، امانی تخلص کرتا تھا، جہانگیر کے زمانہ میں اس کو سہ ہزاری منصب اور خانہ زاد خان کا خطاب ملا، شاہجہان نے اس کو پنجہزار سوار کا منصب اور خان زمان کا خطاب عنایت کیا، مختلف اوقات میں وہ کابل، بنگالہ، مالوہ اور دکن کا صوبیدار رہا، شجاعت و سپہگری کے علاوہ علوم و فنون کی سرپرستی کے لیے بھی مشہور تھا، اس کی کئی تصنیفیں، تاریخ سلاطین عالم، مجموعۂ گنج بادآورد، اور ایک دیوان تھا[1]، اس کی سخن سنجی کی داد تذکرہ نگاروں نے دی ہے، تذکرہ نصرآبادی میں ہے (ص ۵۹)

"شورش خانی از طبعش نیست"۔

آزاد بلگرامی ید بیضا میں لکھتے ہیں:

"در وادی شعر نہایت خوش سلیقہ است"۔

مرزا محمد طاہر نصرآبادی نے اس کے جو اشعار پسند کئے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

بر دور جام ما بنویسید نام او   تا نام ما بدور بماند ز جام ما

دوران اگر بکام نگردید گو مگرد   این بس کہ دور جام بگردد بکام ما

ہر نفس از گریہ می شوئیم دل افسردہ را   شست شو از آب حیوان می دہم این مردہ را

(رباعی)

بیگانہ خویشم آشنا می خواہم   در پہلوی عندلیب جا می خواہم

چون غنچہ ہیا ی شگفتن شدہ ام   تحریک نسیمی از صبا می خواہم

سلطان شادمان۔ پنجاب اور حسن ابدال کے درمیان بسنے والی قوم گکھر کے حکمران خاندان کی نسل سے تھا، مرآۃ الخیال کا مصنف اس کو ایک "عالی فطرت" اور "نیکو بیان" شاعر کہتا ہے، اس کی زبان میں لکنت تھی، مگر شاہجہان کو اس کا کلام بہت پسند تھا، اسی وجہ سے اس کو انعام و اکرام

[1] ماثر الامرا جلد اول ص ۷۰۴،

چلتیہ می گیرد چو نرگس دست گلچین را بزر | لالہ می بندد حنا چون گل بپای باغبان
گل ز شبنم ہار با چنبیلی بگردن افگند | تا تواند شد حریف شاہد ہندوستان
باغ و صحرا سبز شد از فیض ابر نو بہار | شد ہمہ صحن زمین ہم رنگ بام آسمان
چشم نرگس از سواد ہند روشن می شود | در گلستان لالہ از سرمہ پر شد سرمہ دان
گرچہ گلہا ہم غزلہا خواندہ در وصف بہار | لیک نبود در چمن چون سبزہ کس رطب اللسان
بسکہ سوسن می کند بادہ زبان وصف چمن | دور نبود گر ز حیرت غنچہ را وا شد دہان
تا لب جو سبز شد از فیض ابر نو بہار | جدول زنگار دارد صفحۂ آب روان
سیم و زر را وام می گیرد ز چنبیلی و بیل | نرگس از بہر نثار ثانی صاحبقران
بادشاہ قدر دان شاہ جہان کز فیض او | گوشۂ باغ جہان شد رشک گلزار جنان
از ہوائے کرم در ہندوستانش باک نیست | بر سرش سایۂ بال ہما شد سایہ بان
نیست تنہا بار بردار وقار او زمین | بستہ گردون ہم کمر در خدمتش از کہکشان
جزیہ از کافر گرفتن پیش او چون فرض بود | ہمت از حاتم گرفت و عدل از نوشیروان
ہیچ کس از سفرۂ احسان او بے بہرہ نیست | شد ز دود مطبخش آباد چندین دودمان
در زمان دولتش نبود عدو ہم بے نصیب | می کشد در چشم دشمن سرمہ از میل سنان[1]

شیخ فانی نے ایک مثنوی مصدر الآثار بھی لکھی، اس کا آغاز اس شعر سے کیا:

بسم اللہ الرحمن الرحیم | تازہ نہالے است ز باغ قدیم[2]

محمد حسین **آشوب** کے بارہ میں غلام علی آزاد بلگرامی صرف اتنا لکھتے ہیں کہ ماژندران سے آکر ظفر خان احسن کے دربار سے وابستہ ہوا، مگر لطف اللہ مہندس کی نظم سے پتہ چلتا ہے کہ

---

[1] مرآۃ الخیال ص ۲۵۵، [2] ید بیضا ص ۱۷۱ قلمی نسخہ دار المصنفین

کسب کمالات کردہ"

صبح گلشن (ص ۳۰۸) مین ہے:

"دی در اکثر علوم علم یکتائی می افراشت"

دارا شکوہ کے بھی ندیم خاص رہے، اور اس کے یہان بڑی ثروت و عظمت حاصل کی، شاہ جہان نے الہ آباد کی صدارت تفویض کی، یہان حضرت شیخ محب اللہ الہ آبادی قدس سرہ سے سلوک کی تعلیم پائی، اور تصفیۂ دل اور تزکیۂ باطن کی نعمت سے سرفراز ہوئے، مگر جب نذر محمد خان والی بلخ و بخارا کو شاہی فوجون سے شکست ہوئی تو اس کے مال و اسباب مین شیخ فانی کا ایک دیوان بھی پایا گیا، جس مین اس کی شان مین ایک قصیدہ بھی تھا، شاہ جہان کو یہ بات ناگوار ہوئی، اور شیخ فانی کو صدارت کے عہدہ سے معزول کر دیا، لیکن ان کے علم و فضل کی قدر کی، اور سالانہ وظیفہ مقرر کر دیا، فانی نے بقیہ عمر کشمیر مین گزاری، ان سے فیضیاب ہونے کے لیے ان کے یہان امراء اور تلامذہ کا ہجوم رہتا تھا، ان کے کلام مین بڑی رنگینی، روانی اور لطافت ہوتی تھی، مثال کے طور پر ہم ایک قصیدہ پیش کرتے ہین، جو انھون نے شاہ جہان کی مدح مین کہا تھا، اس مین ہندی الفاظ اس طرح استعمال کیے گئے ہین کہ ان کی وجہ سے قصیدہ مین قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، شاہ جہان کی فیاضی، کرم گستری اور زرپاشی کے ساتھ ہندوستان کی جو تعریف کی گئی ہے، وہ بھی لائق توجہ ہے،

ز بہار آمد بسیر گلشن ہندوستان — زیبد ار طوطی بجاے پر بیارد برگ پان

چشم مردم از سواد ہند روشن می شود — کو نیارد کس متاع سرمہ را از صفہان

در چمن ہر صبح مینا می کند راگ بسنت — نیست طوطی را بجز کلیان چو بلبل بر زبان

بسکہ دارد در چمن میل گرفتاری بسرو — زیبد ار قمری ز طوق خویش بندد آشیان

تا دلم در صفت حسن غزل خوان شدہ است　　وصف ابروئے تو سر مطلع دیوان شدہ است

باقیا نائینی شاہجہانی دربار کا ایک مقبول شاعر تھا، نام باقی، اور وطن نائین تھا، عراق میں حکیم شفائی، اور خراسان میں مرزا فصیحی کی صحبت سے فیضیاب ہو کر ہندوستان آیا، طالب آملی کی وساطت سے مرزا غیاث بیگ اعتماد الدولہ کے دربار میں پہنچا، اور ایک قصیدہ پیش کر کے تقرب حاصل کیا، پھر شہزادہ خرم کی خدمت میں حاضر ہوا،[1] اور جب شہزادہ سریرآرائے سلطنت ہوا تو اس کو اپنی شاہانہ نوازش سے برابر سرفراز کرتا رہا، چنانچہ ۱۰۴۶ھ میں جشن نوروز کے موقع پر باقیا نے ایک قصیدہ کہا تو شاہجہان نے قدسی اور کلیم کی طرح اس کو بھی روپے سے تلوایا جو وزن میں پانچ ہزار..... ہوئے۔[2] شاعری کے ساتھ ساتھ موسیقی کا بھی ماہر تھا، چنانچہ معاصر مورخین ان فنون لطیفہ میں اس کے کمال کے مداح اور معترف ہیں، عبدالحمید لاہوری کا بیان ہے:

"باقیا نائینی را در شعر طبیعت روان و تصانیف فارسی او از آمیزش نغمات ہندوستانی تاثیر دارد"

عمل صالح (حصہ دوم ص ۲۳۰) میں ہے:

"سخنورے طبع روان دارد، و در تصنیف و تالیف نقمات بروش موسیقائے یونان و فارس بے نہایت ماہر است و تصانیف خود را کہ بر رونق ریختہ، طرز امیر خسرو دہلوی بنغمہ ہائے ہند برآمیختہ لہذا مرغوب و مطبوع سامع و طبائع افتادہ"

(بقیہ حاشیہ ص ۱۹۲) بہرہ مند است، لیکن کام فکر بر جادۂ خوشخیالی می گذاشت، در عہد شاہجہان بادشاہ بشاہجہان آباد رسیدہ، قصائد فصیحہ بحضور شاہی گذرانید و بجوائز مترقبہ متمتع گشتہ بوطن خود باز گردید" (ص ۱۰)

(حواشی صفحہ ہذا): [1] میخانہ ص ۵۵۰، [2] مآثر الکرام جلد دوم ص ۹۔

وہ شاہجہانی دربار کے شعراء مین سے تھا، آزاد بلگرامی اس کے حسب ذیل دو شعر نقل کرتے ہین، مگر یہ بھی لکھتے ہین کہ یہ دونون شعر حسن بیگ رفیع کی طرف بھی منسوب ہین،

سبزہ از مژگان من نیز مشق شادابی گرفت ‏ ‏ ‏ ‏ نرگس از چشم ترم تعلیم بے خوابی گرفت

نقد اشکم را ابر زور از مردم چشم ربود ‏ ‏ ‏ ‏ گرد او گردم کہ باج از مردم آبی گرفت [1]

میر الٰہی ہمدانی۔ ہمدان کے علاقہ اسدآباد کے سادات مین سے تھا، اصفہان مین حکیم صفائی اور آقا رضی کی صحبت سے فیضیاب ہو کر ہندوستان آیا، اور شاہجہان کے دربار مین ملازم ہوا، آزاد بلگرامی اس کے کلام کے بہت مداح ہین، لکھتے ہین:

"کلامش لطافتے و عذوبتے دارد، و مذاقہا را لذتے خاص می بخشد" [2]

غنی کشمیری بھی اس کے شاعرانہ کمال کا معترف تھا، چنانچہ الٰہی کی وفات پر یہ تاریخ کہی، ع

برد الٰہی ز جہان گوے سخن

کلام کا نمونہ یہ ہے:

زمانہ بسکہ مرا خاکسار مردم کرد ‏ ‏ ‏ ‏ ز آب دیدۂ من می توان تیمم کرد

رُباعی

از دوریت اے تازہ گل باغ مراد ‏ ‏ ‏ ‏ چون غنچۂ چیدہ خندہ ام رفتہ زیاد

گریان چو پیالۂ پرم در کف مست ‏ ‏ ‏ ‏ نالان چو سبوی خالیم در رہ باد [3]

امی شیرازی۔ نوشت و خواند سے بے بہرہ تھا، مگر شعر گوئی مین کافی شہرت حاصل کی، شاہجہان کے جود و سخا کی شہرت سنکر شیراز سے شاہجہان آباد آیا، اور شاہی دربار مین کئی قصائد پیش کئے، انعام و اکرام پاکر وطن لوٹ گیا، [4] اس کا یہ شعر روز روشن مین منقول ہے:

[1] ید بیضا ص۱۹۱ [2] ماثر الکرام جلد دوم ص۸۹ [3] ایضاً، [4] روز روشن مین ہے: امی شیرازی اگرچہ از نوشت و خواند

(باقی حاشیہ ص ۱۹۳ پر)

سے ملاقات ہوئی، پھر دونوں ایسے شیر و شکر ہوئے کہ اب بھی دونوں کا نام ساتھ ساتھ لیا جاتا ہے۔ ظفر خان کشمیر کا صوبہ دار مقرر ہوا تو مرزا صائب کو ساتھ لے گیا، ظفر خان کو مرزا صائب کی مداحی پر اور مرزا صائب کو ظفر خان کی شاگردی پر ناز تھا، سنہ ۱۰۴۲ھ میں صائب مشہد اقدس کی زیارت کو جانا چاہتا تھا تو شاہجہان نے زاد سفر کے لیے پانچہزار روپے عنایت کیے، صائب کے باپ کو اس سے ایسی محبت تھی کہ اس کی جدائی زیادہ دنوں تک گوارا نہ کی، اور خود ہندوستان آ کر اس کو اپنے ساتھ وطن واپس لے گیا، ایران میں شاہ عباس ثانی نے اس کی بڑی قدردانی کی، اور ملک الشعراء کا خطاب دیا، لیکن صائب کو ہندوستان کی فیاضیاں رہ رہ کر یاد آتی تھیں جب نواب جعفر خان عالمگیر کے عہد میں وزیر اعظم مقرر ہوا تو مرزا نے یہ شعر لکھ کر بھیجا،

دور دستان را باحسان یاد کردن ہمت است ورنہ ہر نخلے بپائے خود ثمر می افگند

جعفر خان نے پانچہزار روپے اور ایک دوسری روایت کے مطابق پانچہزار اشرفیاں بھیجیں، سنہ ۱۰۸۰ھ میں وفات پائی، اس کے مزار پر اس کی ایک غزل کندہ ہے جسکا مطلع یہ ہے:

در ہیچ پردہ نیست نباشد نوائے تو عالم پر است از تو وخالیست جائے تو

ایک صاحب سخن نے اس کے مزار کو ایک پر فضا مقام پر دیکھ کر یہ شعر بھی لکھ دیا ہے:

اے صبا آہستہ پا بر برگ گلہائے غنچہ نہ پاسبانانند گلہا صائبا خوابیدہ است[1]

مولانا شبلی شعر العجم حصہ سوم (ص ۱۸۹) میں لکھتے ہیں کہ ایران میں شاعری رودکی سے شروع ہوئی اور مرزا صائب پر ختم ہو گئی، اس وقیع رائے کے بعد کسی مزید تبصرہ کی گنجایش نہیں، مولانا شبلی کلمات الشعراء کے حوالے سے یہ بھی تحریر فرماتے ہیں کہ مرزا کی زندگی ہی میں اس کے کلام کو یہ حسن قبول حاصل ہو چکا تھا کہ سلاطین اور امراء شاہ ایران سے اس کے کلام کی استدعا کرتے

---

[1] کلمات الشعراء، ذکر مرزا صائب

میخانہ کا مؤلف رقم طراز ہے (ص ۵۶۰)

"رسالہ در علم موسیقی ترتیب دادہ کہ تا لغایہ کسے باین روش ترتیب نساختہ

تذکرہ نصر آبادی کا مصنف بھی اس کی سخن سنجی کا معترف ہے، اور اس کے تین شعر اپنے تذکرہ مین نقل کئے ہین (ص ۳۰۰)

زان زخم کوس تو کل کاسمان ازو بہر من | می رساند نزدے و چرخ دگر ہم می زند

ہمہ حاصل جہان را بہ نشاط صرف کن | بہ کافر و مسلمان بنشین و صلح کل کن

رفت بہ سبزہ لگہ مقصود عزیزان | باقیست گرد ماندہ درین مرحلہ تنہا

کچھ رندی و مستی کے اشعار بھی سنیے:

توبہ کردیم کہ تا بادہ نباشد نخوریم | تا کہ ساقی پسر سادہ نباشد نخوریم

بادہ تا میکدہ معمور نباشد نکشیم | روزہ تا روزی آمادہ نباشد نخوریم[1]

لطف اللہ کے گنے ہوئے شعراء کے علاوہ بہت سے اور بھی ارباب سخن بارگاہ شاہجہانی سے منسلک تھے، ان مین سب سے پہلے مرزا صائب پر نظر پڑتی ہے، صائب کی ولادت تبریز مین ہوئی، لیکن تعلیم اصفہان مین پائی، شاعری مین حکیم رکنا مسیح کاشی اور حکیم شفائی کا شاگرد تھا، جہانگیر کے زمانہ مین تجارت کے سلسلہ سے ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار مین اس کی رسائی ہوئی، لیکن اس کی شاعرانہ صلاحیت و جوہر شاہجہان کے زمانہ مین چمکا، شاہجہان جب تخت پر بیٹھا تو اس نے ایک تاریخی قطعہ لکھا جس کے صلے مین شاہجہان نے اس کو بارہ ہزار روپے دیے، کچھ دنون کے بعد منصب ہزاری اور مستعد خان کا خطاب بھی عطا کیا[2]، ۱۰۳۹ھ مین شاہجہان نے دکن کا رخ کیا، تو مرزا صائب اس کے ہمرکاب تھا اور شاہی دربار ہی مین ظفر خان احسن

---

[1] میخانہ ص ۵۶۰، [2] مراۃ الخیال ص ۱۰۱

اشعار دلپذیرش، بنہایت رنگین و اشعار سخنایش بے نہایت متین است"۔ (ص ۳۶)

غلام علی آزاد بلگرامی نے بھی خزانۂ عامرہ میں اس کے اشعار کی فصاحت و بلاغت کی بڑی تعریف کی ہے،

سرخوش کلمات الشعراء میں رقمطراز ہے:

"در معنی یابی ید بیضا داشت، بسیار خوش فکر است"۔

یہ لکھ کر طرزِ کلام کا یہ نمونہ پیش کیا ہے:

درمن آمیختہ ز تو اثر پیدا نیست	ہمہ شیر است درین کاسہ شکر پیدا نیست
آنچنان با تو یکے گشت وجودم اے دوست	کہ ترا بے تو توان دیدن و بے من تو ان
تمام عمرم باشاہد و وسالہ گذشت	حباب وار مرا عمر در پیالہ گذشت
روز اول کاندرین ویرانہ بنہادم قدم	بازمی بایست گشتن دہر دیواری نداشت
ہمچون نگین کہ بہر نگین دان شدست خلق	او را خدا برائے کنارا فریدہ است

میخانہ میں اس کا ایک ساقی نامہ اور دوسرے اشعار بھی درج ہیں، مخزن الغرائب میں بھی اس کے دیوان کے طویل انتخابات ہیں، موخر الذکر تذکرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ جہانگیر کے زمانہ میں حکیم رکنا کاشی اس کی فیاضی کی بدولت ایک بڑی دولت حاصل کرکے وطن لوٹ گیا تھا، اور وہاں سے پھر آیا تو ایک سو پانچ سال کی عمر میں وطن واپس گیا، یہ رکنا کاشی کے دو بھائی حکیم قطبا اور حکیم نصیرا کا خاندان بھی شاہی جود [illegible] سے فیضیاب ہوتا رہا، حکیم قطبا کا لڑکا ضیاء الدین رحمت خان شاہجہان اور عالمگیر کے منصب داری امراء میں سے تھا، اور ابو طالب کلیم کی لڑکی اس کے حبالۂ عقد میں تھی، (دیکھو ماثر الامراء جلد ۲ صفحہ ۲۰)

حکیم رکنا کاشی نے شیدا کے ذوقِ سخن کی داد دی ہے،

کرتے تھے، اور تحفہ اور سوغات کی طرح اس کی غزلیں بھیجی جاتی تھیں[1]،

ابھی ذکر کیا گیا ہے کہ مرزا صائب نے شعر و شاعری میں حکیم رکنا مسیح کاشی سے تعلیم پائی،

اس کا پورا نام رکن الدین مسعود اور تخلص مسیح کبھی مسیحا اور کبھی مسیحی تھا، آباو اجداد شیراز کے رہنے والے تھے، لیکن کاشان میں توطن اختیار کر لیا تھا، طبابت خاندانی پیشہ تھا، اس لیے حکیم رکنا کاشی کے نام سے بھی شہرت پائی، ایران میں شاہ عباس صفوی کا ندیم خاص تھا، مگر کسی سبب سے مکدر خاطر ہو کر اس نے شاہ ایران کے دربار سے قطع تعلق کر لیا، اور یہ مطلع لکھا:

گر فلک یک صبحدم با من گران باشد سرش ‏ ‏ ‏ ‏ شام بیرون می روم چون آفتاب از کشورش

اس کے بعد ہندوستان چلا آیا، اور اکبر و جہانگیر کے خوان کرم کی زلہ ربائی کی، کچھ دنوں مہابت خان اور اس کے لڑکے امان اللہ کی خدمت میں بھی رہا، شاہجہان جب تخت پر بیٹھا تو حسب ذیل قطعہ لکھ کر بارہ ہزار روپے انعام میں حاصل کئے،

بادشاہ زمانہ شاہ جہان ‏ ‏ ‏ ‏ خرم و شاد و کامران باشد

ہر سال جلوس او گفتم ‏ ‏ ‏ ‏ در جہان بادتا جہان باشد

۱۰۳۷

سنہ ۱۰۴۱ھ میں مشہد اقدس کی زیارت کی اجازت شاہجہان سے ملی تو خزانہ عامرہ سے زاد سفر کے لیے پانچ ہزار روپے عنایت کئے گئے، زیارت کے بعد وطن کی طرف مراجعت کی، اور وہیں سنہ ۱۰۶۶ھ وفات پائی، شاہجہان غائبانہ طور پر بھی اس کو یاد کیا کرتا تھا، اور وقتاً فوقتاً تحفے بھیجا رہتا تھا[2]، ایک دیوان چھوڑا جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، مرزا صائب نے اس کے دیوان کا انتخاب کرکے حق شاگردی ادا کیا، میخانہ کا مولف اس کے محاسن شاعری کا اعتراف کرتے ہوئے لکھتا ہے:

۱؎ شعر العجم حصہ سوم ص ۲۰۰ ‏ ‏ ۲؎ مآثر الکرام ص ۹۱-۸۹ ج ۲

زین رطب و یابسی کہ بود در کلام تو — گر منکر کلام الٰہی شوم رواست[1]

قدسی نے ایک قصیدہ کہا تھا، جس کا مطلع یہ ہے

عالم از نالۂ من بے تو چنان تنگ فضاست — کہ شنیدہ از سر آتش نتواند برخاست

شیدا نے اس قصیدہ کے ہر شعر پر اعتراض کیا، اور ان اعتراضات کو منظوم کیا جن میں سے کچھ اشعار یہ ہیں:

اے سخن سنج ہنرمند باندیشہ بسنج — نقد ہر حرف بمیزان خرد بے کم و کاست

نالہ در سینہ ہوائیست کہ بے قصد رود — چونکہ از سینہ ہوا گیر شد از جنس ہواست

عالم از وی نشود تنگ و لیکن ز ملال — خلق عالم کہ ازو تنگ نشیند رواست

خود گرفتم کہ جہان تنگ شد از نالۂ تو — کہ ز تنگی نظر از چشم نیارد برخاست

نیست ترتیب دو مصراع بہم ربط پذیر — کہ سیاق سخن از ہر دو باندیشہ جداست

تنگی عالم از نالہ بکیفیت او ست — کہ جہان تنگ ز اندوہ شود بر دو ہواست

تنگی جاز کجا تنگی اندوہ کجا — بیشتر از تن و جان تفرقہ ہم پیداست[2]

اسی طرح کی اور بھی ابیات ہیں، مرأۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے کہ شیدا کے یہ اعتراضات بہت مشہور ہوئے، مگر مرزا محمد طاہر نصر آبادی اپنے تذکرہ میں لکھتا ہے کہ شیدا نے اپنے اعتراضات میں ناانصافی سے کام لیا ہے۔ (ص ۲۴۴)

شاہ جہان بھی شیدا کی گستاخی اور بے باکی سے کئی بار رنجیدہ ہوا، ایک بار شاہ جہان نے اس سے پوچھا کہ "تم شعر اچھا کہتے ہو یا حکیم حاذق گیلانی"۔ شیدا نے بادشاہ کے اس سوال کو ناپسند کیا، کیونکہ وہ حکیم حاذق گیلانی کو اپنا مقابل نہیں سمجھتا تھا، اور اس کی ہجو کہہ چکا تھا،

---

[1] ید بیضا ص ۴۲۔ [2] مرأۃ الخیال ص ۱۴۶-۱۴۷

میحارا بشیدایان عالم الفتی باشد ‌ ‌ ‌ بجز شیدا نگوید شعر گو کس در زمین من

اور یہ داد موجب تعجب ہے، کیونکہ تمام ایرانی شعرا شیدا سے نالان اور آزردہ خاطر رہے،
شیدا کو ایرانی شعرا کے احساس برتری سے چڑھ تھی، کشمیر پر اس نے نثر میں ایک کتاب لکھی ہے، اس
کے خاتمہ میں لکھتا ہے۔

"اہل ایران ہندی نژاد ہونے کی وجہ سے میری کوئی حقیقت نہیں سمجھتے ہیں، وہ اسکو
بھول گئے ہیں، کہ جب حضرت آدم علیہ السلام بہشت سے دنیا میں آئے تو سراندیپ
کی زمین کو اپنی ذات سے مشرف فرمایا، اور اس پر تمام مورخین کا اتفاق ہے، اس لیے حضرت
آدم علیہ السلام ہندی ہیں، اور جن لوگوں نے ہند میں نشو و نما پائی ہے ان میں آدمیت زیادہ
ہے، اصلی بات یہ ہے کہ ایرانی اور ہندی ہونا فخر کی سند نہیں ہے، آدمی کی عزت اس کی ذاتی
عزت سے ہوتی ہے، اگر ایرانی طنز کریں گے کہ فارسی ہماری زبان ہے، تو اپنی زبان کو اپنے
تالو میں دبائیں گے، اور اگر زبان ان کے تالو میں ہو بھی تو مذاق شاعری سے آشنا نہ ہوں گے،
چونکہ شاعری کی قدرت نہیں رکھتے ہیں، مجبوراً ہاتھ پاؤں مارتے ہیں، ظاہر میں لوگ جو صورت
کو دیکھ کر معانی کا پتہ نہیں پا سکتے ہیں، میری ظاہری حالت کو دیکھتے ہیں، میرے رنگین معانی
ان کے خلعت کی طرح خوبصورت ہیں، اور ان کے اشعار میرے کپڑے کی طرح بدصورت
یہ میرے کپڑوں پر نظر رکھتے ہیں اور میں ان کے سامنے رنگین معانی پیش کرتا ہوں، جو کچھ کہ
بے تکلفی سے کہا گیا وہ برحق ہے، اور حق سے رنجیدہ ہونا عقلمندوں کا کام نہیں، (مرآۃ الخیال ص۲۱۵)

ان ہی جذبات کی بنا پر اس نے ایرانی شعراء کی ہجو لکھی، طالب آملی کی مذمت کا ذکر پہلے آچکا
ہے، الٰہی ہمدانی پر ایک قطعہ لکھا،

اے میر من کہ کردہ الٰہی تخلصی ‌ ‌ ‌ از مرز لاہی از چہ الٰہی شدن خطاست

موسوم بہ دولت بیدار اور ایک دیوان بھی چھوڑا، دیوان میں ایک لاکھ اشعار تھے، مرزا محمد طاہر نصر آبادی اپنے تذکرہ میں اس کے کلام کی تعریف کرتا ہوا لکھتا ہے:

"خیالش غریب و انکارش لطیف است، شعر بسیاری گفتہ (ص ۲۴۴)

غلام علی آزاد بلگرامی مآثر الکرام جلد دوم (ص ۸۲) میں تحریر فرماتے ہیں:

"صاحب ذہن رسا و فکر آسمان پیما بود شعر را بسرعت تمام می گفت، و بچشم زدن جواہر فراوان می سفت"

مگر خود شیدا کے معاصر منیر لاہوری نے اس کے کلام کی ہجو کی ہے۔

شیدا گوید کہ شعر من لک بیت است	ہر نقطۂ من بصفوہ بے شک بیت است
یک بیت درست نیست در دیوانش	از جنت بروت صاحب لک بیت است[1]

یہ ہجو شاید اسی افراتفری کا نتیجہ ہے جس میں خود شیدا بھی مبتلا تھا، مرأة الخیال کے مولف کا بیان ہے کہ شیدا بہت ہی ذی استعداد شاعر تھا، علم عروض میں اس کی مہارت ضرب المثل تھی، وہ ایسے شعراء کو خاطر میں نہیں لاتا تھا، جو مقبول خاص و عام ہوتے تھے مگر فن شاعری سے بیگانہ تھے، ان کے کلام کے عیوب و نقائص کو بہت بے باکانہ طریقہ سے آشکارا کرتا تھا، اسی لیے اس کی بھی ہجو کہی گئی،

شاہجہانی دربار کے شعراء میں حکیم حاذق گیلانی کی رعونت اور خود پسندی مشہور تھی، وہ حکیم ہمام گیلانی کا لڑکا تھا، اس لیے وراثت میں طبابت اور مہارت کے علاوہ علم و ادب کا بھی ذوق پایا، شاہ جہان نے اپنی تخت نشینی کے موقع پر اس کو منصب ہزار پانصدی شش صد سوار عطا کیا، اور اسی سال والیٔ توران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا، وہاں سے واپسی کے بعد اس کو

---

[1] ید بیضا ص ۱۶۳

اس لیے جل کر بولا "ہم دو نون سے رائے پائے داس بہتر کہتا ہے"، رائے پائے داس شاہی دربار کا ادنی ملازم تھا، جو مضحک اشعار کہا کرتا تھا، شاہجہان اس جواب سے بہت کبیدہ خاطر ہوا، اور شیدا کو دربار سے نکل جانے کا حکم دیا، ایک موقع پر شیدا کا یہ مشہور شعر شاہجہان کو سنایا گیا

حسن را پروردگار روعشق را پیغمبرے　　　بچہ میت دانی بادہ گلگون مصفا جوہرے

شاہجہان نے ام الخبائث شراب کی یہ توقیر اپنے قلمرو مین پسند نہین کی، اور فوراً شیدا کو شہر بدر کرنے کا حکم جاری کیا، شیدا نے اپنی برأت کے لیے پہلے جامی کا مندرجہ ذیل شعر استشہاد مین پیش کیا،

از صراحی دوبار قلقل مے　　　پیش جامی براز چہار قل است

پھر ایک طویل قطعہ معذرت مین لکھا جس کے کچھ اشعار یہ ہین:

جہان پناہا شاہا بقدر جاہ و جلال　　　نیافرید خدا چون ترا عدیل و نظیر
بوصف مے زدہ سر از من این مصرع خوش　　　کہ گشتہ ورد زبانِ ہمہ صغیر و کبیر
اگرچہ لفظش عام است معنیش خاص است　　　بخاص و عام بود شہرۂ ہمچو بدر منیر
چنین کہ میکش اسرار مولوی جامی　　　کہ بہت گفتہ او دور از در تقصیر
بوصف مے ز صراحی دوبارہ قلقل مے　　　براز چہار قلش گفت و فارغ از تکفیر
مرا بکفر چہ نسبت بود کہ بزنے　　　سخن چنین کند و ہیچ نایدش بضمیر
مرا چو شاہ براند کجا توانم رفت　　　بجاہ راندن از کف کجا رود شمشیر[1]

اس قطعہ کو سنکر شاہجہان نے شیدا کو معاف کر دیا، آخر عمر مین وہ کشمیر مین گوشہ نشین ہو گیا تھا، جہان اس کو شاہجہان کی طرف سے وظیفہ ملتا تھا، اپنی علمی یادگار مین ایک مثنوی

[1] کلمات الشعرا سرخوش

اور دونوں طاؤس کے درمیان ایک درخت نصب کیا گیا تھا، جو لعل، الماس، زمرد اور مروارید سے مرصع تھا، تخت پر چڑھنے کے لیے تین پائے کی ایک سیڑھی بنائی گئی تھی جو جواہرات سے آراستہ تھی، تخت کے گرد تکیہ لگانے کے لیے گیارہ مرصع تختے تھے جن میں سے درمیان کا تختہ جس پر بادشاہ ہاتھ رکھ کر تکیہ لگا کے بیٹھتا تھا دس لاکھ روپے کی قیمت کا تھا، اور ان میں ایک لعل تھا جس کو شاہ عباس صفوی نے تحفۃً جہانگیر کی خدمت میں بھیجا تھا، اس پر پہلے امیر تیمور، مرزا شاہ رخ، مرزا الغ بیگ کے نام کندہ تھے، شاہ عباس نے بھی اس پر اپنا نام لکھوایا، پھر جہانگیر نے اپنا اور اکبر کا نام کھدوایا، اس کے بعد شاہ جہان نے اپنا نام کندہ کرایا، عالمگیر کے اوائل دور حکومت میں اس تخت کی ترصیع و ترتیب میں اور اضافہ کیا گیا[1]، بے بدل خان نے جب اس کو تیار کیا تو شاہ جہان نے خوش ہو کر بے بدل خان کو روپے میں تلوایا، اور جب آٹھویں سال جلوس کے جشن میں شاہجہان اس پر جلوہ افروز ہوا تو تمام شعراء نے قصیدے، نظمیں اور مثنویاں پیش کیں، حاجی محمد جان قدسی نے اس کی تاریخ اورنگ شاہنشاہ عادل نکالی. قدسی کی اس مثنوی کے کچھ اشعار یہ ہیں

زہے فرخندہ تخت پادشاہی — کہ شد سامان بتائید الٰہی

فلک روزے کہ میگردش مکمل — زر خورشید را بگداخت اول

بحکم کار فرما صرف شد پاک — بمینا کاریش مینائے افلاک

جز این تخت از زر و گوہر چہ مقصود — وجود بحر و کان را حکمت این بود

ریاقوتش کہ در قید بہائیست — لب لعل بتان را دل بجائیست

برائے پایہ اش عمرے کشیدہ — گہر افسر بسر خاتم بدیدہ

بجز جشن عالم از زر شد چنان پاک — کہ شد از گنج خالی کیسۂ خاک

---

[1] تفصیل کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۸۰-۸۱، مآثر الامراء جلد اول ص ۲۳۲

عرض مکرر کی خدمت تفویض کی گئی، اور سہ ہزاری منصب دیا گیا، کچھ دنون کے بعد گوشہ نشینی اختیار کر لی، مگر اس زمانہ مین بھی شاہی خزانہ سے بیس ہزار اور پھر بعد مین چالیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ ملتا تھا، کچھ دنون درباری مورخون کے ساتھ اس عہد کی تاریخ لکھنے مین بھی شریک رہا، اس کے اشعار صاف اور پاکیزہ ضرور ہوتے تھے، مگر اپنی خود بینی کی بنا پر اپنے کو انوری سے بھی بہتر تصور کرتا تھا، اپنے دیوان کو بڑی زینت و آرایش کے ساتھ لکھوا کر ایک مرصع طشت پر رکھتا تھا، اور جب کسی مجلس مین جاتا اور عمائدین سلطنت اس کی تعظیم کے لیے اٹھتے تو بے رخی کا اظہار کرتا دیوان کو ایک مطلا رحل پر رکھ کر اپنا کلام سناتا تھا، اس کے اس شعر کی داد تو آج بھی دی جا سکتی ہے

دلم ہیچ تسلی نمی شود حاذق ۔۔۔ بہار دیدم و گل دیدم و خزان دیدم[1]

کچھ اور بھی سنیے

بوے گل امشب ز دود شمع می آید مگر ۔۔۔ بلبل اشکے بر سر خاکستر پروانہ ریخت

زیر تسبیح و سلم عار دارد ۔۔۔ کہ سبحہ بر میان زنار دارد

من آن تسبیح را بر دست گیرم ۔۔۔ کہ او ذاکر بود گر من بخسپم[2]

سعیدای گیلانی شاعر بھی تھا اور اعلیٰ قسم کا صناع بھی، اس کو زرگری مین غیر معمولی کمال حاصل تھا، اسی لیے شاہجہان نے اس کو زرگر خانہ کا داروغہ مقرر کیا، اور بے بدل خان کا خطاب دیا، شاہجہانی عہد کا سب سے بڑا صنعتی کارنامہ تخت طاؤس اسی کے ہاتھون انجام پایا، یہ ایک کروڑ روپے کی لاگت سے سات سال مین تیار ہوا، اس کا طول سوا تین گز، عرض ڈھائی گز، بلندی پانچ گز تھی، اس تخت کے اندرونی حصہ مین زیادہ تر میناکاری کا کام اور کچھ حصہ مرصع تھا، چھت کے بیرونی حصہ مین لعل و یاقوت جڑے ہوئے تھے، اور اس کو زمرد کے بارہ ستون پر قائم کیا گیا تھا، چھت کے اوپر دو مرصع طاؤس بنائے گئے تھے،

---

[1] مآثر الامراء جلد اول ص ۵۹۰، [2] تذکرہ نصر آبادی ص ۶۲

بسوی ہند عنان زد و تاب شد باجاہ	جہاندہ برق نما بر شے چو باد وزان
بداد وجود بدار الخلافہ آمد باز	فلک بدور رکاب و ملک بدر عنان
ہزار شکر بیفزود باز حسن جہان	ز نو بہار سریر جواہر الوان
بہر زمین کہ از آن سایہ فتاد فلک	بداد تا ابد دستگاہ پایۂ کان
جمال و رنگ ز اورنگ بادشاہ زمین	بداد گیتی صد رنگ بر زمین زمان
خدیو ملک و ملل بادشاہ دین و دل	جہان کشاد باد امداد قوت ایمان
جہان پناہا شاہنشہی و دریا دل	محیطی از کرم و جود لیک بے پایان
ز سہم گرز و سنانت دل عدو جاوید	شود ہزیر زمین چو رگ جہندہ طپان
از ان بود سر دشمن برنگ سنگ سیاہ	کہ از برائے حسامت بود مدام فسان

عبد الحمید لاہوری نے بادشاہ نامہ (جلد اول حصہ دوم ص ۳۵۹) میں سعیدائی گیلانی کی شاعری کی بڑی ستایش کی ہے، لکھتا ہے:

"از رسائی طبع و روائی فکر اکثری بنظم معانی می پردازد. لفظش ہموارہ دلنشین است، و مضامین نو آئینش،

اور مثال کے طور پر بہت سے اشعار نقل کئے ہیں، ان میں سے ایک غزل کے شعر ہم بھی ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں:

سوارہ آن مہ زرین رکاب می آید	بچہرہ اشک ہزار آفتاب می آید
بآب تیغ تو دل می کشد ز آب حیات	چو تشنہ کو سوی آب از سراب می آید
کند عرق رخت اے نازنین ز تاب نگاہ	بدور حسن تو از آتشش آب می آید

لہ عمل صالح جلد دوم ص ۹۲-۹۰

رساند گر فلک خود را بپایش   دہد خورشید و مہ را زو بجانش

سرافرازی کہ سر بر پایہ اش شود   ز گردون پایہ بر تخت افزود

اثر باقیست تا کون و مکان را   بود بر تخت جا شاہ جہان را

بود تختی چنین ہر روز جایش   خراج ہفت کشور زیر پایش

چو تاریخش زبان پرسید از دل   بگفت اورنگ شاہنشاہ عادل

اس جشن میں ابو طالب کلیم، سلطان شادمان اور دوسرے شعرا نے بھی قصیدے کہے ہیں، کہ جنکا ذکر آچکا ہے، خود حیدای گیلانی نے ۱۳۴ شعروں کا ایک قصیدہ کہا جس کے مختلف اشعار سے شاہجہان کے مختلف واقعات سلطنت کی تاریخیں نکلتی تھیں، اسکے کچھ حصے یہ ہیں:

خدائے واحد بیچون جہان نوعیان   برائے شاہجہان بادشاہ کل جہان

بداد وجود باحسان شہنشہ آفاق   علیم و عالی و دانا و زود ملک ستان

ہزار سال بماناد آنکہ ہر دم ازو   بود بدور جہان صد ہزار جان شادان

بمدح شاہ جہان طبع این دوازدہ بیت   ز قسمت ازل آورد از دلم بزبان

ازان دوازدہ ہر مصرعی نگاہ نگار   کند تولد شاہ جہان پناہ بیان

باکبر آباد از جہد کامران بسریر[1]   جلوس کرد ز تائید عالمیان

ہزار بود و چہل و سہ بسال از ہجرت   کہ شد دہلی بادشاہی دپہ گران

بنو بہار بیاید گلشن سرہند   گل بہار آید با ہوا چو گل خندان

ز کامرانی نوروز عزم کردہ لنو   سوی مدینہ لاہور بر جہان شادان

ہزار گونہ بود گل بکوہ ہر قندہش   ہزار چشمۂ دلی بہ ز چشمۂ حیوان

[1] مصرعہ ناقص معلوم ہوتا ہے، مگر اسی طرح منقول ہے۔

رہا، جیسا کہ آگے ذکر آئے گا، کچھ دنون شاہزادہ شجاع کے دربار مین ملازمت کی، اور عبد اللہ قطب شاہ والی حیدر آباد دکن کے خوان کرم کا بھی ریزہ چین ہوا،[1]

مرزا حسن بیگ رفیع قزوینی کچھ دنون مشہد مقدس مین حصول سعادت کے لیے مقیم رہا اس لیے نام کے ساتھ مشہدی بھی لکھا جاتا ہے، نذر محمد خان والی بلخ کے دربار مین ملازم رہنے کے بعد ۱۰۵۸ھ مین ہندوستان آیا، شاہجہان کی خدمت مین باریاب ہوا تو خلعت اور تین ہزار روپے ملے، اور شاہی ملازمون مین داخل کر لیا گیا، ۱۰۶۶ھ کے جشن جلوس پر ایک مثنوی کہی تو ایک ہزار روپیہ انعام پایا، شاہجہان نے اس کو منصب پانصدی بھی عطا کیا،[2] عالمگیر کے زمانہ مین کشمیر کا دیوان بیوتات مقرر ہوا تھا، اس کو شعر و شاعری مین بڑی شہرت حاصل تھی، اپنے اس شعر پر فخر کرتا تھا،

عمر گر خوش گذرد زندگی خضر کم است ۔۔۔ ور بنا خوش گذرد نیم نفس بسیار است

میر معز موسوی خان نے اعتراض کیا کہ بنا خوش صحیح نہین یا تو ناخوش ہونا چاہیے یا ناخوشی، مرزا رفیع نے با دل ناخواستہ "بہ تلخی گذرد" بنا دیا، مگر خود کہتا تھا کہ شعر کا مزہ جاتا رہا،[3] کلمات الشعرا مین ہے کہ اس نے شاہجہان آباد پر ایک مثنوی بھی لکھی، تخت مرصع کی تعریف مین کہتا ہے:

اگر پاسبانش شود مست خواب ۔۔۔ بر دیش فشانند زیاقوت آب

شاہی عمارت کی تعریف کرتا ہے:

خدا رفعتش را بجائی رساند ۔۔۔ کہ آتش ز ہمراہی سنگ ماند

میر صیدی طہرانی، اصفہان سے ہندوستان آیا، اور ۱۰۶۵ھ مین شاہجہان کی ملازمت مین داخل ہوا، تو ایک قصیدہ شاہی خدمت مین پیش کیا، جس کا مطلع یہ ہے

[1] مآثر الکرام حصہ دوم ص ۲۰۰-۲۰۱۔ [2] ایضاً، [3] کلمات الشعرا قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

تو مست حسنے و من مست عشق ہیست عجب   چنین دوستی کہ از شراب می آید

شعراء کے ساتھ شاہجہان کی زر پاشیون کی مثالین بکثرت ملین گی، میر یحییٰ کاشی نے شاہجہان آباد کی تعمیر کی حسب ذیل تاریخ کہی،

شد شاہجہان آباد از شاہجہان آباد

تو شاہجہان نے پانچ ہزار روپے انعام دئیے، ۱۰۶۵ھ مین ایک موقع پر شاہجہان نے اسکو ایک سو اشرفیان عنایت کین،[1] کلمات الشعراء مین ہے کہ اس نے شاہجہان کے حکم سے بادشاہ نامہ کو منظوم کرنا شروع کیا، اس مین ایک شعر کہا کہ

سر راجپوتان جگت سنگہ بود   کہ بر شیشۂ فلک سنگ بود

شاہجہان نے اعتراض کیا کہ جگت سنگہ کو اسکی حیثیت کے لحاظ سے سر راجپوتان کہنا صحیح نہین، پھر سنگہ اور سنگ کا قافیہ بھی درست نہین، یحییٰ نے جواب دیا کہ ہم مغل اس قسم کے الفاظ کی تفریق نہین کر سکتے،[2]

مرزا رضی دانش مشہدی ہندوستان کے بادشاہون کی فیاضی سنکر وطن سے چلا تو اس ملک کے اشتیاق مین اس نے یہ شعر کہا:

راہ دور ہند پابست وطن دار دمرا   چو حنا شب در میان رفتن بہ ہندستان خوشست

اس کے کلام کی صفائی، شیرینی اور دلآویزی مشہور تھی، شاہجہان کے دربار سے وابستہ ہوا تو اس نے ۱۰۶۵ھ مین ایک قصیدہ پیش کیا جس کا ایک شعر یہ ہے:

بخوان بلند کہ تفسیر آیہ کرم است   خطے کہ کف دست مبارکش پیداست

شاہجہان نے اس پر دو ہزار روپے عنایت کئے، دارا بھی اس کا سرپرست اور مربی

---

[1] ماثر الامراء جلد سوم صفحہ ۷۶۹، [2] ماثر الکرام جلد دوم صفحہ ۸۳، [3] کلمات الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔

لکھکر شاہی خدمت مین پیش کی،

شاہے کہ مطیع او دو عالم گردد ہر جا کہ سریست پیش او خم گردد
از بسکہ بدورش آدمی یافت شرف خواہد کہ شرف نیز آدم گردد[1]

شاہ جہان نے اس کو وقائع نویسی کے عہدہ پر مقرر کیا، اس عہدہ پر برہمن فخر کرتا تھا، کیونکہ وہ روزانہ بارگاہ شاہی مین حاضر ہوکر ہر روز کے واقعات و حالات سناتا تھا، شاہ جہان نے بھی اس کے فرائض منصبی سے خوش ہوکر ایک ہاتھی انعام مین عطا کیا تھا، بعض سیاسی اغراض کی تکمیل کے لیے اودے پور کے رانا کے پاس بھی بھیجا گیا، اسی زمانہ مین چہار چمن لکھکر نوروز کے موقع پر سرہند مین بادشاہ کی خدمت مین گذرانی، اس مین برہمن کے ذاتی احوال و کوائف کے علاوہ شاہی دربار کے مختلف جشنون، اس کی شان و شوکت، بادشاہ کے روزانہ معمولات اور شاہجہان آباد اور دوسرے شہرون اور صوبون کا ذکر ہے، داراشکوہ برہمن کی نظم و نثر دونون کا مداح تھا، اس لیے اس کو اپنا میر منشی مقرر کیا، دارا جب قندھار کی مہم پر گیا تو برہمن بھی اس کے ساتھ تھا، ایک روایت یہ بھی ہے کہ علامی سعد اللہ خان کی وفات کے بعد برہمن پھر دربار شاہی سے منسلک ہوا اور دفتر شاہی کا میر منشی مقرر ہوا ، اور رائے کے خطاب سے بھی سرفراز کیا گیا ، عالمگیر تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس کی تخت نشینی پر یہ رباعی کہی،

شاہا عالم مطیع فرمان تو باد لبریز ادائے شکر احسان تو باد
چون ذات تو خلق را نگہبان باشد ہر جا باشی خدا نگہبان تو باد

برہمن دارا کا حامی تھا، اس لیے ایک خط مین برہمن نے اورنگ زیب سے یہ شعر لکھکر اپنے قصورون کی معافی مانگی،

شدیم پیر بعصیان و چشم آن دارم کہ جرم ما بجوانان پارسا بخشد

زہے جہانِ خدا را سپہر عدل و کرم   بزیر سایۂ قدرِ تو نیز اعظم

شاہ جہان نے اس کے صلہ میں ہزار روپے دیے، اس نے شاہجہان کی شان میں بہت سے قصائد کہے، سرخوش نے کلمات الشعراء میں اس کو نازک خیال، بلند فکر، استاد فن اور کامل سخن کہا ہے، دیوان کے علاوہ کشمیر پر ایک مثنوی بھی لکھی ہے، کلام کا نمونہ یہ ہے:

مارا برگ سبز کجی یاد می کند   آن گل کہ منع بوی خود از بادی کند

صیاد ما بنای تازہ کردہ است   مرغی کہ پر شکستہ شد آزاد می کند

سوخت رشک شعلۂ شمعم کہ در راہ طلب   از نظرہا کردہ پنہان جادۂ بیمودہ را

در بزم او مجال نشستن نیافتیم   چون نرگس ایستادہ کشیدیم جام را

غباری وارد از خطاء رخسارش کہ گر کجا   مصور جمع سازد و صورت خالی نمی گردد

عماد، فتحا، عسکری کاشانی، کیفی نو مسلمان، اور ادہم مرزا وغیرہ نے بھی شاہجہان کے جود و سخا سے تمتع ہوئے، لیکن ہم ان کی تفصیل بیان کرنے سے اس لیے گریز کرتے ہیں کہ ہم تیموری دربار کے شعرا کا کوئی تذکرہ لکھنا نہیں چاہتے، بلکہ یہ دکھانا مقصود ہے کہ تیموریوں کی بزم میں ارباب سخن کی کیا قدر دانی اور حوصلہ افزائی ہوئی، اور اس شاہانہ سرپرستی میں ان کا انداز کلام کیا رہا،

ہندو شعرا: شاہجہانی عہد کا سب سے ممتاز ہندو شاعر اور ادیب چندربھان برہمن تھا، لاہور میں پیدا ہوا، شروع میں میر عبد الکریم میر عمارت لاہور کے یہاں ملازمت کی، پھر امیر الامرا افضل خان دیوان کل کے دربار میں ملازم ہوا، شاید اس کی سرکار کا دیوان مقرر ہوا، افضل خان کی وفات کے بعد شاہجہان کے ایک امیر عاقل خان کی وساطت سے دربار میں پہنچا، اور خط شکستہ میں ایک رباعی

ل اسلامک کلچر اپریل ۱۹۳۷ء اس مضمون میں چہار چمن کا ایک اقتباس دیکر یہ بتایا گیا ہے کہ چندربھان برہمن ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کا شاگرد تھا،

اکبر و جہانگیر کی طرح شاہجہان بھی ہندی اہل کمال کی برابر سرپرستی کرتا رہا، ۱۰۶۵ھ مین ایک ہندی شاعر نے اس کے نام پر ایک کبت کہی تو اس کو دو ہزار روپے اور ایک ہاتھی مرحمت کیا،[1] ہندی شعرا مین سندر اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا، اس کی تصانیف سندر سنگار، اور سنگھاسن بتیسی برج بھاشا مین مشہور ہین، ہندی کے مشہور شعرا چنتامنی اور راجہ شمبھوناتھ سنگھ بھی اس کے دربار سے منسلک رہے، چنتامنی سہتا یعنی ترکیب نظم کا استاد تھا، راجہ شمبھوناتھ نے شاہجہان کی فرمائش پر کوندا کلپ لتا لکھی، اس کتاب مین شاہ جہان، دارا شکوہ، اور جہان آرا پر مدحیہ نظمین ہین،[2] ایک بار یمین الدولہ نے ترہت کے دو برہمنون کو دربار مین پیش کر کے عرض کیا کہ یہ دونون دس ہندی کبتین جو دس شاعرون نے تازہ کہی ہون اور کسی نے نہ سنی ہون ایک بار سنکر یاد کر لیتے ہین اور اسی وزن اور مضمون مین دس شعر فی البدیہہ کہہ دیتے ہین، امتحان ہوا تو یہ ثابت ہوا، شاہجہان نے دونون کو خلعت اور ہزار ہزار روپے انعام دیے،[3]

امرا امرا جب کسی عہدۂ جلیلہ پر مامور کئے جاتے تو اس کا خیال رکھا جاتا تھا، کہ وہ نہ صرف سیاسی نقطۂ نظر سے پختہ کار اور بیدار مغز ہون بلکہ مختلف علوم و فنون مین بھی ان کو امتیازی حیثیت حاصل ہو شاہجہان کے خسر یمین الدولہ خانخانان **آصف خان** سپہ سالار کو ہر قسم کے علوم خصوصاً معقولات مین بڑی ادرک حاصل تھا، اس کے القاب کا جزء "شعلہ افروز فطرت اشراقیان، دانش آموز طبیعت مشائیان" تھا، خوش بیان، خوش نویس اور اعلیٰ قسم کا سیاق دان بھی تھا،[4]

شاہ جہان کے دیوان کل **افضل خان** علامی شکر اللہ شیرازی کا شمار جید علما مین کیا گیا ہے، جب وہ دیوان کل کے عہدہ پر فائز ہوا، تو کسی نے تاریخ کہی ع شد فلاطون وزیر اسکندر
۱۰۳۸

---

[1] خافی خان ج ۱ ص ۷۰۰، [2] کی ہسٹری آف ہندی لٹریچر، [3] بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۲۹۹،

[4] مآثر الامرا جلد اول ص ۱۵۸،

عالمگیر کے زمانہ مین وہ جہانگیر کے مقبرہ کی نگرانی کے لیے مامور کیا گیا تھا[1]، برہمن صاحب دیوان بھی تھا، اور دارا سے اپنی شاعری کا خراج تحسین برابر حاصل کرتا رہا، شاہی دربار کی حوصلہ افزائی کی بنا پر برہمن نے اپنا دیوان ایران بھیج کر وہان کے ارباب فن سے بھی داد طلب کرنے کی کوشش کی، چنانچہ اپنے دیوان کے کچھ نسخے بھی وہان بھجوائے، مگر ایرانی جب ہندستان کے بڑے بڑے ارباب کمال کی ستایش کرنا اپنے لیے کسر شان سمجھتے تھے تو برہمن کو کب خاطر مین لا سکتے تھے لیکن خوشگو نے کلمات الشعرا مین اس کی تعریف کی ہے،

"طبعی درست داشت، شعر بطور قدما شستہ و صاف می گفت و سلیقہ انشا پردازی نیز داشت، در ہندوان غنیمت بود"

غلام علی آزاد بلگرامی نے سرو آزاد اور ید بیضا مین اس کا ذکر نہین کیا ہے، مراۃ الخیال کے مولف نے برہمن کے لیے اچھے الفاظ استعمال نہین کئے ہین، مگر اس کی یہ غزل پسند کی ہے:

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگان را | بہ مشت خس نتوان بست راہ طوفان را
جگر فشان شدہ ام بازجائے آن دارد | کہ لالہ زار کنم دامن و گریبان را
ہمیشہ زلف ترا اضطراب کار و راست | چگونہ جمع کند خاطر پریشان را
شبے خیال تو آمد بخواب وا سودیم | دگر ز ہم نکشادیم چشم گریان را
برہمن از تو سخن بے دلیل می خواہم | کہ اعتبار نباشد دلیل و برہان را

منشآت برہمن جو چندر بھان کے رقعات کا مجموعہ ہے، عرصہ دراز تک مدارس مین زیر درس رہی اور یہ اس کی نثر نگاری کی مقبولیت کی دلیل تھی، اس کی اور تصانیف کے نام یہ ہین، گلدستہ، تحفۃ الانوار، کارنامہ، تحفۃ الفصحاء، مجمع الفقرا، اور تحفۃ الوداد،

[1] اسلامک کلچر اپریل ۱۹۴۲ء

اقبال بڑھتا گیا، بادشاہ کی نظر عنایت نے اس کی ذاتی استعداد کی مدد کی، اور اس کی سعادت کا ستارہ قابلیت اور اقبال کے مشرق سے کمال کے مطلع پر نکلا، رفتہ رفتہ بادشاہ کی خاص مہربانی سے اس نے اس قدر ترقی کی کہ دوسرے سال تین ہزار منصب، دو ہزار سوار اور خانسامانی کی خدمت سے سر بلند ہو کر انجمن میں ہمدم و دمساز اور خلوت میں محرم و ہمراز ہو گیا، اور چوتھے سال بادشاہ کے فیض تربیت سے اس کے اقبال کا درخت طوبی کی طرح بڑھ کر ہندوستان کی وزارت کے باغ کا زینت ہوا، اور ساتویں سال ہفت ہزاری ہفت سوار پنجہزار دو اسپہ سہ اسپہ کا منصب دس کروڑ دام کا انعام، اور علامی و فہامی کا خطاب ملا۔"

(جلد دوم ص ۳۳۷، ترجمہ آزاد)

محمد امین میر جملہ شہرستانی شاعر بھی تھا، امیر الامراء علی مردان خان کے دربار کی علم پروری مشہور تھی، نواب قاسم خان، ظفر خان احسن، عنایت خان آشنا، اور مرزا امان اللہ امانی کا ذکر پہلے آچکا ہے۔

فضلاء | ملا عبد الحکیم سیالکوٹی۔ ان کے بارہ میں آزاد بلگرامی رقمطراز ہیں:

اپنے زمانہ کے بہت بڑے عالم اور اس زمانہ کے لوگوں کے لیے موجب افتخار ہیں یقیناً تمام درسی علوم میں ہندوستان کی سرزمین سے ان کا ہمسر نہیں پیدا ہوا، اور کمیت و کیفیت اور حسن قبول میں استعداد علمی یادگاریں ان کی طرح کسی نے دنیا میں نہیں چھوڑیں، سیالکوٹ جو لاہور کے مضافات میں ہے ان کا مولد ہے اور وہیں ان کی نشوونما ہوئی۔ جب ان کے سن شعور کا آغاز ہوا تو طالب العلمی شروع کی، اور زیادہ تر ملا کمال الدین کشمیری سے جو سیالکوٹ میں رہتے تھے فیض حاصل کیا، اور تھوڑی سی مدت میں بدر کامل ہو کر چمکے اور دنیا کو اپنے علمی فیوض و برکات سے بھر دیا۔ جہانگیر کے زمانے میں ضروری معاش پر قناعت کر کے

معقولات، منقولات، ہیئت، ہندسہ اور حساب مین اس کی اعلیٰ قابلیت مشہور تھی، فصاحت مین حسان وقت کہلاتا تھا، شاہ جہان کہا کرتا تھا کہ افضل خان کی زبان سے کسی نے کوئی برا کلمہ نہیں سنا۔[1]

سعد اللہ خان کو عبد الحمید لاہوری بادشاہ نامہ مین علامۃ الوریٰ اور فہامۃ العصر لکھتا ہے، وہ معقولات و منقولات کا ممتاز عالم ہونے کے علاوہ حافظ قرآن بھی تھا، اس کی تقریر کی فصاحت اور تحریر کی بلاغت کی بھی بڑی شہرت تھی، دربار مین پہنچکر اس نے جس طرح رسوخ و اقتدار حاصل کیا، اس کا ذکر عمل صالح مین اس طرح ہے،

رمضان ۱۰۵۰ھ مین موسوی خان صدر کل کی سفارش سے بادشاہ کے حضور مین (سعد اللہ خان نے) شرفیابی حاصل کی، پہلی مجلس ہی مین بادشاہ کی کمال شناسی اور قدردانی کی وجہ سے اس کی استعداد کا مرتبہ نمایان ہوگیا، اور بادشاہ کی دقیقہ رسی کے باعث اس کا کمال ظاہر ہوا، اس کی (یعنی سعد اللہ خان کی) دقت طبع، جدت فہم، کثرت فراست، استنباط دقائق، دریافت حقائق، اور تحصیل علم دینی و کسبی وغیرہ کا حال اہل علم پر ظاہر ہوگیا، چونکہ بادشاہ شریعت کی ترویج، اکابر دین کی تقویت، علما و صلحا کی تعظیم و تکریم، طلبہ کی تربیت و اہتمام مین ہمیشہ رغبت ظاہر کرتا ہے، اس لیے اس کی خاص قدردانی کی وجہ سے جس مین آب حیات کی خاصیت ہے، اس نے (یعنی سعد اللہ خان نے) حیات جاودانی پائی، مناسب روزینہ خلعت اور گھوڑے سے سرفراز ہوکر ملازمان شاہی کے زمرہ مین منسلک ہوا، اور بادشاہ کے حسن تربیت اور اس کی مہربانی کی برکت سے ایک سال مین ایک ہزار دو سو سوار کا منصب خان کا خطاب، عرض مکرر کی خدمت اور غسل خانہ کی داروغگی کا عہدہ عطا ہوا، روز بروز اس کا

[1] مآثر الامرا جلد اول ص ۱۵۱ و بادشاہ نامہ ج ا حصہ دوم ص ۳۴۹ و ج ۲ ص ۵۵

بزرگ مولانا خواجہ کوہی کی نسل سے تھے، جہانگیر کے عہد مین لاہور آئے، اور یہان شیخ
بہلول کے حلقۂ درس مین شریک ہوئے، پھر اکبر آباد پہنچے، اپنے عزیز مولانا میر کلان محدث
(نبیسہ مولانا خواجہ کاہی) کی وساطت سے جہانگیر کے دربار مین باریابی حاصل کی، جہانگیر نے ان کی
دینداری اور پرہیزگاری سے متاثر ہوکر، کابل کا منصب قضا تفویض کیا، اس کے بعد جہانگیر
ہی کے عہد مین شاہی لشکر کے قاضی ہوئے، شاہجہان نے ان کو اپنے زمانہ مین بھی اسی عہدہ پر
مامور رکھا، اور منصب ہزاری عطا کیا، اس خدمت کو ۳۰ سال تک انجام دیتے رہے،
شاہجہان ان کی بڑی قدر کرتا تھا، اس نے اپنا امام خاص بھی بنایا تھا، ۱۰۵۰ھ مین ان کو روپے مین
تلوایا، جو وزن مین ساڑھے چھ ہزار تھے، ایک بار گھوڑے سے گر گئے، تو چار مہینے
صاحب فراش رہے، شفا پائی تو کابل گئے، شاہجہان نے دس ہزار روپے انعام مین دیے،
۱۰۶۱ھ مین وفات پائی، مزار لاہور مین واقع ہے، ان کے لڑکے میر محمد زاہد بھی جید عالم
تھے، شاہجہان نے کابل مین واقعہ نویس کے عہدہ پر مامور کیا، عالمگیر کے زمانہ مین شاہی لشکر
کے محتسب رہے، پھر کابل کی صدارت تفویض کی گئی، ۱۱۰۱ھ مین کابل مین عالم جاودانی
کو سدھارے، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح تہذیب علامہ دوانی، حاشیہ تصور و تصدیق
ملا قطب الدین رازی، اور حاشیہ شرح ہیاکل ان کی تصانیف ہین ان کی ایک اور تالیف
رسالہ میر زاہد، معقولات مین درس نظامی کی اونچی کتاب سمجھی جاتی ہے، (مآثر الکرام جلد اول ص ۲۰۶
و بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ص ۳۴۳)

قاضی محمد سعید کرہرودی، کچھ دنون تک داروغۂ داغ رہے، پھر عرض مکرر کی خدمت
انجام دی، آخر مین بیوتات کے دیوان تھے، ہزاری منصب پر فائز تھے،

ملا میرک شیخ ہروی، ہرات سے ہندوستان آئے پھر مکہ معظمہ گئے، وہان حدیث

وطن ہی مین زندگی بسر کی لیکن جب شاہجہان کا زمانہ آیا اور علماء و شعراء کی گرم بازاری ہوئی تو وہ
اس کے دربار مین حاضر ہوئے، او جب جب دربار مین باریابی حاصل کرتے صلۂ گران
پاتے تھے، دو مرتبہ روپے مین تولے گئے او وزن مین جس قدر روپیہ چڑھا ان کو مل گیا،[1]
اور چند گاؤن بطور جاگیر کے انعام مین پائے، اب وہ نہایت اطمینان و فارغ البالی کے ساتھ
اپنے وطن مین مقیم رہ کر درس و تدریس اور تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے علم کی اشاعت کرنے
لگے، اونکی تصنیفات عرب و عجم تک پھیلی ہوئی ہین، اور وہ یہ ہین، حاشیہ تفسیر بیضاوی، حاشیہ مقدمات
تلویح، حاشیہ مطول، حاشیہ شریفیہ، حاشیہ شرح مواقف، حاشیہ شرح عقائد تفتازانی، حاشیہ
حاشیہ خیالی، حاشیہ شرح شمسیہ، حاشیہ حاشیہ عبدالغفور، تکملہ حاشیہ عبدالغفور، حاشیہ شرح عقائد
ملا جلال دوانی، درہ ثمینہ در اثبات واجب تعالیٰ، حواشی دہ کنار حکمۃ العین، حواشی در کنار
شرح ہدایہ حکمت، حواشی در کنار مراح الارواح ۲۰ ربیع الاول ۱۰۶۷ھ مین وفات پائی،
اور سیالکوٹ مین مدفون ہیں" (مآثر الکرام دفتر اول ص ۲۰۲)

ملا محمد فاضل، بدخشان کے رہنے والے تھے، کابل، توران، اور تبریز سے علم معقول و
منقول حاصل کرکے ہندوستان آئے، تفسیر اور اصول کی تعلیم ملا جمال لاہوری سے حاصل کی، اپنی
لیاقت کے سبب عدالت اردوئے کیہان" سے وابستہ ہوئے، آخر عمر مین درس و تدریس کا سلسلہ
جاری رکھا، شاہجہان کی طرف سے وظیفہ مقرر تھا، (بادشاہ نامہ عبدالحمید لاہوری ذکر ج ۲ حصہ دوم)

عبدالسلام دیوی، معقول منقول، فقہ اور اصول فقہ مین مہارت تامہ رکھتے تھے، شاہی فوج
کیساتھ منسلک رہتے تھے،

قاضی محمد اسلم۔ ہرات مین پیدا ہوئے، مگر کابل مین سکونت اختیار کی، خراسان کے مشہور

[1] مزید تائید کے لیے دیکھو بادشاہ نامہ ج ۱ حصہ ۲ ص ۲۴۳

میر محمد صالح کشفی قلم، میر عبد اللہ زرین رقم کا لڑکا تھا، ایک کتاب مناقب مرتضوی لکھ کر شاہجہان کو گذرانی، شاہجہان نے چند ورق دیکھے، تو بہت پسند کی، پانچ ہزار روپے اور ایک ہاتھی انعام مین دیا[1]

اس عہد کے اور دوسرے علما، و مشائخ کے نام یہ ہین، شیخ عبد الحق دہلوی، ملا یوسف، ملا عبد السلام لاہوری، مولانا محب علی، سید محمد رضوی، میان میر، سید جلال خواجہ خاوند محمود، خواجہ اسحٰق وہبیدی مجاز، ملا شاہ بدخشی، ملا خواجہ، شیخ بلاول قادری، شیخ پیر، میر حسام الدین بدخشی، شیخ ابو المعالی اور شیخ ناظر، ان کے فیوض و برکات کا ذکر عبد الحمید لاہوری کی تاریخ بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم مین ملے گا،

مورخین شاہان مغلیہ کو تاریخ سے خاص ذوق تھا، اس لیے ہر حکمران کے دور حکومت مین تاریخ نویسی کا باضابطہ محکمہ قائم تھا، شاہجہان نے اپنے عہد کی تاریخ نویسی کے لیے متعدد اہل قلم کی خدمات حاصل کین، چنانچہ اس کی فرمائش سے جو تاریخین مرتب ہوئین وہ مندرجۂ ذیل ہین،

۱- بادشاہ نامہ از محمد امین قزوینی،

۲- بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری،

۳- بادشاہ نامہ از محمد وارث،

۴- شاہجہان نامہ از مرزا جلال الدین طباطبائی،

محمد امین قزوینی، محمد امین بن ابو الحسین قزوینی ایران سے آکر پانچوین سنہ جلوس مین شاہجہانی دربار مین منشی کے عہدہ پر مامور ہوا، شاہجہان اپنے دربار کے تاریخ نویسوں کے کام سے خوش نہین تھا، وہ ایک لائق اہل قلم کی تلاش مین تھا، اتفاق سے قزوینی نے بندیلہ کی جنگ کے

---

[1] خافی خان جلد اول ص ۵۰۶،

کی تعلیم حاصل کرکے ہندوستان آئے، توشاہجہان نے داراشکوہ اور مراد بخش کی تعلیم کے لیے مقرر کیا۔

ملا عبد اللطیف سلطانپوری، تقریر و تحریر اور علمی تحقیق میں یگانۂ روزگار تھے، داراشکوہ اور اورنگ زیب کی تعلیم کے لیے مقرر تھے، آنکھوں کی بصارت جاتی رہی، توشاہجہان نے چند مکانات ان کو بطور انعام دیے، اور اجازت دی کہ وطن جاکر علوم دینیہ کا درس دیں،

میر محمد ہاشم گیلانی، معقولات، منقولات، طب اور ریاضی کے عالم تھے، بارہ سال حرمین شریفین میں رہ کر تعلیم پائی، منقولات میں شیخ محمد عربی محدث، شیخ عبد الرحیم حسائی اور ملا علی نبیرۂ ملا عصام الدین کے شاگرد تھے، اور معقولات میں میر نصیر الدین حسین اور مرزا ابراہیم ہمدانی سے تحصیل علم کی، طب حکیم علی گیلانی سے پڑھی، شاہجہان نے ان کی لیاقت کو دیکھکر تمام ملک کی "صدارت و طبابت" کی خدمت پر مامور کیا، پھر اورنگ زیب کی تعلیم انہی کے سپرد کی گئی، تفسیر بیضاوی پر حاشیہ لکھکر شاہجہان کے نام معنون کیا،

شیخ محمد، اکبری عہد کے مشہور طبیب حکیم الملک کے پوتے تھے، مکہ معظمہ میں پیدا ہوئے وہاں پر تعلیم حاصل کرکے ہندوستان آئے، پرہیزگاری، نیک کرداری اور دوسرے فضائل سے متصف تھے، شاہجہان نے انھیں دار السلطنت کا میر عدل مقرر کیا۔[1]

ملا فرید دہلوی، یمین الدولہ آصف خان کے حسن اہتمام سے ملا فرید دہلوی نے اور منجموں کی مدد سے ایک زیچ تیار کی، جس کا نام زیچ شاہجہانی رکھا، اس میں زیچ الغ بیگ کے بعض مسامحات بھی دکھائے گئے ہیں، شاہجہان کے سامنے جب یہ زیچ پیش کی گئی، تو اس نے عام استفادہ کی خاطر ہندوستان کی زبان میں ترجمہ کے لیے حکم دیا۔[2]

---

[1] مذکورہ بالا علماء کے حالات کے لیے دیکھو بادشاہنامہ ج ۱ از عبد الحمید لاہوری ص ۳۴۲ - ۳۳۹،

[2] عمل صالح ج ۱ ص ۳۹۱،

بیان، وا پرداختہ در معمورہ پٹنہ بزاویہ تنہائی، ومشغول بے نوائی درساختہ است، وروش سخن پردازی وطرز انشا طرازی شیخ ابوالفضل نیک فراگرفتہ، اگر نگارش معالی ومکارم این دولت والا وگذارش محامد ومآثر این سلطنت وست بالا، بدو باز گذاشتہ آید، آئینہ این تالیف منیف واین تصنیف شریف بنہجے کہ درخاطر دوربین صواب گزین مرکوز است نگاشتہ بود،"[1]

یہ تصنیف شاہجہان کی بیس سال کی حکومت کی تاریخ ہے، عمل صالح کا مصنف لکھتا ہے کہ شاہجہان اس کی خدمت سے اسقدر خوش تھا کہ اس نے دو مرتبہ اس کو روپے میں تلوا کر انعام عطا کیا۔[2]

محمد وارث، آخر میں کبر سنی اور ضعف کے سبب عبد الحمید اس کام کو انجام نہیں دے سکتا تھا، اسلیے اسکے شاگرد محمد وارث کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی گئی، جس نے بقیہ دس سال کی تاریخ کو مکمل کیا، وارث لکھتا تھا اور علامی فہامی سعد اللہ خان دیکھتے تھے، پھر علاء الملک طونی المخاطب بہ فاضل خان جو شاہجہانی عہد میں خانساماں کے عہدہ پر ممتاز تھا اور اورنگ زیب کے زمانہ میں وزیر ہوا، اس پر نظر ثانی کرتا تھا، آخر کا کچھ حصہ اس نے خود لکھا۔[3]

مرزا جلالہ طباطبائی، اصفہان سے ہندوستان ۱۰۴۶ھ میں آیا، شاہجہان کے درباری مورخین میں داخل ہوا، پانچ برس کی تاریخ لکھنے پایا تھا، کہ دشمنوں نے اس کے خلاف سازش کی، اور وہ اس خدمت سے محروم کر دیا گیا، "شش فتح کانگڑہ" اسی کے رشحات قلم کا نتیجہ ہے، اس میں شاہجہان کی شاندار فتح کا حال لکھا ہے، اور کمال یہ کیا ہے کہ ایک ہی واقعہ کی تحریر میں چھ قسم کا طرز اختیار کیا ہے،[4]

---

[1] بادشاہ نامہ ج ۱ ص ۱۰ [2] عمل صالح [3] ایلیٹ ج ، ص ۱۲۱ [4] اس عہد کی اور بھی مشہور تاریخیں ہیں، ملا محمد صالح کی عمل صالح، وغیرہ، ان میں اور محمد صادق خان کی شاہجہان نامہ، مگران مورخوں کا بظاہر کوئی تعلق شاہی دربار سے نہیں معلوم ہوتا ہے، اس لیے اس کتاب میں ان کا ذکر ضروری نہیں سمجھا گیا،

حالات لکھکر پیش کئے، شاہجہان اس کی لیاقت سے خوش ہوا، ۱۰۴۵ھ یعنی سنہ جلوس مین قزوینی سے فرمایش کی کہ وہ اس کی پیدایش سے لیکر اس عہد تک کی ایک مفصل تاریخ لکھے، قزوینی نے ابتدائی دس سال کے احوال قلمبند کئے، دوسرے دس سال کی تاریخ لکھنا چاہتا تھا لیکن بعض نامعلوم اسباب کی بنا پر نہ لکھ سکا، عمل صالح مین اسکی حیثیت و قابلیت کا ذکر ان الفاظ مین ہے:-

"مرزا امینا در اصطلاحات زبان فارسی مہارت تمام دارد و قاعدہ فن انشا را بقانون

می شناسد، شاہد بخشش از لباس تحفت مبرا است و صاحب طبع و ذہن مستقیم و فکر رسا،

سابق خدمت نگارش بادشاہ نامہ بدو متعلق بود و بعد ازان بخدمت جمع و تاریخ می پرداخت،

مردے خوش ظاہر و خوش محاورہ بود"

عبد الحمید لاہوری، عبد الحمید کا مولد اور مسکن لاہور تھا، علامی ابو الفضل کا شاگرد تھا، اس لیے اسی کے طرز انشا مین لکھنے کی مہارت پیدا کی، لیکن زمانہ کی نامساعدت سے پٹنہ[1] مین آکر عزلت نشین ہوگیا تھا، اس کے ادب و انشا کی خبر شاہجہان کو ملی، تو اس نے اس کو دربار مین طلب کیا، شاہجہان چاہتا تھا کہ ابو الفضل کی "اکبر نامہ" کے طرز پر اس کی حکومت کی بھی تاریخ لکھی جائے، چنانچہ اسی خواہش کو ملحوظ رکھتے ہوئے عبد الحمید کو تاریخ نویسی کے لیے مامور کیا، عبد الحمید خود لکھتا ہے:-

"بوسیلۂ بعضی از مقربان بساط تقرب بعرض اشرف اقدس رسید کہ عبد الحمید لاہوری

المولد و المنشا کہ دل رمیدہ را از اختلاط این و آن و خاطر شوریدہ را از ارتباط فلان و

---

[1] ایلیٹ ج ۷ ص ۳ برٹش میوزیم کیٹلاگ ص ۲۵۹ [2] ایلیٹ ٹھٹہ کے بجائے پٹنہ لکھتا ہے، ایشیاٹک سوسائٹی کے مطبوعہ نسخہ مین بھی پٹنہ لکھا ہے، لیکن اورینٹل لائبریری پٹنہ کے فاضل کیٹلاگر نے صاف طور سے بتایا ہے کہ پٹنہ نہیں ہے بلکہ ٹھٹہ ہے، پٹنہ کتابت اور پڑھنے کی غلطی ہے، ملاحظہ ہو کیٹلاگ ج ۷ ص ۵۶

نے نہ صرف یہ کہ ان کو بجنسہ قائم رہنے دیا، بلکہ انھیں فروغ دینے کی کوشش کی، ان کے علاوہ جامع مسجد دہلی کے جوار میں اس نے ایک مدرسہ دارالبقا نامی قائم کیا، جس میں طلبہ معقول و منقول کی تعلیم حاصل کرتے تھے،[1]

اس مدرسہ کا فیض عرصہ تک جاری رہا، کچھ عرصہ کے بعد اس کی عمارتیں مرمت طلب ہو گئیں، تو صدرالدین خان بہادر صدرالصدور شاہجہان آباد نے ایک کثیر رقم خرچ کر کے از سر نو تعمیر کرائیں، اور وہاں کے طلبہ کے کھانے اور کپڑے کے اخراجات خود ہی برداشت کیے،

[1] آثار الصنادید از سید احمد خان باب تیسرا ص ۱۲

خوشنویس | تیموریون نے اپنے دور میں فن خطاطی کو بھی بڑی ترقی دی، اکبری عہد کے خطاطوں کا ذکر کیا جا چکا ہے، جہانگیر کو مصوری کے ساتھ اس فن سے بھی گہری دلچسپی تھی اور اس نے اپنے تمام لڑکوں کو اس کی خاص طور پر تعلیم دلائی، شہزادہ خسرو کی خوش خطی مشہور تھی، سلطان پرویز کلام اللہ کی کتابت میں اکثر مشغول رہتا، خود شاہجہان خط نستعلیق کا بڑا ماہر تھا، اس کی سرپرستی میں سید علی خان الحسینی جواہر رقم، عبدالباقی حداد یاقوت رقم، محمد مراد شیریں قلم، میر صالح ولد عبداللہ مشکین رقم، ملا باقر کشمیری، محمد حسین کشمیری، مقصود علی، میر محمد کاشی، حافظ عبدالرحمن رشیدائی، عبداللہ، شکراللہ، محمد مقیم، محمد جعفر، کفایت خان، درایت خان، محمد اکبر اور محمد موسیٰ نے نستعلیق تعلیق، نسخ اور شکستہ لکھنے میں بڑا کمال پیدا کیا، شاہجہان میر عماد الحسینی قزوینی کی خطاطی کا بڑا دلدادہ تھا، میر عماد ہندوستان نہیں آیا، لیکن شاہجہان کی خدمت میں جب کوئی اس کی خطاطی کا کوئی نمونہ نذر کرتا، تو شاہجہان اس کو انعام میں یکصدی منصب عطا کرتا تھا، عبدالرشید دیلمی میر عماد کا بھانجا اور شاگرد بھی تھا، وہ ہندوستان آیا تو دارا کا استاد مقرر ہوا، جس کے بعد اس نے دربار میں بڑا رسوخ حاصل کیا، تذکرۂ خوشنویسان کے مولف نے اس کو ملک خطاطی کا پیغمبر کہا ہے، اور یہ بھی لکھا ہے کہ یہ فن اسی کے ساتھ ختم ہوگیا، اس کے ممتاز شاگردوں میں داراشکوہ کے علاوہ، محمد اشرف خواجہ سرا، سید اشرف، عبدالرحمن اور میر حاجی وغیرہ تھے، [۱]

کتب خانہ | شاہی کتب خانہ کا داروغہ بعض اوقات خوشنویسوں ہی میں سے مقرر ہوتا تھا، چنانچہ ۱۰۵۵ھ تک اس خدمت کو عبدالرحمن رشیدائی نے انجام دیا تھا، اس کے بعد میر صالح ولد عبداللہ مشکین رقم اس عہدہ پر متعین ہوا، [۲]

درسگاہیں | ان درسگاہوں کو جو اکبر و جہانگیر اور ان کے امراء نے قائم کیں شاہجہان

---

[۱] تذکرہ خوشنویسان ص ۹۰۵-۱۰ [۲] شاہجہان نامہ ص ۵۰۵ ج ۲

یہ الفاظ اورنگ زیب کے اس سوانح نگار کے ہیں جس نے اس کے خلاف تعصب اور عداوت کا اظہار کرنا اپنی زندگی کا واحد اور معنی خیز مقصد قرار دیا ہے، مگر اورنگ زیب کے علمی کمالات کے لیے مذکورہ بالا تعریفی کلمات بادل ناخواستہ شاید اس لیے لکھ دیے گئے ہیں کہ اس عظیم المرتبت اور جلیل القدر فرمانروا کے آفتاب علم پر خاک ڈالنے کی کوشش بے سود ہوتی،

اورنگ زیب کی تعلیم لائق اور قابل اساتذہ کی نگرانی میں ہوئی، جن ارباب علم و کمال سے اس نے فیض حاصل کیا، ان کے نام یہ ہیں:۔

مولانا عبد اللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی، علامی سعد اللہ، ملا موہن بہاری، مولانا سید محمد قنوجی، ملا شیخ احمد معروف بہ ملا جیون، شیخ عبد القوی، دانشمند خان،[1]

مولانا عبد اللطیف سلطانپوری، مولانا ہاشم گیلانی، اور علامی سعد اللہ کا ذکر پہلے آچکا ہے، مولانا عبد اللطیف کے بارے میں اورنگ زیب کہا کرتا تھا کہ میرے تمام استادوں میں ان کا حق زیادہ ہے، کیونکہ وہ میری تعلیم میں کسی قسم کی مداہنت اور تساہل کو راہ نہ دیتے تھے،[2]

ملا موہن کا اصلی نام محی الدین تھا، قصبہ بہار شریف کے رہنے والے تھے، نو سال کی عمر میں کلام پاک حفظ کیا، حضرت شاہ حیدر نبیرہ شیخ وجیہ الدین گجراتی سے شرف بیعت حاصل کیا، شاہجہان کے دربار سے منسلک ہوئے، تو اورنگ زیب کی تعلیم کی بھی خدمت ان کے سپرد ہوئی، ۱۰۸۰ھ میں ۸۴ سال کی عمر میں وطن ہی میں وفات پائی،

---

[1] اورنگ زیب کی تعلیم و تربیت اور انشاء و ادب پر جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی ایم اے سابق رفیق دار المصنفین (حال پروفیسر اسماعیل کالج بمبئی) نے مقدمۂ رقعات عالمگیر (سلسلۂ دار المصنفین) میں نہایت فاضلانہ بحث کی ہے، راقم الحروف نے اس سے بھی استفادہ کیا ہے،

[2] مرآۃ العالم قلمی نسخہ دار المصنفین، ورق ۳۱۹،

عالمگیر

جسمانی ہمت اور تمکنت کے علاوہ اس نے اوائل زندگی ہی سے بادشاہت کی مشقتون اور خطرون کو اپنا شیوہ بنا لیا تھا، اور اس عظیم الشان عہدہ کے لیے احترام ذات، معرفت ذات اور ضبط نفس سے اپنے کو تیار کیا، بادشاہون کے لڑکون سے بالکل مختلف اورنگ زیب ایک وسیع النظر اور سلیم الفطرت عالم تھا، اور زندگی کی آخری سانس تک کتابون سے محبت کرتا رہا، اگر ہم قرآن شریف کے ان متعدد نسخون کو نظرانداز بھی کردین، جن کو اس نے اپنے ہاتھون سے ایک عابد کی سرگرم ریاضت کے ساتھ لکھا، تو بھی ہم اس کو فراموش نہین کر سکتے، کہ وہ ایک مشغول حکمران ہونے کے باوجود اپنی قلیل فرصت کو عربی کی فقہی اور مذہبی کتابون کے مطالعہ مین شوق سے گذارتا، اور پرانے اور نادر مخطوطات مثلاً نہایہ، احیاء العلوم اور دیوان صائب کو کتابون کے ایک کامل عاشق کی ہوس سے ڈھونڈتا، اس کے کثیر رقعات اس کی فارسی شاعری اور عربی ادب پر قدرت کی دلیل ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ اپنے ایک خط کو مناسب اشعار و اقتباسات سے مزین کرتا ہے، عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی اور ہندی بھی آزادی کے ساتھ بول سکتا تھا، یہ اسی کی جودت طبع اور سرپرستی کا نتیجہ ہے کہ آج ہمارے پاس ہندوستان مین مسلمانون کے قانون کا سب سے بڑا خلاصہ فتاوی عالمگیری ہے، جو نہایت مناسب طور پر اسی کے نام کیساتھ منسوب ہے اور جس نے جس کے عہد مین ہندوستان مین اسلامی نظام عدل کو واضح طور پر آسان کر دیا ہے۔[1]"

[1] اورنگ زیب شاہ [illegible] سرکار [illegible]

اطاعت گذاری کے قصے اور لطیفے آج بھی مجلسوں میں بیان کئے جاتے ہیں، ملا صاحب کی پوری عمر درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گذری، حرمین شریفین کی زیارت کو گئے تو مدینہ میں ربیع الاول ۱۱۰۵ھ میں منار کی شرح نور الانوار کے نام سے لکھنی شروع کی، اور جمادی الاول ۱۱۰۶ھ کو یہ شرح ختم کی، اور کسی کتاب سے مدد نہ لی، ان کی تفسیر احمدی آجتک مشہور ہے، ۱۱۳۰ھ میں دہلی میں وفات پائی، مگر امیٹھی میں دفن ہیں[1]

شیخ عبد القوی برہان پوری اپنے علم وفضل، سچائی اور سلامت روی کے لیے مشہور تھے، اس لیے اورنگ زیب کے استاد مقرر ہوئے، اورنگ زیب نے جب زمام سلطنت سنبھالی تو ان کو ہزار و پانصدی کا منصب عطا کیا،[2] اور اس کے مقرب خاص رہے، وہ ان کو اخوند کہا کرتا تھا، اور خلوت میں بلاکر ان کے مشوروں سے مستفید ہوتا تھا، اسی لیے جلوس کے چوتھے سال اعتماد خان کا بھی خطاب دیا، تفسیر کے عالم ہونے کے علاوہ شرعی احکام یعنی فقہی جزئیات کا بھی بڑا لحاظ رکھتے تھے، احتساب میں بھی بہت سخت تھے، حضرت سرمد کی برہنگی کا سوال اٹھا تو عالمگیر نے ان ہی کو حضرت سرمد سے بازپرس کرنے کا حکم دیا، اور جب وہ ان کے سامنے لائے گئے، تو اپنی برہنگی کی وجہ یہ بتائی کہ شیطان قوی ہے اور پھر یہ رباعی پڑھی

خوش بالائے کردہ چنین پست مرا | چشمے بدو جام بردہ از دست مرا
او در بغل من است و من در طلبش | دزدے عجبے برہنہ کردہ است مرا

شیخ عبد القوی مطمئن نہیں ہوئے، مزید یہ کہ حضرت سرمد کی حسب ذیل رباعی سے ان کو انکار معراج کا بھی مجرم قرار دیا،

---

[1] تذکرہ علمائے ہند ص۔ [2] مرأۃ العالم میں ہے کہ دو ہزار و پانصدی کا منصب ملا (ورق ۲۰۶)

مولانا سید محمد قنوجی ریاضی اور ادب کے ماہر تھے، عالمگیر نے امام غزالی کی اکثر کتابیں خصوصاً احیاء العلوم ان ہی سے پڑھی، تخت پر جلوہ افروز ہونے کے بعد بھی عالمگیر نے ان سے استفادہ جاری رکھا، اور ہفتہ میں تین روز اس کے یہاں علمی مجلس ہوتی جس میں مولانا محمد قنوجی ضرور شرکت کرتے، فتاوی عالمگیری کی تدوین میں بھی وہ شریک رہے،[1] ۱۰۹۱ھ میں وہ اجمیر جاکر عالمگیر سے ملے تھے، اس کا ذکر مآثر عالمگیری کا مؤلف اس طرح کرتا ہے:-

"بیس محرم کو جامع الکمالات میر محمد قنوجی تنگا، سے آستانۂ شاہی پر حاضر ہوئے، اور شرف یابی سے شاد کام ہو کر ایک ہزار، روپیہ و دو خوان میوہ کے عطیات سے سرفراز ہوئے،"[2]

عالمگیر اپنے بعض اہم خانگی کام ان ہی کی نگرانی میں انجام دلاتا تھا، مثلاً شاہجہان کی تجہیز و تکفین شاہی غسل خانہ میں ہوئی، تو وہ بھی موجود رہے، شاہزادہ محمد اعظم کا نکاح ان ہی کی وکالت میں انجام پایا،[3] ان کے لڑکے سید احمد خان کو عالمگیر نے محتسب کے عہدہ پر مامور کیا تھا،[4]

ملا جیون کا اصلی نام شیخ احمد تھا، صدیقی تھے، امیٹھی ضلع لکھنؤ میں پیدا ہوئے، کلام پاک حفظ کر کے اپنے عہد کے تمام ممتاز علماء سے تعلیم پائی، ملا لطف اللہ کوڑہ جہان آبادی سے فاتحۂ فراغ پڑھا، حافظہ بڑا قوی رکھتے تھے، ایک بار کوئی قصیدہ سن لیتے تو وہ پورا یاد ہو جاتا، درس کی کتابوں کی عبارت بغیر دیکھے پڑھتے، عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوئے تو اس نے ان سے بہت سی کتابیں پڑھیں، اور پھر زندگی بھر ان کا احترام کرتا رہا، ان سے اسی طرح ادب سے پیش آتا، جس طرح بچے باپ سے پیش آتے ہیں، ملا صاحب کے بھولے پن، اور عالمگیر کی سعادت مندانہ

[1] تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۹، [2] مآثر عالمگیری ص ۲۰۵، اردو ترجمہ جامعہ عثمانیہ [3] ایضاً ص ۵۲-۷۰، [4] ایضاً ص ۶۵،

سے سرفراز کیے گئے، شاہجہان کے آخری زمانۂ حکومت مین کسی سبب سے گوشہ نشین ہو گئے تھے جب اورنگ زیب تخت پر جلوہ افروز ہوا، تو پھر شاہی لطف و کرم سے نوازے گئے، میر بخشی اور مختلف عہدون کی خدمت ان کے سپرد ہوتی رہی، پنجہزاری منصب بھی عطا ہوا، فرحۃ الناظرین مین ہے کہ عالمگیر بادشاہ ہونے کے بعد بھی ان سے خاص خاص کتابین پڑھا کرتا تھا، امام غزالی کی احیاء العلوم ان ہی سے آخر تک پڑھی، دانشمند خان کے بارے مین مآثر الامراء مین ہے:

"امیر موصوف اپنے زمانہ کے بڑے فضلا مین سے تھے، نیک نفسی اور نیک اندیشی مین مشہور تھے، ان کے بعد اب تک ایسے لوگون مین جنھون نے فضیلت اور امارت کو ایک ساتھ جمع کر لیا تھا، کوئی ان کے درجہ کا نہین پیدا ہوا، [1]

۱۰۸۱ھ مین وفات پائی، [1]

اورنگ زیب کو علوم دینیہ سے فطری رغبت تھی، لائق اور فاضل اساتذہ کی نگرانی مین ان علوم سے اس کا شغف اور بھی زیادہ بڑھا، عالمگیر نامہ مین ہے:-

از کمالات کسبیہ آنحضرت کہ زینت بخش حالات قدسیہ وہبیہ گشتہ، تتبع علوم دینیہ از حدیث و تفسیر عربیہ و فقہ شریف حنفیہ است، از بس بمارست مراتب شرعیہ و استکشاف عقائد اصلیہ و مسائل شرعیہ اشتغال ورزیدہ اند، قوت حافظہ اشرف، مخزن این حقائق شدہ و بسیاری از کتب طریقت و سلوک و اخلاق چون احیاء العلوم و کیمیائے سعادت و دیگر تصانیف عرفاء و اکابر رسائل و مولفات علمائے باطن و ظاہری بمطالعہ ہمایون

---

[1] مآثر الامراء جلد دوم ص ۳۲ -- ۳۰ نیز دیکھو مراۃ العالم قلمی ورق ۲۹۸، و اقتباس فرحۃ الناظرین لاہور ص ۱۱

آن کو سر حقیقتش یاور شد　　　　خود ہین تر از سپہر بہنا در شد

ملا گوید کہ بر شد احمد بفلک　　　　سرمد گوید فلک با حمد در شد

اور اس کے بعد دوسرے فقہا کی رائے لیکر حضرت سرمد کے قتل کا حکم صادر کیا،

شیخ عبد القوی ایک جاسوس کے جرم کی تفتیش کے سلسلہ مین قتل ہوئے تو عالمگیر اپنے محبوب استاد کی موت پر بڑا متاسف اور دلگیر ہوا، ان کی اولاد کو اپنی نوازشون سے سرفراز کرتا رہا[1]

دانشمند خان خطاب، نام ملا شفیعائی، اور وطن یزد تھا، ایران مین معقولات منقولات کی تعلیم پاکر تجارت کے سلسلہ سے ہندوستان آئے، مگر تجارت کرنے کے بجائے شاہی فوج سے منسلک ہو گئے، لیکن اس ملازمت سے بددل ہوکر وطن واپس جانے لگے، شاہجہان کے مقربین نے ان کی استعداد و لیاقت کا ذکر اس سے کیا، تو اس نے فوراً شاہی فرمان بھیجکر ان کو دربار مین طلب کیا، وہ سورت پہنچ چکے تھے، لیکن شاہی حکم پاکر لوٹے، دربار مین پہنچے تو شاہجہان نے ان کی لیاقت کو جانچنا چاہا، ایک روز علمی مجلس منعقد کرائی، جس مین ملا عبد الحکیم سیالکوٹی خاص طور پر مدعو کئے گئے، شاہجہان کی فرمایش سے ملا شفیعائی یزدی اور ملا عبد الحکیم سیالکوٹی مین علمی مذاکرہ شروع ہوا، بادشاہ نے علامی سعد اللہ کو حکم مقرر کیا، بحث ایاک نعبد وایاک نستعین کی تفسیر پر تھی، ملا عبد الحکیم اور ملا شفیعائی نے اہم نکتے بیان کئے، اور جب بحث ختم ہوئی تو علامی سعد اللہ کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل تھا کہ دونون مین سے کس کا علم زیادہ گہرا اور وسیع ہے، شاہجہان ملا شفیعائی کی فصاحت گفتار سے خوش ہوا اور شاہی ملازمین کے زمرہ مین داخل کر لیا، وہ رفتہ رفتہ ترقی کرکے میر بخشی کے عہدہ پر مامور ہوئے، اور دانشمند خان کے خطاب اور سہ ہزاری ہشت صد سوار کے منصب

---

[1] مآثر الامراء ج ۱ ص ۲۹-۲۲۲، مراۃ العالم ورق ۲۹۰

یاد تھا، اور اس امر مین بے حد اہتمام فرماتے تھے کہ کلام الٰہی کو نہایت صحت کے ساتھ یاد رکھین، قصہء عالم کے شروع حفظ کی تاریخ خود قرآن کریم کی آیت سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى ہے، اور ختم کلام مجید کا سنہ لَوحِ محفوظ کے اعداد سے برآمد ہوتا ہے، ([illegible]ھ)

اورنگ زیب فن خطاطی مین ید طولی رکھتا تھا، یہ فن اس نے سید علی خان الحسینی جواہر رقم[1] اور عبد الباقی حداد (عبد اللہ) سے سیکھا[2]، چنانچہ اسکو خط نسخ اور خط نستعلیق لکھنے مین کامل مہارت تھی، منشی کاظم مصنف عالمگیر نامہ لکھتا ہے:-

از رتبہء خط و حسن تحریر آن شہنشاہ فلاطون فطنت سکندر نظیر کہ صفحات روزگار و اوراق دفاتر لیل و نہار از آن زینت پذیر است خامہ نکتہ پرداز جادو فن را چہ یارائے دم زدن بقدرت کلک بدائع آثار معنی استادی و سحر نگاری را چنان بر کرسی نشانیدہ اند کہ دست استادان اقالیم سبعہ خط بدان نتواند رسید و بر شجرہء فیض انامل در بار نہال موزون قلم را در خوشنویسی شاخ و برگی بخشیدہ کہ کتیبان صنعت خط از تتبع آن شیوہ جز خجلت ثمری نتوانند چید، خط نسخ آن حضرت کہ رقم نسخ خط یاقوت و صیرفی تواند بود، در غایت پختگی و مزہ و متانت و اسلوب است و کمال قدرت در نوشتن آن دارند، اکثر اوقات توفیق ثواب اندوزی کتابت کلام اللہ از ضمائم عبادات و کرائم عادات آن شہنشاہ دین پناہ است...... خط نستعلیق آنحضرت بے شائبہء اطرای مدح طرازی و اغراق نکتہ پردازی در آن رتبہ است کہ قطعہ ہائے کہ در مبادی ایام ذوق و سرگرمی مشق رقم پذیر خامہء اشرف گشتہ بقطعات خوب استادان کہ عمر گرانمایہ صرف تحصیل آن سرمایہ ساختہ بتکمیل امرے دیگر نپرداختہ اند در نظر خط شناسان مبصر مشتبہ می شود، و شکستہ تعلیق در نہایت مغزداری و صفا و متانت و پختگی می نویسند،[3]

۱؎ تاریخ خوشنویسان سندھ ص ۵، ۲؎ ایضاً، ص ۱۲۵، ۳؎ عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۲-۹۳

رسیدہ ..... معضلات و کشف اسرار آن فرمودہ اند و بالفعل نیز بعد فراغ از نظم مہام سلطنت و سروری تمہید مراسم دین پروری و عدالت گستری باین شغل اشتغال بیوستگی دارند،[1]

اسی چیز کو مآثر عالمگیری کا مصنف ان مختصر الفاظ مین پیش کرتا ہے،

قبلہ عالم کے کمالات کسبیہ کا عظیم الشان کارنامہ علوم دینیہ یعنی فقہ و تفسیر و حدیث کی تحصیل ہے، جہان پناہ کو حضرت امام غزالی کی تصنیفات، شیخ شرف الدین یحیٰی منیری کے مکتوبات اور شیخ زین الدین و قطب الدین محی الدین شیرازی کے رسائل سے خاص شوق تھا، اور یہ کتابین اکثر مطالعے مین رہتی تھین،[2]

اورنگ زیب حافظ قرآن بھی تھا، اور یہ سعادت تیموری بادشاہون مین صرف اسی کو حاصل تھی، اور سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس نے کلام پاک اس وقت حفظ کیا جب وہ اپنی عمر کے تینتالیسوین سال مین تھا، اور یہ دولت صرف ایک سال کے اندر جمع کی [illegible] مین حفظ کرنا شروع کیا، اور [illegible] مین ختم کیا، سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى سے ابتدا کی اور لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ سے اختتام کی تاریخ نکلتی ہے، اورنگ زیب کے ایک درباری شاعر نے اس موقع پر یہ شعر کہا:

تو حامی شرع و حامی تو شارع　　　تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو[3]

مآثر عالمگیری مین ہے:-

حضرت کے فضائل مین سب سے اہم و عظیم الشان امر حفظ قرآن مجید کی سعادت ہے، اگرچہ ابتدا ہی سے قبلہ عالم کو اکثر سورتین قرآن مجید کی حفظ تھین، لیکن تمام و کمال کلام پاک کے حفظ سے بعد جلوس بہرہ اندوز ہوئے، حضرت کو قرآن پاک بہت اچھا

---

[1] عالمگیر نامہ ص[illegible]، [2] مآثر عالمگیری ص[illegible]، [3] عالمگیر نامہ ص[illegible] و مراۃ العالم قلمی نسخہ،

اور دونون نسخے مدینہ منورہ مین حرم نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر بطور نذر رکھوا دیئے[1] (وقصہ)

اورنگزیب کے ہاتھ کے لکھے ہوئے کلام پاک کے نسخے آج بھی ہندوستان کے مختلف حصون مین پائے جاتے ہین، ایک نسخہ اعلیٰ حضرت حضور نظام دکن کی ملکیت مین ہے، دوسرا جناب مولوی سید خورشید علی صاحب ناظم دیوانی حیدرآباد کے پاس ہے، تیسرا نواب صاحب مانگرول کے پاس ہے، جس کا عکس جناب خواجہ حسن نظامی صاحب نے شائع بھی کر دیا ہے، مگر یہ نسخہ مشکوک ہے۔ ایک پنج سورہ وکٹوریہ میموریل کلکتہ مین ہے[2]،

اور عبرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے سب سے بڑے ملک اور سب سے بڑی مملکت کے شہنشاہ نے کلام پاک کے انہی نسخون کے ہدیہ کی رقمون کو اپنی آخرت کی نجات کا ذریعہ سمجھا، چنانچہ اپنے وصیت نامہ مین لکھتا ہے:۔

"چہار روپیہ و دو آنہ از وجہ کلاہ دوزی نزد ایہ بیگہ محلدار است بگیرند، و صرف کفن این بیچارہ نمایند، و سہ صد و پنج روپیہ از وجہ کتابت قرآن در حرف خاص است، روز وفات بفقرا بدہند[3]،"

عالمگیر نے سلوک و طریقت کی بھی تعلیم پائی، اس سلسلہ مین وہ حضرت مجدد الف ثانی رح کی تعلیمات سے متاثر تھا، اسی لیے ان کے فرزند ارجمند حضرت محمد معصوم قدس سرہٗ کے رشد و ہدایت سے مستفید ہوتا رہا[4]، عہد اکبری مین بعض علماء سوء کی فتنہ سامانیون کی وجہ سے عالم اسلامی شعائر

---

[1] مرآۃ العالم مین بھی ہے "دو قرآن مجید بخط اقدس صورت ترتیب پذیرفتہ، و مبلغ ہفت ہزار روپیہ بر لوح و جدول آن صرف شدہ بہ اماکن شریفہ ترسیل یافتہ" [2] تفصیلات کے لیے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف ندوی ایم اے، [3] سرکار احکام عالمگیری صفحہ ۱۳ طبع ثانی، بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیر از سید نجیب اشرف ندوی، [4] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۴۶۲،

مآثر عالمگیری مین ہے،

"قبلۂ عالم خط نستعلیق و شکستہ بھی بہت خوب لکھتے تھے۔ ان خطوط مین حضرت کو کمال حاصل تھا۔"[1]

بختاور خان مرآۃ العالم مین لکھتا ہے،

"در نوشتن اقسام خطوط مہارت اندوختہ۔"

اورنگ زیب نے خطاطی کا فن محض ذاتی زیب و زینت کے لیے نہین سیکھا تھا، بلکہ اس کے ذریعہ سے حصول سعادت دین کے ساتھ ساتھ کسب معاش دنیا بھی کیا کرتا تھا، وہ فرصت کے اوقات مین عموماً صبح کو پانچ بجے سے سات بجے تک اور سہ پہر کو ۲ بجے سے ۵ تک کلام مجید کے نسخے اپنے ہاتھ سے لکھتا تھا جس کا سلسلہ اس نے ایام شہزادگی سے لے کر آخر عمر تک جاری رکھا، عالمگیر نامہ مین ہے، (صفحہ ۱۰۹۲)

"شہزادگی کے زمانہ مین بہت سے تحفون اور رقم خطیر کے ساتھ ایک مصحف لکھ کر بھیجا تاکہ وہان اس کی تلاوت ہو، تخت شاہی پر بیٹھنے کے بعد شاہانہ مشاغل کی کثرت کے باوجود مصحف کی کتابت اور عبادات و وظائف کے لیے بھی وقت الگ کر رکھا تھا، چنانچہ تھوڑے ہی عرصہ مین ایک اور مصحف کی تکمیل کی، ان دو مصحفون کے علاوہ پنج سورہ اور دوسری قرآنی سورتین بھی لکھین۔ (یہ عبارت اصل کی تلخیص ہے)

مآثر عالمگیری مین ہے کہ عالمگیر نے دو مصحف مدینہ منورہ بھیجے

قبلۂ عالم خط نسخ نہایت خوب تحریر فرماتے تھے، اور اس کی کتابت پر حضرت کو خاص قدرت حاصل تھی، جہان پناہ نے دو قرآن مجید اپنے قلم خاص سے تحریر فرما کر بمبلغ سات ہزار روپے ان کی جلد بندی اور جدول کی زیب و زینت مین صرف فرما کے۔

[1] مآثر عالمگیری ۵۳۳ و مرآۃ العالم

احوال حاصل ہوں تو وہ اس کے حق میں استدراج ہے، احوال باطنی کا احکام شرعیہ سے آراستہ ہونا ضروری ہے، اگر علوم لدنیہ کی مطابقت صریح علوم شرعیہ سے نہیں تو ایسے تمام علوم کو حاصل کرنا الحاد اور بے دینی ہے[1] طریقۂ سنت سے ہٹ کر جو ریاضتیں اور مجاہدے لوگ کرتے ہیں، ان کا کچھ وزن و اعتبار نہیں، ایسی ریاضتیں تو یونان کے فلسفی اور ہندوستان کے برہمن اور جوگی بھی کرتے ہیں، لیکن ان کو گمراہی اور خسارہ کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا،[2] نامشروع طریقوں سے جو احوال وکیفیات مترتب ہوں وہ استدراج ہیں، احکام شرعیہ کے اثبات میں صرف کتاب و سنت کا اعتبار ہے، اور قیاس و اجماع امت بھی مثبت احکام ہیں، ان چار ادلۂ شرعیہ کے بعد کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے احکام ثابت ہوں،[3]

ہم نے حضرت مجدد اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات کا بہت سرسری خاکہ پیش کیا ہے، عالمگیر نے ان تعلیمات کی تمام جزئیات کا خود بھی مطالعہ کیا تھا، پھر حضرت خواجہ محمد معصوم قدس سرہ کی صحبت اس کے حق میں سے دو آتشہ بنگئی، وہ عالم دین اور حافظ قرآن تو پہلے ہی سے تھا پھر حامی دین اور پابند شریعت بننے میں اس کو کیا دیر لگ سکتی تھی، ہندوستان کے اس مسلمان بادشاہ کی جو قلمی تصویر مآثر عالمگیری کے مولف نے پیش کی ہے اس کو ہم ہو بہو ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں،

حضرت خلد مکان اپنی فطری سعادت اندوزی کی وجہ سے مذہبی احکام و شعائر کے بے حد پابند تھے، قبلۂ عالم حنفی المذہب سنی تھے، اور اسلامی فرائض خمسہ کی پابندی اور نیز ان کے اجرا میں بے حد کوشاں رہتے تھے، حضرت ہمیشہ باوضو رہتے، اور کلمۂ طیبہ اور نیز دیگر اوراد و وظائف ہر وقت زبان پر جاری رہتے تھے، نماز اول وقت مسجد میں جماعت کے ساتھ ادا فرماتے، اور تمام سنن و نوافل کو بے حد خلوص و حضور قلب سے

---

[1] مکتوب نمبر ۳۶ دفتر اول [2] مکتوب نمبر ۲۱۱ [3] مکتوب نمبر ۵۵

سے بیگانہ ہو کر کفر وضلالت کی طرف مائل ہو گئے تھے، ان کی زندگی بدعت، شرک اور زندقہ سے ملوث ہو گئی تھی، بعض صوفیہ نے اپنے کو بزرگان دین کہکر طریقت و معرفت کے نام سے تصوف کی ایسی تعلیم دی تھی جس سے شریعت کے تمام قوانین نظر انداز کر دیے گئے تھے۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے علم جہاد بلند کر کے اسلام اور پیروان اسلام کی زندگی کو مشرکانہ رسوم، ملحدانہ عقائد، اور غیر شرعی رجحانات سے پاک وصاف کیا، اور ایک بار پھر کتاب وسنت کے احکام کی تجدید کی، ان کی تعلیم تھی کہ ہر مسلمان خواہ وہ بادشاہ ہو یا ادنیٰ رعایا، عالم ہو یا جاہل، امیر ہو یا غریب، عارف ہو یا سالک، اپنے عقائد کو کتاب وسنت کے مطابق صحیح کرے[۱]، اور کتاب وسنت سے جو علوم مستفاد ہیں ان میں سے وہی معتبر ہیں جن کو بزرگان نے سمجھا اور اخذ کیا ہے، ورنہ ہر بدعتی اور ہر گمراہ اپنے عقائد فاسدہ کی بنیاد کتاب وسنت ہی پر رکھتا ہے، پس قرآن وحدیث سے جو شخص جو معنے سمجھے وہ سب معتبر نہیں ہیں[۲]، اعتقاد صحیح وہی ہے جس کو علمائے اہل سنت نے کتاب وسنت اور آثار سلف سے سمجھا ہو، اگر بالفرض کشف والہام سے جمہور علماء کے خلاف کسی نص کے معنے معلوم ہوں تو اس کا اعتبار نہیں، بلکہ اس سے پناہ مانگنا چاہیے[۳]، نجات ابدی اور فلاح سرمدی اسی میں ہے کہ ان ہی علماء کا تتبع کیا جائے جنھوں نے صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کے سرچشمہ ہدایت سے فیض اٹھایا ہے،

بعض عارف شرعی احکام کی پابندی کو ضروری نہیں سمجھتے ہیں، مگر جو عارف ایسا سمجھتا ہے وہ جاہل ہے، عبادت کی جسقدر ضرورت عارفوں کو ہے مبتدیوں کو اس کے دسویں حصہ کی بھی حاجت نہیں[۴]، شریعت کی پابندی کے بغیر نہ اعمال کی اصلاح اور قلب کی سلامتی ممکن ہے، جو شخص باطن کو درست کرتا ہے اور ظاہر کو یونہی چھوڑ دیتا ہے وہ ملحد ہے، اگر اس کو کچھ باطنی

---

۱ مکتوب ۱۶۸ دفتر اول ۲ مکتوب ۱۹۳ ۳ مکتوب نمبر ۲۰۲ دفتر اول، ۴ مکتوب نمبر ۲۶۶ دفتر اول

کے زائرین و مجاورین کے لیے رقم کثیر ارسال فرماتے، اور حجاج کا ایک گروہ کثیر بادشاہ کی نیابت مین طواف حج و سلام رسانی وغیرہ خدمات عبادت مین ہمیشہ مصروف رہتا......

حقیقت یہ ہے کہ حضرت کی ذات پاک تمام صفات حسنہ کی جامع تھی، قبلۂ عالم نے ابتدائے سن تمیز سے تمام مکروہات و محرمات سے شدید پرہیز فرمایا، اور منکوحہ عورتون کے سوا کسی غیر محرم کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھا،

بارگاہ شاہی مین نغمہ و سرود کے کامل استاد ہر وقت موجود رہتے اور باکمال سازندے اور اہل نشاط کا ایک گروہ دربار مین ہر وقت حاضر رہتا تھا، لیکن قبلۂ عالم اس طرف بہت کم توجہ فرماتے تھے، ابتدائے عہد معدلت مین تو کبھی کبھی نغمہ و سرود سن بھی لیتے تھے، لیکن آخر مین اس سے بالکل تائب ہو گئے تھے، ارباب نشاط کے گروہ مین سے جو شخص ہمیشہ سرود سے توبہ کر لیتا، حضرت اس کو مدد معاش کے طور پر کچھ جاگیر عطا فرماتے تھے، مرزا مکرم خان صفوی نے جو فن موسیقی کا بہترین ماہر تھا، قبلۂ عالم سے سوال کیا کہ نغمہ و سرود کی بابت حضرت کی کیا رائے ہے؟ قبلۂ عالم نے فرمایا کہ جو اس کے اہل ہین ان کے لیے حلال ہے، مرزا نے عرض کیا کہ پھر حضرت اہل ہونے کے باوجود کیون اس سے پرہیز فرماتے ہین، قبلۂ عالم نے جواب دیا کہ تمام راگ راگنیان بغیر مزامیر اور خصوصاً پکھاوج کے مزہ نہین دیتین، اور مزامیر بالاتفاق حرام ہین، حرمت مزامیر کی وجہ سے مین نے نفس سرود سے بھی کنارہ کشی اختیار کر لی،

حضرت نے کبھی غیر مشروع لباس زیب تن نہین فرمایا، اور چاندی اور سونے کے برتنون کے استعمال سے ہمیشہ پرہیز فرماتے رہے،

بادشاہ دین پناہ کی مجلس مین کبھی غیبت و کذب کا چرچا نہین ہوا اور حاضرین

ادا فرماتے تھے، ایام بیض کے روزون کے بے حد پابند تھے، اور ہفتے مین دوشنبہ پنجشنبہ اور جمعہ کو صائم رہتے تھے، جمعہ کی نماز بھی مسجد مین تمام مسلمانون کے ساتھ ادا فرماتے، بعض شب ہاے اسلامی مین بیداری و عبادت مین بسر فرماتے، اور انوار فیض الہی سے چراغ دین و دولت ہو کر اپنی دینی شعاع سے اہل علم کو منور فرماتے تھے،

قبلۂ عالم حق طلبی کے شیدائی تھے، حضرت کا معمول تھا کہ دولت خانے کی مسجد مین تمام رات اہل اللہ کے ساتھ سرگرم گفتگو و ذکر رہتے، اور خلوت مین کبھی تکیہ و مسند پر جلوس نہ فرماتے تھے،

زکوٰۃ شرعی ادا کرنے مین خاص اہتمام فرماتے، اور قبل جلوس جو زکوٰۃ اپنی ضروریات زندگی کے حساب مین سے ادا فرماتے، اس کے علاوہ عہد حکومت مین مصارف ذاتی کے لیے جو چند مواضع خاص فرمائے تھے، ان کی زکوٰۃ بھی خود ادا فرماتے، اور اولاد امجاد کو بھی تاکید فرماتے کہ نصاب زکوٰۃ کامل طور پر ادا فرمائین،

رمضان کا مقدس مہینہ اداے صوم و پابندی سنن و تراویح وغیرہ عبادت دینی مین بسر ہوتا تھا، ماہ صیام مین دو پہر رات گذرنے پر بیدار اور علمار و اولیا کے ساتھ ذکر و عبادت مین مشغول رہتے تھے،

رمضان کے آخر عشرے مین مسجد مین اعتکاف فرماتے، حج بیت اللہ جس کے ادا کرنے کے بے حد مشتاق و گرویدہ تھے، اگرچہ بظاہر تو ادا نہ فرما سکے، لیکن اس کا کافی تدارک فرماتے اور حجاج کے ساتھ جو خاص رعایتین کی جاتی تھین، ان کو نگاہ مین رکھنے کے بعد یہ امر یقینی ہے کہ خلد مکان ہر سال حج کبریٰ کا ثواب حاصل فرما لیتے تھے،

آپ عہد عدالت مین ہر سال اور کبھی کبھی دوسرے اور تیسرے سال کے بعد حرمین شریفین

مین پھیلے ہوئے ہین، کہین ایک جگہ مرقوم نہین، اور کوئی خاص کتاب جو تمام مسائل پر حاوی ہو، موجود نہین، اسلیے جب کوئی فقہی مسئلہ درپیش ہوتا تھا تو اس پر فتوی دینے کے لیے تمام کتابون کی چھان بین کرنی پڑتی تھی، جو ایک دشوار طلب اور صبر آزما کام تھا، انھی مشکلون کا لحاظ کر کے عالمگیر نے تمام ہندوستان کے ممتاز علمار کے ایک گروہ سے فرمایش کی کر فقہ کی تمام کتابون سے مفتی بہ مسائل کا انتخاب کر کے ایک کتاب تیار کرین، عالمگیر نامہ کا مولف اس کتاب کی تیاری کے سلسلہ مین لکھتا ہے:

چونکہ بادشاہ سلامت کو اس کا خاص خیال ہے کہ تمام مسلمان ان دینی مسائل پر عمل کرین جن کو حنفی مذہب کے علمار واکابر واجب العمل سمجھتے ہین، لیکن یہ مسائل فقہ اور فتاوے کی کتابون مین فقہار و علمار کے اختلاف کی وجہ سے روایات ضعیفہ اور اقوال مختلفہ سے مل جل گئے ہین، اور اسی کے ساتھ وہ کسی ایک کتاب مین موجود بھی نہیں ہین اور جب تک مبسوط کتابین جمع نہ کی جایئن اور ایک شخص کو احکام علم فقہ مین کامل مہارت حاصل نہ ہو، وہ مفتی بہ مسئلہ کو ان سے اخذ نہین کر سکتا، اس لیے بادشاہ سلامت کے دل مین یہ خیال پیدا ہوا کہ پایہ تخت کے علمار کی ایک جماعت شاہی کتب خانہ کی اُن فقہی کتابون کو جو ایک مدت مین تمام اطراف عالم سے جمع کی گئی ہین سامنے رکھ کر نہایت تحقیق و تدقیق کے ساتھ ان مسائل کو ایک کتاب مین جمع کرین تاکہ ہر شخص اس کتاب سے مسئلہ فقہی بآسانی سے معلوم کر سکے اور اسلام کے قاضی اور مفتی بہت سی کتابون کے جمع کرنے اور پڑھنے سے بے نیاز ہو جایئن، اس کام کی ذمہ داری اور اس کا اہتمام شیخ نظام کے سپرد کیا گیا کہ تمام علمار کے اتفاق رائے سے ان مسائل کو ایک کتاب مین جمع کرین، علمار و فضلار کا ایک گروہ جو پایہ تخت مین موجود تھا،

دربار کو حکم تھا کہ اگر کسی شخص کا عیب بیان کرنا ناگزیر ہو جائے تو اس کو ایسے مناسب الفاظ مین بیان کریں کہ گفتگو عیب جوئی مین نہ داخل ہونے پائے۔۔۔۔

بادشاہ رعیت نواز نے کبھی کوئی ایسا حکم صادر نہین فرمایا جو رفاہ عام کے منافی ہو اور کبھی ایسے فعل کے مرتکب نہین ہوئے جو مخلوق خدا کی پریشانی کا باعث ہوا ہو، زنان بازاری اور دیگر فواحش کے شیدائی دار الحکومت سے خارج کر دیے گئے تھے، اور تمام ممالک محروسہ مین اسی قسم کے احکام جاری تھے، احتساب کا محکمہ قائم تھا، اور عاملان احتساب ہر شخص سے بازپرس کرتے تھے، اور تمام ممالک محروسہ مین سلطنت کی وسعت کے باوصف احکام شرعی جاری و نافذ تھے،

قبلۂ عالم نے کبھی اپنے نفس سے مغلوب ہو کر محض ذاتی بغض و عناد کی وجہ سے کسی فرد کو قتل نہین کرایا، اور نہ کسی غیر کو اس سنگین جرم کے ارتکاب کی ہمت ہوئی، جہان پناہ اپنی قدردانی و پایہ شناسی سے سادات علما و اولیا کی تعظیم و تکریم کرتے تھے، اور اس طرح اپنے فیض باطن سے بہترین طریقے پر اہل عالم کی رہنمائی کا فریضہ ادا فرماتے تھے۔

غرض کہ حضرت کے عہد معدلت مین دین متین کا آوازہ بلند ہوا، اور جس طرح ملک ہندوستان مین شریعت اسلامی کا کامل لحاظ رکھا گیا، اس کی نظیر فرمانروایان سابق کے کارنامون مین قطعاً معدوم ہے،" (۳۸۲-۸۵)

کتاب و سنت کے احکام کی احیاء و ترویج کے لیے عالمگیر نے **فتاوی عالمگیری** کی تدوین کرائی، جس کو اس کے حربی فتوحات ہی کی طرح ایک عظیم الشان کارنامہ کہا جا سکتا ہے، اس نے اپنے زمانہ حکومت مین محسوس کیا کہ حنفی مذہب کے فقہی مسائل مخلوط طور پر تمام کتابون

عالمگیر کے دل مین ان کے تبحر علمی کی وجہ سے انکی بڑی عزت اور وقعت تھی، وہ خلوت مین بلاکر ان سے احیاء العلوم پر مذاکرے کرتا تھا، شاہزادہ سلطان کا عقد راجہ کشتوار کی لڑکی سے ان ہی نے پڑھایا، اور جب شاہزادہ کا انتقال ہوا تو شاہی حکم کے بموجب ان ہی نے شاہزادہ کو حضرت قطب الاولیا خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے جوار مین پیوند خاک کیا[1]، دربار مین ان کے لیے کورنش وتسلیم کی کوئی پابندی نہ تھی[2]، فتاویٰ عالمگیری کی ترتیب وجمع کے زمانہ مین ان کا معمول یہ تھا کہ ہفتے مین تین روز کچھ حصہ عالمگیر کو لیجاکر سناتے تھے، عالمگیر کی نظر مین جب کوئی مسئلہ کھٹکتا تو اس پر شیخ صاحب سے بحث وتمحیص کرتا[3]

فتاوی عالمگیری کی تدوین اور دوسری خدمات کے سلسلہ مین عالمگیر نے شیخ صاحب کو غیر معمولی شاہانہ الطاف واکرام سے نوازا، مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ۱۰۹۰ھ مین قبلۂ عالم نے شیخ نظام کو مقرب خان سے سرفراز فرماکر شش ہزاری پنج ہزار سوار کا منصب عطا فرمایا اور خلعت خاص وشمشیر وخنجر مروارید، سپر مرصع وعلم ونقارہ اور ایک لاکھ روپیہ نقد اور تیس عربی وعراقی گھوڑے اور دو ہاتھی بھی مرحمت کیے" (ص ۱۰۹)۔ عالمگیر شیخ صاحب کے لڑکون کو بھی اپنی نوازشون سے سرفراز کرتا رہا، شیخ داؤد، شیخ ملک منور اور شیخ عبداللہ کو خطابات اور جا ہزاری مناصب عطا کیے، (ص ۲۰۹)۔ اور شیخ ابوالخیر کو داروغہ جائے نماز مقرر کیا (ص ۱۹۷)، شیخ عبداللہ کچھ دنون داروغہ دواخانہ بھی رہے (ص ۱۸۰)

اورنگ زیب کے استاد مولانا میر محمد قنوجی بھی فتاویٰ کی ترتیب مین شریک رہے، ان کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہین، تقریباً پچاس علما نے اس عظیم الشان کو اختتام تک پہنچایا،

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۱۰۹ و ۱۰۰ [2] مراۃ العالم ورق ، ۲۹ [3] مراۃ العالم ورق ، ۲۹ ، و انفاس العارفین مرتبہ شاہ ولی اللہ صاحب (ص ۴۷) مین ہے کہ شیخ صاحب اس کام کیلئے روزانہ عالمگیر کی خدمت مین جاتے تھے،

اس کام مین مشغول ہوا، اور ہندوستان کے اطراف مین جو شخص علم فقہ مین شہرت اور کمال رکھتا تھا شاہی فرمان کے روسے طلب کر کے ان کا شریک کار بنایا گیا، اور یہ تمام علما، وفضلا معقول وظیفہ کے ساتھ اس کام مین مشغول ہو گئے، اور اس کام کیلیئے جن کتابون کی ضرورت تھی وہ شاہی کتب خانہ سے ان لوگون کے حوالے کی گیئن، اور ہر سال اس کام کے اسٹاف کے لیے ایک بہت بڑی رقم خزانہ شاہی سے صرف کی جاتی تھی کہ جب یہ کتاب مکمل ہو جائے گی تو دنیا تمام فقہی کتابون سے بے نیاز ہو جائیگی اور اس کا ثواب بادشاہ سلامت کے نامۂ اعمال مین درج ہوگا، (ص ۱۰۸۷)

فتاوی عالمگیری مصر مین چھ جلدون مین چھپ گئی ہے، ہر جلد مین تقریباً پانچسو صفحے ہون گے، اس مین فقہی مسائل کے استنباط کے سلسلہ مین جن کتابون اور انکے ماخذ سے مدد لی گئی ہے، ان کے نام اتنے کثیر ہین کہ ان کو گنایا نہین جا سکتا ہے، اور یہ تمام کتابین شاہی کتب خانہ مین موجود تھین، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتب خانہ مین مذہبی علوم وفنون کا ذخیرہ کس قدر وسیع تھا، علماء کے وظائف مین بھی کثیر رقم خرچ ہوئی، آٹھ سال کی مدت مین جب یہ کتاب تیار ہوئی تو اس پر دو لاکھ روپے صرف ہوئے، ماثر عالمگیری کے مولف کا یہ بیان بالکل صحیح ہے کہ "اس کتاب نے علما، وطلبہ کو تمام کتب فقہ سے بے نیاز کر دیا،" اور آج بھی اسلامی فقہ پر اس سے زیادہ مفصل، واضح، اور مبسوط کتاب کوئی اور نہین ہے

فتاوی عالمگیری کی تدوین وترتیب کا نظام بہت ہی باضابطہ تھا، تمام فقہی ابواب مختلف حصون مین تقسیم کر دیے گئے تھے اور ہر حصہ کے لیے ایک صدر اور اس کے معاونین ہوتے تھے، تمام علماء کے گروہ کی صدارت شیخ نظام برہان پوری کو تفویض کی گئی، یہ شیخ صاحب عالمگیر کی شہزادگی ہی کے زمانہ سے چالیس سال تک اس کے ساتھ رہے،

فتاوی عالمگیری کی ترتیب وتالیف مین شریک رہے، (ورق ۳۰۱) شاہ ولی اللہ صاحب کے والد بزرگوار شاہ عبد الرحیم صاحب فتاویٰ کی تصحیح مین ملا حامد کے معاونین مین تھے، شاہ صاحب اپنے علم وفضل، عبادت، ریاضت، زہد، تقویٰ اور تورع کے لحاظ سے ہندوستان کے مایۂ ناز علما مین سے گذرے ہین، انہی کے خاندان سے علمی وروحانی فیوض وبرکات کا سرچشمہ پھوٹا ہے، جس سے آج تک ہندوستان کے ارباب علم اور اصحاب دل سیراب ہورہے ہین،

ملا حامد شاہ صاحب کے ہمدرس رہ چکے تھے، اس لیے فتاویٰ کی تدوین مین ان کی معاونت بھی چاہی، اور مالی معاوضہ کی بھی امید دلائی، شاہ صاحب شاہی دربار سے کسی قسم کی وابستگی پسند نہین کرتے تھے، مگر اپنی والدہ کے اصرار پر فتاویٰ کی ترتیب مین شریک ہوگئے لیکن شاہ صاحب کے مرشد حضرت خلیفہ ابو القاسم نے دربار سے یہ تعلق کسی حال مین بھی پسند نہین کیا، اور جب شاہ صاحب کا دربار سے قطع تعلق ہوگیا تو عالمگیر نے کچھ زمین دینی چاہی لیکن اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کردیا، عالمگیر ان سے ملنے کا برابر مشتاق رہتا، مگر شاہ صاحب بادشاہون اور امرا کے گھر جانا اپنے روحانی بزرگون کے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، ایک دفعہ عالمگیر نے شاہ صاحب سے ایک مخلص کے ذریعہ شوق ملاقات کا پیام بھیجا، مگر وہ عالمگیر کے دربار مین جانے پر مطلق راضی نہ ہوے، بلکہ ایک معمولی کاغذ پر جسمین ان کا جوتا لپٹا ہوا رکھا تھا یہ عبارت لکھ کر شہنشاہ ہندوستان کے پاس بھیجدی،

> اہل اللہ کا اس پر اجماع ہے کہ وہ فقیر بہت برا ہے جو امیر کے آستانہ پر ہو، حق سبحانہٗ تعالیٰ فرماتا ہے وَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا إِلَّا قَلِيْلٌ یعنی دنیاوی زندگی کا سرمایہ بہت ہی قلیل ہے، تم کو قلیل ترین جزء ملا ہے، اگر بالفرض مجھے دوگے تو وہ جزء لایتجزیٰ ہوگا، اس ٹکڑے کے لیے جو پھر ٹکڑا نہ ہوسکے گا، مین اپنے نام کو خدا تعالیٰ کے دفتر سے کیون محو کرون

ان مین سے بعض مشاہیر کا ہم اجمالی طور پر ذکر کرتے ہین [1]

ملا محمد جمیل، جون پور مین ۱۰۵۵ھ مین پیدا ہوئے، ان کے دادا ملا شمس نورا اور والد ملا عبد الجلیل اور دو چچا ملا صادق اور ملا خلیل اپنے عہد کے مشاہیر فضلار مین سے تھے، ملا جمیل بھی اپنے صوری فضائل اور باطنی کمالات کی وجہ سے اپنے زمانہ مین بہت مشہور ہوئے، دہلی کے تمام علمار ان کے علم و استعداد کے معترف تھے، اسی لیے فتاوی عالمگیری کی ترتیب مین شریک کیے گئے، مطول، شرح جامی کے ایک باب عطف، اور دوسری کتابون پر حاشیے لکھے، فقہ میں ایک رسالہ تحریر کیا، تصوف مین تنبیہات کے نام سے انکی ایک تصنیف ہے،

قاضی محمد حسین جونپوری، شاہجہان کے زمانہ مین جونپور کے قاضی تھے، عالمگیر نے ان کو منصب عطا کر کے الہ آباد کا قاضی مقرر کیا، ساتوین سنہ جلوس مین شاہی فوج کے محتسب کے عہدہ پر مامور ہوئے، مراۃ العالم کے مؤلف کا بیان ہے کہ ان کی وجہ سے احکام دینیہ کی بہت ترویج ہوئی، عالمگیر ان کے علم و فضل سے متاثر تھا، اسی لیے فتاوی عالمگیری کی تدوین مین ان کا حصہ بھی رہا، مراۃ العالم مین ہے، (ورق ۲۰)

یکی از فتاوی عالمگیر شاہی باہتمام او زینت اتمام یافت،

عالمگیر کے تیرھوین سنہ جلوس مین وفات پائی،

ملا حامد جونپوری، میر محمد زاہد اور دانشمند خان کے شاگرد تھے، عالمگیر کے دربار مین شہزادہ اکبر کی تعلیم و تربیت ان ہی کے ذمہ تھی، مراۃ العالم کے مولف کا بیان ہے کہ

---

[1] ہمارے ادارہ کے رفیق حافظ مولوی مجیب اللہ صاحب ندوی نے معارف ۱۹۴۸ء، ۱۹۴۹ء اور ۱۹۵۰ء کے متعدد نمبرون مین "مولفین فتاوی عالمگیری" کے عنوان سے ایک مبسوط اور مفید مقالہ لکھا ہے، اس سلسلہ مین ملک کے اور اہل قلم نے بھی بعض مفید معلومات فراہم کیے ہین، ہم نے ان سب سے مدد لی ہے،

کے محتسب قاضی محمد حسین مقرب درگاہ سمی بختاور خان نے ان کے کمالات وہمہ گیر قابلیت سے قبلہ عالم کو آگاہ کیا، بادشاہ ہنر پرور نے ان کو ایک صدی منصب مقرر فرمایا، رفتہ رفتہ حسین علی خان کی اعانت وامداد اور ذہنی سلیقہ شعاری سے رتبۂ امارت وخانی پر فائز ہو کر دنیا سے رخصت ہوئے۔" (ص۶۲)

اور دوسرے علما، جو فتاوی کی ترتیب، تدوین اور تصحیح میں عالمگیری دربار سے وابستہ رہے، ان میں سے بعض کے اسمائے گرامی یہ ہیں، سید علی اکبر سعد اللہ خان، سید نظام الدین ٹھٹھوی، جلال الدین محمد، مولانا محمد شفیع، ملا وجیہ الرب، مولانا محمد فائق ملا محمد اکرم، ملا محمد غوث، امیر میران علامہ ابو الفرح معروف بہ سید معدن، ملا غلام محمد قاضی القضاۃ لاہور، اور قاضی سید عنایت اللہ مونگیری وغیرہ۔

عالمگیر نے فتاوی کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اور یہ کام مولانا چلپی عبد اللہ رومی نے انجام دیا، ان کے بارہ میں مراۃ العالم میں ہے:۔

"چلپی عبد اللہ رومی علوم ظاہری اور معارف باطنی سے بہرہ ور ہیں، صوفیہ کی مصطلحات سے پوری واقفیت رکھتے ہیں، عربی، فارسی اور ترکی عبارت خوب لکھتے ہیں، اور اکثر فنون میں یگانہ اور بے مثل ہیں، تصوف اور حکمت میں ان کی اچھی تصانیف ہیں، فردوس آشیانی کے عہد میں روم سے ہندوستان آئے۔ فقیرانہ زندگی کے عادی تھے، علامی سعد اللہ خان ان کی ضروریات پوری کرتے تھے، اس عہد (یعنی عہد عالمگیری) میں ان کو روزانہ وظیفہ ملتا ہے، ان کے لیے نوکری معاف کر دی گئی ہے، فتاوی عالمگیر شاہی کے ترجمہ پر مامور ہیں۔ (ورق ۱۰۰)

یہ فارسی ترجمہ شاید مقبول نہیں ہوا، اسی لیے اس کا کوئی نسخہ پایا نہیں جاتا،

چشت کے بعض ملفوظات مین مذکور ہے کہ جس کا نام بادشاہ کے دفتر مین لکھ لیا جاتا ہے،

حق تعالی کے دفتر سے اس کا نام کٹ جاتا ہے (انفاس العارفین ص۹)

شاہ ولی اللہ صاحب اس خط کو نقل کرکے تحریر فرماتے ہین کہ عالمگیر کو جب یہ رقعہ ملا،

تو اس نے اپنی جیب مین رکھ لیا، اور جب کپڑے بدلتا تو پھر اس کو اپنی جیب مین رکھ لیتا، فرصت

کے وقت اس کو پڑھ کر روتا تھا،

شیخ وجیہ الدین گوپاموی اپنی تحریر کی دلکشی، تقریر کی دلآویزی، ذہانت کی تیزی

اور ضمیر کی صفائی کے لحاظ سے ممتاز عالم سمجھے جاتے تھے، پہلے دارا شکوہ کے ساتھ رہے، دارا شکوہ

کی موت کے بعد عزلت نشینی اختیار کرلی، مگر جوہر شناس عالمگیر نے ان کو دربار مین بلا کر منصب

عطا کیا، فتاوی کا ربع حصہ ان ہی کی نگرانی مین تالیف کیا گیا، دس فضلا ان کی مدد و اعانت

کے لیے مامور تھے، مراۃ العالم کے مولف نے اس سلسلہ مین ان کی خدمات کی تعریف

کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

> در ترتیب و تالیف ربع از فتاوی عالمگیر شاہی مامور شد، وده کس دیگر از فضلا بمدد
>
> و اعانت او مقرر شدند، ودر آن کار مساعی جمیلہ بکار برده (ورق ۱۰۳)۔

عالمگیر کے چودہوین سنہ جلوس مین وفات پائی،

شیخ رضی الدین، مآثر عالمگیری مین ہے:۔

شیخ رضی الدین بھاگلپور بہار کے شرفا مین تھے، یہ فاضل مولفین فتاوی

عالمگیری مین شامل تھے، اور تین روپیہ یومیہ ان کی تنخواہ

مقرر تھی، شیخ رضی الدین علاوہ ایک فاضل متبحر ہونے کے فن سپاہ گری مین کامل

تھے، اور عہدہ داری وندیمی وغیرہ کمالات مین بھی ان کو کافی دستگاہ تھی، حضور پر نو

نرم وگرم گفتگو سے کبیدہ نہین ہوتے تھے، ان کا معاصر مراۃ العالم کا مولف رقمطراز ہے کہ کمزوروں اور غریبوں کی درخواستوں کو بڑی توجہ سے سنتے ہین، اور داروغگی کی خدمت کو حسن وخوبی سے بجالاتے ہین، کثرت مشاغل کے باوجود رات کو طلبہ کو درس بھی دیتے ہین

شیخ عبد العزیز اکبرآبادی، مراۃ العالم کے مصنف کا بیان ہے کہ وہ عقلی ونقلی علوم کے کمال، ذکاوت وذہانت، اصابت رائے، فصاحت اور خوش بیانی مین اپنے تمام معاصرین مین ممتاز تھے، اپنے والد مولانا عبد الرشید سے جو اپنے زمانہ کے اکابر علماء مین تھے تحصیل علم کی، اور عنفوان شباب ہی مین درس وتدریس مین مشغول ہوگئے تھے ہودہ سنہ جلوس مین عالمگیر اکبرآباد گیا، تو دربار مین شیخ عبد العزیز کا تذکرہ آیا، اور ان کی بعض تحریرین اس کی نگاہ سے گذرین، اس نے بڑے اشتیاق اور لطف سے شیخ صاحب کو دربار مین بلایا، اور الطاف خسروانہ سے عرض مکرر کے منصب پر مامور کیا، شاہی دربار مین اشراف مکہ اور ائمہ یمن کے جو خطوط آتے تھے ان کے جواب کی خدمت ان کے سپرد تھی، عربی فارسی انشا مین یگانۂ عصر سمجھے جاتے تھے، متداول کتابون پر حواشی بھی لکھے، جس سے اہل علم ان کی قوت فکر اور جودت طبع کے معترف ہوئے، عربی، فارسی اور ہندی مین شعر بھی کہتے تھے، ان کے اشعار آبدار کی رنگینی اور مضمون آفرینی کی تعریف مراۃ العالم مین کی گئی ہے، (ورق ۳۰۰)

ملا قطب ہانسی، ملتان کے نواح کے رہنے والے اور شیخ عبد اللطیف برہانپوری کے مخصوص مریدون مین سے تھے، عالمگیر کی شہزادگی کے زمانہ مین برہانپور مین اس سے ملے، اور اسی وقت سے گہرے تعلقات قائم ہوئے، عالمگیر جب تخت پر جلوہ افروز ہوا تو اس نے ملا صاحب کی خدمت مین چار لاکھ دام پیش کئے اور ایک گاؤن بھی ان کے نام

اور دوسرے علماء

فتاوی عالمگیری کی جامعیت اس بات کا ثبوت ہے کہ عالمگیر کا عہد با کمال علماء و فضلاء کے لحاظ سے نہایت ممتاز تھا، ان مولفین فتاوی کے علاوہ علوم و فنون کے اور مسند نشینون نے بھی شاہی دربار کو زینت بخشی، جن مین سے کچھ اور کا ذکر بیان پر درج کیا جاتا ہے،

ملا محمد یعقوب، اپنے علم و فضل، ذہانت و ذکاوت اور فطرت عالی کی وجہ سے عزت و وقعت کی نظر سے دیکھے جاتے تھے، درس و تدریس کے سلسلہ مین بہت سی کتابون پر حواشی لکھے، تفسیر بیضاوی پر بھی حاشیہ تحریر کیا، اس حاشیہ کے متعلق مراۃ العالم کا مولف لکھتا ہے:-

> درین اوقات بر تفسیر قاضی بیضاوی حاشیہ مرقوم نمود کہ اہل استعداد و ارباب فہم را از حواشی دیگر مستغنی گردانیدہ، و تحقیقات ارجمند و تدقیقات بلند در آن مندرج ساختہ، (ورق ۳۰۰)،

ان کے علم و فضل اور ذہانت و راستبازی سے متاثر ہو کر عالمگیر نے ان کو میر عدل مقرر کیا تھا،

شیخ سلیمان مینری، معقولات و منقولات کے جید عالم تھے، عالمگیر کی شہزادگی ہی کے زمانہ سے عزت و حرمت کے ساتھ اس کے دربار سے وابستہ رہے، اپنی بادشاہت کے عہد مین عالمگیر نے ان کو داروغہ اردوے معلی کے عہدہ پر فائز کیا، دن مین دو مرتبہ ملک کے لاتعداد مستغیثون اور دادخواہون کو شاہی خدمت مین پیش کر کے ان کے حالات عرض کرتے، اور مظلومون کے حقوق دلاتے، دیانت دار ہونے کے علاوہ نہایت بردبار خلیق اور خندہ جبین تھے، فریادیون کے ہجوم، دادخواہون کے اژدحام، ان کے شور و اؤ

مولف کا بیان ہے کہ علاوہ عالم وفاضل ہونے کے صاحب عرفان بھی تھے، اور اپنے اخلاق و اعمال مین اسلام کا بہترین نمونہ سمجھے جاتے تھے، عالمگیر نے ان کے اوصاف سنے تو ان سے ملنے کا مشتاق ہوا، چنانچہ ۱۰۶۷ھ مین حسن ابدال سے پیام شوق ملاقات لکھ بھیجا، اور جب عالمگیر لاہور پہنچا تو ملا عبد اللہ بھی لاہور تشریف لائے، عالمگیر ان سے مل کر بہت محظوظ ہوا، خلعت خاص دو سو اشرفیان اور ایک ہاتھی دے کر وطن رخصت کیا، آخر عمر مین ملا صاحب فقر و فاقہ کی زندگی بسر کرنے لگے تھے، ۱۰۹۳ھ مین عالمگیر کو اجمیر کے قیام کے زمانہ مین ملا صاحب کی عسرت کی خبر ملی، تو اس نے ملا صاحب کو عہدۂ صدارت پر مامور کرنا چاہا، مگر اس بے نیاز عارف نے یہ کہلا بھیجا کہ "اب زمان فراق ہے نہ کہ وقت تحصیل شہرۂ آفاق"، عالمگیر کو ملا صاحب کا جواب بے حد پسند آیا، اجمیر مین ملا صاحب عالمگیر سے ملنے آئے، اور پھر وطن جا کر رحلت فرمائی، مآثر عالمگیری کے مولف کا لکھنا ہے کہ "شہریار فاضل نواز اور معارف پرور کو ملا مرحوم کی وفات کی خبر ملی، تو ان کے چار لڑکون اور بیوی کے لیے خلعت تعزیت ارسال کیا اور ان کے وظائف مین بھی اضافہ کیا،[1] ملا عبد اللہ نے ہدایہ پر حاشیہ لکھا جو بہت مقبول ہوا،

قاضی عبد الوہاب، شیخ محمد طاہر بوہرہ کے پوتے تھے، شاہ جہان کے زمانہ مین اپنے مولد پٹن مین مفتی مقرر ہوئے، پھر اورنگ زیب کی دکن کی صوبہ داری کے زمانہ مین اس سے وابستہ ہوئے، جب اورنگ زیب تخت پر بیٹھا تو ان کو قاضی عسکر بنایا، پھر قاضی القضاۃ ہوگئے، مآثر الامراء مین ہے کہ

در علم فقہ و اصول مہارت تمام داشت (جلد اول ص ۳۳۶)۔

وہ اپنے فرائض کو بڑی دینداری اور سچائی سے انجام دیتے تھے، عالمگیر کو خود بھی شرعی

---

[1] مآثر عالمگیری ص ۲۰۰ و ۱۶۳

سے موسوم کیا، اس گاؤں کا نام قطب آباد رکھا گیا،[1]

شیخ قطب برہانپوری، متورع، عابد اور زاہد ہونے کے علاوہ حافظ قرآن تھے، عالمگیر، رمضان المبارک مین ان ہی کی امامت مین تراویح پڑھا کرتا تھا، ان کو عربی اشعار بھی بہت زیادہ یاد تھے، کچھ دنون شہزادہ محمد اعظم کے استاد بھی رہے،[2]

ملا عوض وجیہ، مآثر عالمگیری مین ہے:-

ملا عوض اخسیکت کے باشندے تھے، یہ مقام مضافات سمرقند مین داخل ہے، ملا عوض وجیہ میر عوض تاشکندی کے حلقۂ درس کے بہترین طالب العلم تھے جو اپنے تمام ہم سبق طلبہ پر سبقت لے گئے، ملائے مرحوم نے ایک مدت تک بلخ مین درس دیا، اور حضرت فردوس آشیانی کے عہد معدلت مین ۱۰۵۳ھ جلوس شاہجہانی مین اعلی حضرت کی فضیلت پناہ بارگاہ مین حاضر ہوئے، حضرت فردوس آشیانی نے ملا عوض وجیہ کو مفتی لشکر کے عہدہ پر مقرر فرمایا، عہد مبارک عالمگیری مین ملا عوض محتسب لشکر مقرر فرمائے گئے، اس مین شبہہ نہین کہ ملا عوض نے بے حد اتقا و پرہیزگاری کے ساتھ احکام شرع کی پابندی کی، اور عوام کو اس راہ پر قائم رکھنے و نیز بدعات کا قلع قمع کرنے مین پوری سعی و کوشش سے کام لیا، اور یہ کہنا قطعاً مبالغہ نہین ہے کہ ملائے مرحوم کے ایسا محتسب کوئی دوسرا نہین ہوا، ملا نے خدمت احتساب سے علحدہ ہونے کے بعد بقیہ عمر درس و تدریس مین بسر کی، اور ان کے فیض کمال کا ہر صاحب علم کو اعتراف ہے" (ص ۱۰۶)، ۱۰۸۰ھ مین وفات پائی،

ملا عبد اللہ سیالکوٹی، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کے صاحبزادے تھے، مآثر عالمگیری کے

---

[1] مرآۃ العالم ورق ۳۰۱، [2] ایضاً ص ۳۰۱

مین کسی طرح تبدیلی نہ کی[1]، بادشاہ نے مجبور ہو کر خود قاضی صاحب کی رائے سے سید ابو سعید کو جو عالی نسب سید اور قاضی عبدالوہاب کے داماد تھے، عہدۂ قضا مرحمت فرمایا، سید ابو سعید دارالخلافت سے بادشاہ کے حضور مین دا[illegible]، حاضر ہوئے، اور خلعت، شمشیر، جمدھر کے عطیہ وانعام سے خوش اور معزز کئے گئے۔" (ص ۱۴۰)

قاضی ابو سعید نے شہزادہ معزالدین کا نکاح سیدۃ النساء بیگم دختر مرزا رستم سے پڑھایا تو عالمگیر نے ان کو خلعت اور ایک ہزار روپے نقد مرحمت کیے، شیخ الاسلام کے لڑکے محمد اکرم کو عالمگیر نے احمد آباد کی صدارت دیکر شیخ الاسلام کا خطاب عطا کیا،[2]

مولانا سید محمد بیجاپوری، حضرت غوث الاعظم قدس سرہٗ العزیز کی اولاد اور بیجاپور کے برگزیدہ عالم اور بزرگ تھے، [illegible]ھ مین عالمگیر سے ملے تو اس نے ان کو چھ ہزار روپے سالانہ کے وظیفہ سے مطمئن خاطر کیا،[3]

---

[1] [illegible] کے واقعات کے سلسلہ مین مآثر عالمگیری کا مولف لکھتا ہے، "محبت خدا دوستی وشفقت بندہ نوازی کے لحاظ سے شیخ الاسلام کے نام ایک اشتیاق آمیز فرمان ان کے برادر نور الحق کے ہمراہ ارسال ہوا، فرمان مبارک کا مضمون یہ تھا کہ شغل قضا سے مستغنی ہونے اور سفر حجاز سے واپس ہونے کے بعد ایک بار بھی حضور مین نہین آئے، اگر اس طرف توجہ کرین تو مناسب ہے، شیخ الاسلام اس وقت احمد آباد مین مقیم تھے، حضرت کا منشا یہ تھا کہ اگر شیخ مذکور حضور مین آجائین اور صدارت کی خدمت اختیار کرین تو یہ عہدہ جلیلہ ان کو تفویض فرمایا جائے شیخ کا ارادہ تھا کہ طواف کعبہ کا احرام باندھین کہ دفعۃً مرض نے شدت اختیار کی اور مرحوم کو سفر آخرت طے کرنا پڑا، اللہ مغفرت کرے، (ص ۲۸۲) [2] مآثر عالمگیری ص ۱۷۷، و مآثر الامرا، جلد اول ص ۴۰۴، [3] ایضاً ص ۱۱۵،

امور کا لحاظ رہتا تھا، اس لیے قاضی عبدالوہاب نے بھی شرعی احکام کے نفاذ مین بڑی سختی کی جس سے بعض امرا ان سے بدظن ہو کر طرح طرح کے الزامات عائد کرتے تھے، مگر عالمگیر کو ان کے زہد و تقویٰ پر برابر اعتماد رہا، ماثر الامرا کے مولف کا بیان ہے کہ قاضی عبدالوہاب کے عہد قضا مین نظم و نسق مین شریعت کی اتنی پابندی رہی کہ پہلے نہین ہو سکی تھی، عالمگیر کو درباریون نے ان سے بدظن کرنے کی کوشش کی، مگر اس نے اپنے احترام مین فرق ظاہر ہونے نہین دیا، شاہزادہ محمد اعظم، شہزادہ محمد اکبر، سلطان ایزد بخش ولد سلطان مراد بخش اور شہزادہ سلطان کا نکاح ان ہی نے پڑھایا[۱]، شاہی الطاف و اکرام اور ذاتی حسن اہتمام کی وجہ سے ان کے پاس بہت بڑی دولت جمع ہو گئی تھی، ایک بار ایک حاسد امیر نے ان کے تین لاکھ روپے راستے مین لٹوا دیے تھے، اس بربادی پر صبر کیا، پھر بھی ترکہ مین ان کے چار ون لڑکون کو دو دو لاکھ روپے ملے[۲]،

قاضی عبدالوہاب کے انتقال کے بعد ان کے صاحبزادے شیخ الاسلام اسی عہدہ پر مامور کیے گئے، وہ اپنے تقویٰ و پرہیزگاری کے لیے مشہور تھے، مگر کچھ دنون کے بعد اس عہدہ سے کنارہ کش ہو گئے، ماثر عالمگیری مین ہے:-

قاضی شیخ الاسلام پسر قاضی عبدالوہاب اپنی ذاتی استعداد و فطرت سلیم کے تقاضے سے جذبۂ محبت الٰہی مین بے قرار ہوئے، اور دنیا سے قطع تعلق کرنے پر مجبور ہو گئے، ہر چند جہان پناہ نے ان پر عنایتین فرمائین اور ترک خدمت سے انھین منع کیا اور عہدۂ قضاء کو جو ایسے ہی مقدس و پاکیزہ نفوس کے لیے تھا، انھی کی ذات سے وابستہ رکھنا چاہا، لیکن قاضی صاحب نے اپنے ارادہ ن

[۱] ماثر عالمگیری ص ۵۲، ۷۹، ۸۰، ۸۳، [۲] ماثر الامرا، جلد اول ص ۲۳۵

ملا محمد اکرم لاہوری، مراۃ العالم مین ہے کہ بڑے لایق علم تھے، صلاح، حلم، بردباری، تقوی اور پرہیزگاری ان کے نمایاں اوصاف تھے، اس لیے جہانگیر نے ان کو شاہزادہ کامگار محمد کی تعلیم کے لیے مامور کیا[1]، ماثر عالمگیری مین ہے کہ موروثی مفتی تھے، قاضی عبداللہ کے انتقال کے بعد اردوے معلی کے قاضی مقرر ہوئے[2]

حافظ ابراہیم، عالمگیر نے قرأت و تجوید ان ہی سے سیکھی، شہزادہ محمد سلطان کی تعلیم ان ہی کے ذمہ تھی، وہ اس کو کلام پاک بھی پڑھایا کرتے تھے[3]

ملا شرف الدین لاہوری، مراۃ العالم کا مولف لکھتا ہے:-

فضیلت درست داشت، و بفصاحت وطلاقت لسان وحسن خلق موصوف بود[4]

لاہور کے مفتی کے عہدہ پر مامور تھے، ان کے صاحبزادے ملا محمد باقر بھی صوری اور باطنی خوبیون سے آراستہ تھے، عالمگیر ان سے بھی خسروانہ نوازشون سے پیش آتا تھا،

ملا عبدالباقی جونپوری ملا محمد جونپوری مصنف شمس بازغہ کے لائق شاگرد تھے، ان کے علمی فضل و کمال کی ستایش ان الفاظ مین کی گئی ہے،

در اکثر علوم علی الخصوص در منقولات یگانہ بود و بدقت فکر و غور مطالعہ از فضلاے بلاد گوے مسابقت می ربود۔

ایک بار عالمگیر کے دربار مین آئے تو اس نے نو سو روپے سالانہ آمدنی کا ایک گاؤن ان کو عطا کیا، اس کے بعد مطمئن رہ کر تمام عمر وطن ہی مین درس و تدریس مین گذار دی[5]

قاضی سید عنایت اللہ مونگیری کو ان کے والد بزرگوار سید عبدالغنی کی جگہ پر عالمگیر

[1] مراۃ العالم ورق ۳۰۱، [2] ماثر عالمگیری ص ۱۸۱، [3] مراۃ العالم ورق ۳۰۱، [4] ایضاً صفحہ ۴۸۳
[5] ایضاً ورق ۳۰۲

حاجی احمد سعید، قصبہ بہار کے رہنے والے تھے، اپنے والد بزرگوار مولانا محمد سعید اور اس عہد کے دوسرے اکابر علماء سے تحصیل علم کی، مراۃ العالم میں ہے:-

"در علم فقہ مہارت کامل دارد"

شاہجہان کے زمانہ میں شاہی لشکر کے مفتی رہے، پھر حرمین شریفین کی زیارت کو گئے، وہاں سے واپس ہوئے تو عالمگیر نے ان کو ہزاروپانصدی کا منصب عطا کیا، اور شاہی حرم کی سرکار میں دیوان کی خدمت تفویض کی گئی۔[1]

قاضی خلیل الرحمٰن، فدائی خان المخاطب بہ اعظم خان فوجدار گورکھپور کے زمانہ میں اس شہر کے قاضی تھے، اعظم خان نے عالمگیر سے ان کے علم، صلاح، تقویٰ، دیانت اور بزرگی کی تعریف کی، تو اس نے ان کو گورکھپور کا فوجدار مقرر کیا۔[2]

سید علی اکبر سعد اللہ خانی، علامی سعد اللہ خان کے ہم جلیس و ندیم تھے، اس لیے نام کے ساتھ سعد اللہ خانی کا جز بھی لکھا جاتا تھا، مراۃ العالم میں ہے:-

"اکثر فنون دانش ورزیدہ و بر غوامض و دقایق علوم آگہی داشت، در علم فقہ نیک متبحر است"[3]

علامی سعد اللہ خان کے لڑکے لطف اللہ کے معلم بھی رہے، ان کے مکارم اخلاق سے متاثر ہو کر عالمگیر نے شہزادہ محمد اعظم کی تعلیم بھی ان کے سپرد کی، پھر لاہور کے قاضی مقرر کیے گئے، فرحۃ الناظرین میں ہے کہ فتاویٰ عالمگیری کی تدوین میں بھی شریک رہے، مگر مراۃ العالم میں ان کی شرکت کا ذکر نہیں کیا گیا ہے۔

---

[1] مراۃ العالم ورق ۲۹۹، [2] مراۃ العالم ورق ۳۰۰، فرحۃ الناظرین میں ان کا نام قاضی عبد الرحمٰن مرقوم ہے، [3] مراۃ العالم ورق ۳۰۱،

عالمگیر کو جب ان کے فضل و کمال کا حال معلوم ہوا، تو ان کی مدد معاش کے لیے ایک مکان خانقاہ کے لیے اور دو گاؤن جس کی آمدنی سات آٹھ ہزار روپے سالانہ تھی نذر کیے، اورنگ زیب کو ان کی ذات سے بڑی عقیدت تھی، دست خاص سے ان کو خط لکھا کرتا تھا، سید صاحب محض خلق اللہ کی نفع رسانی کی خاطر ہر خاص و عام کی سفارش شاہی بارگاہ مین کرتے تھے، عالمگیر نے ان کو لکھا کہ وہ صرف درویشون، عالمون اور دینداروں کے لیے سفارش کیا کرین مگر انھون نے بادشاہ کی بات نہ مانی،[1]

عالمگیر کو ایسے تمام مشائخ کے ساتھ جو شریعت کے پابند تھے بڑا والہانہ لگاؤ رہا، دکن کی صوبہ داری کے زمانہ مین اس نے حضرت عبد اللطیف برہانپوری کی خدمت مین پہونچکر کچھ گاؤن پیش کیے، مگر انھون نے یہ گاؤن قبول کرنے سے انکار کیا، اور یہ شعر پڑھا،

شاہ ما را دہ دہ منت نہد　　　رازق ما رزق بے منت دہد

اورنگ زیب اس شعر کو سنکر متاثر ہوا، مگر اس نے عرض کیا کہ ہم فقرا اور اہل اللہ کی خدمت خیر دنیوی اور برکت اخروی کے لیے کرتے ہین، گاؤن پیش کرکے احسان کرنا مقصود نہین، حضرت عبد اللطیف نے فرمایا کہ اگر خیر و برکت حاصل کرنا ہے، تو گوشہ نشینون اور بیکسون کے لیے وظائف مقرر کرو، مظلومون کو ظالمون سے بچاؤ، کمزورون کو ان کے حقوق دو، وغیرہ وغیرہ، اورنگ زیب نے ان باتون کو اچھی طرح ذہن نشین کر لیا، اور اس نصیحت پر عمل کرنے کی کوشش کی، جیسا کہ اس نے اپنے ایک رقعہ مین اس کا ذکر کیا ہے،[2] بادشاہت کے زمانہ مین بھی عالمگیر نے حضرت عبد اللطیف سے بہت ہی نیازمندانہ تعلقات قائم رکھے،

---

[1] منتخب اللباب از خانی خان جلد دوم ص ۵۰۰ ۔ [2] مقدمہ رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۱۳۲

نے سورج گڑھا اور گجرا (مونگیر) کا قاضی مقرر کیا تو اس نے محکمۂ قضا کی سند عطا کرتے وقت اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی دو حمائل اور چالیس بیگہ زمین عنایت کی،[1]

قاضی ملک محب اللہ بہاری، موضع کرا، علاقہ بہار شریف (پٹنہ) کے رہنے والے تھے، ملا قطب الدین شمس آبادی اور دوسرے علمائے روزگار سے تعلیم پا کر دکن گئے، جہاں عالمگیر نے شاہی ملازمت میں منسلک کر لیا، لکھنؤ اور حیدرآباد میں قاضی رہے، پھر عالمگیر نے اپنے پوتے رفیع القدر بن شاہ عالم کی تعلیم کے لیے مامور کیا، شاہ عالم کے زمانہ میں قاضی القضاۃ کا عہدہ تفویض ہوا، اور فاضل خان کا خطاب ملا، ۱۱۹۰ھ میں وفات پائی، اور محلہ چاند پورہ بہار شریف میں دفن ہوئے، منطق میں سلم العلوم، افادات، اصول فقہ میں مسلم الثبوت، جزء لایتجزیٰ کے بیان میں الجواہر الفرد رسالہ مغالطہ عامۃ الورود ان کی تصانیف ہیں، ان کی استعداد و قابلیت مصنف تذکرۂ علمائے ہند کے صرف ایک جملہ سے ظاہر ہوگی،

"بحرے بود از بحار علوم و بدیہہ بود بین النجوم" (ص ۱۵۵)

سید سعد اللہ، شیخ پیر محمد سلونی کے نواسے تھے، پینتیس ۳۵ سال تک اپنے نانا سے درس لیتے رہے، علم ریاضی کے ساتھ ساتھ معقولات و منقولات کی بھی تعلیم پائی، راہ سلوک پر گامزن ہو کر بیت اللہ کی زیارت کو گئے، جہاں بارہ سال تک تعلیم و تعلم کا سلسلہ جاری رکھا، شریف مکہ بھی ان کی بزرگی کا معترف تھا، اور ان سے اعزاز و اکرام سے پیش آتا تھا، مصر، بلاد ملک حجاز، عجم اور ہند کے لوگ ان کی تعلیم عرفان سے متمتع ہوتے رہے، مگر بعض ناخوشگوار واقعات کی بنا پر ہندوستان واپس آ گئے، اور بندر سورت میں قیام پذیر ہوئے،

---

[1] شاہی فرمان کے لیے دیکھو معارف ماہ اکتوبر ۱۹۲۱ء

لڑکیوں میں بعض نا کتخدا کیوں ہیں؟ یہ پوچھکر تلقین کی خاطر ایک وعظ کہا، عالمگیر نے ان کی نصیحتوں کو خاموشی سے سنا۔[۱] میر مرتضیٰ واعظ ملتانی کو اس نے اس لیے پسند کیا کہ وہ شرعی اور مذہبی امور میں حق گوئی سے کام لیتے تھے، اسی لیے ان کو شہزادہ کام بخش کی اصلاح و تربیت کے لیے مامور کیا۔[۲] حضرت میر نصیر الدین ہروی کے صلاح و تقویٰ اور عارفانہ فضیلت سے متاثر ہوا، اس نے ان کی خدمت میں بھی کچھ گاؤں پیش کئے، مگر انھوں نے جاگیر قبول کرنا پسند نہیں کیا۔[۳]

عالمگیر کا ذوق ادب عالمگیر نے چار زبانیں سیکھیں، عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی، وہ ترکوں سے ترکی ہی میں باتیں کرتا تھا، عالمگیر نامہ کا مولف لکھتا ہے کہ

ترکی چغتائی را بغایت خوب می داند (۱۰۹۵)

اور ہندوستان کے ایسے باشندوں سے جو فارسی نہیں بول سکتے تھے، وہ ضرورت کے وقت ان ہی کی زبان میں گفتگو کر لیتا تھا،[۴] مگر اس کا انشا پردازانہ جوہر فارسی نثر لکھنے میں چمکا، بابر اور جہانگیر کی طرح اس کے قلم میں بھی غیر معمولی قوت تھی، اور اگر حکمرانی کرنے کے بجائے کوئی کتاب لکھتا تو بلاشک و شبہ ایک معجز نگار اور سحر پرداز ادیب ہوتا، سلطنت کے کاروبار کی مشغولیتوں ہی میں وہ شہزادوں اور خاص خاص لوگوں کو رقعے لکھتا، جو ظاہر ہے کہ منظر عام پر لانے کے لیے نہیں لکھے گئے تھے، مگر یہی رقعات جب اکٹھے کر لیے گئے تو اس کے ادب و انشا کی داد ہر زمانے کے اہل کمال نے دل کھول کر دی، وہ آیات قرآن مجید، احادیث نبوی اور سعدی، حافظ، نظیری اور نظامی کے اشعار اس برجستگی اور خوبی سے اپنے رقعات میں نقل کرتا ہے، کہ وہ سب کے سب ادبی شہ پارے بن گئے ہیں، جن کو پڑھنے میں

۱؎ منتخب اللباب جلد دوم ص ۵۵۵، ۲؎ ایضاً ص ۵۶۳، ۳؎ ایضاً ص ۵۵۵، ۴؎ عالمگیر نامہ ص ۱۰۹۵

ہر مہینہ اور ہر ہفتہ ان کو دست خاص سے رقعہ تحریر کرتا تھا، [1]

جنگ جانشینی کے لیے رخصت ہوتے وقت اورنگ زیب حضرت شیخ برہان کی خدمت مین برہان پور حاضر ہوا، شیخ برہان بادشاہ اور امراے علما اپنے مسلک کے خلاف سمجھتے تھے، اس لیے اورنگ زیب بھیس بدل کران کی مجلس مین شریک ہوا، ایک نووارد کو دیکھکر شیخ برہان نے نام پوچھا، اورنگ زیب نے جب اپنا نام بتایا تو وہ اس کی طرف مخاطب نہین ہوئے،... نہ اور لوگون کی طرح اس کو کوئی تبرک دیا، اورنگ زیب دوسرے دن پھران کی خانقاہ مین پہنچا، شیخ برہان نے اپنی آزردگی کا اظہار کرتے ہوئے اوس سے کہا کہ یہ مکان تم کو پسند ہے، تو لے لو ہم کہین اور جگہ چلے جائین گے، مگر تیسرے دن اورنگ زیب پھران کے پاس گیا، وہ نماز کے لیے خانقاہ سے باہر نکل رہے تھے، کہ اورنگ زیب مودبانہ ان کے سامنے کھڑا ہوگیا، اور عرض کی کہ دارا نے شریعت کو نظرانداز کر رکھا ہے، اگر مجھکو حکومت ملی تو دین نبوی کے احکام کے ساتھ رعیت پروری بھی کرونگا، آپ باطنی توجہ فرمائین، شیخ برہان نے فوراً کہا کہ ہمارے جیسے کم اعتبار فقیرون کی دعا سے کیا ہوتا ہے، تم بادشاہ ہو، نیکی، عدل پروری، رعیت نوازی کی نیت کے ساتھ دعا کرو، ہم بھی دعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہین، اسی وقت اورنگ زیب کے ساتھی شیخ نظام نے اورنگ زیب سے کہا بادشاہی مبارک ہو، [2]

اولیاء اللہ کی بے رخی سے عالمگیر کبھی دل گیر نہ ہوتا، ملا قطب الدین شہید سہالوی سے کئی بار ملنے کی خواہش ظاہر کی، مگر ہر بار ملا صاحب نے اس سے ملنے سے انکار کیا، [3] حضرت شیخ بایزید نے ایک روز جامع مسجد مین تمام لوگون کے سامنے عالمگیر سے پوچھا کہ اس کی

---

[1] منتخب اللباب ج ۲ ص ۵۵۵، [2] ایضاً ص ۵۵۵، [3] فرنگی محل ص ۸۰،

مولانا آزاد "بادل ناخواستہ" لکھتے ہیں، کہ

"عالمگیر نے دل متحمل اور زبان قادر البیان پائی تھی، اسلیے اپنے فرمان اور خطوط آپ لکھتا تھا، یا سامنے لکھواتا تھا، کاغذات پر خود حکم چڑھاتا تھا، وہ پچاس برس سلطنت کرکے ۱۱۱۸ھ میں فوت ہوا، اس کی تحریریں دیکھ کر تعجب آتا ہے، کہ جس طرح اورنگ سلطنت زیر قدم رکھتا تھا، اسی طرح کشور سخن بھی زیر قلم، دیکھو اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے بھی ملک رانی کے پیچوں میں الجھے ہوئے ہیں، مگر عبارت صاف ہے، اور لفظ لفظ میں محاورے کا نمک دیا ہوا ہے، تمام انتظامی ہدایتیں اور اکثر اخلاقی نصیحتیں ہیں کہ تاثیر میں ڈوبی ہوئی ہیں، اس کی تحریر کو گلستان سے تشبیہ دوں تو مضائقہ نہیں اتنا فرق ہوگا کہ گلستان کے خیالی مضامین اور اس کے عالی عبارت، اس کی جتنی پڑھنے میں سہل ہے اتنی ہی لکھنے میں دشوار ہے"[1]

عالمگیر کے خطوط کی ہمہ گیری کے متعلق سید نجیب اشرف صاحب ندوی مرتب رقعات عالمگیری کی رائے ہے، کہ

اورنگ زیب کے خطوط...... گلہائے رنگا رنگ کے بہترین مجموعہ ہیں، کہیں ذاتی حالات کے متعلق اظہار خیال ہے، تو کہیں سیاسی و معاشرتی واقعات پر تنقید، کہیں شوق وصال بے چین کئے ہوئے ہے، تو کبھی درد فراق نے مضطر کر رکھا ہے، کسی جگہ کسی کی شادی یا ولادت کی خوشی ہے، تو کہیں کسی کی موت کا ماتم، کسی جگہ کسی افسر کی سفارش ہے، تو کہیں تنبیہ، اگر ایک خط عمارتوں اور قلعوں کے مفصل حالات سے مملو ہے، تو دوسرا باغوں اور چمنوں کی رنگین بیانی سے پُر، کہیں عتاب ہے، تو کہیں عنایت، کبھی گرمجوشی

---

[1] نیرنگ خیال۔

بڑی گھلاوٹ اور لطافت محسوس ہوتی ہے، عالمگیر نامہ کا مولف اس کے انشار کی تعریف کرتے ہوئے رقمطراز ہے:-

"نکتہ دانی، معنی شناسی، ربط اور مناسبت فطری اس پایہ کی ہے کہ نثر و انشار کے معنی طراز، سخن سنج اور نکتہ پرداز فصاحت پیشہ لوگ ان کی تعلیم و ارشاد کے فیض سے مستفید ہوتے ہیں، کسی بیخ منشی سے جب کوئی منشور لکھواتے ہیں تو مقصود کی تلقین اس حسن و خوبی سے فرماتے ہیں کہ اگر یہ منشی ان باتون کو ذہن میں رکھ کر منشور لکھتے ہیں تو غور و فکر سے مستغنی رہتے ہیں، منشور کا مسودہ جب آپکے مطالعہ میں آتا ہے تو قلم بدایع رقم ایسی اصلاحوں سے مزین کر دیتا ہے، کہ ادیب اسے دیکھتے ہی اپنے عجز و قصور کا معترف ہو کر ان سے سخن طرازی اور سلوب و قواعد سیکھتا ہے" (ص ۱۰۵۵)

مآثر عالمگیری میں ہے:-

فن خوشنویسی کے علاوہ جہان پناہ کو فن انشار میں بھی خاص مہارت تھی، اور نثر نگاری و انشا و پردازی میں یدطولیٰ حاصل تھا، جہان پناہ نثر نہایت خوب تحریر فرماتے تھے (ص ۵۳۹)

یہ تو درباری مورخین کے بیانات ہیں، لیکن بیسوین صدی کے ممتاز انشار پرداز اور نکتہ سنج ادیب بھی اسکے ادب کی تعریف اسی گرمجوشی کے ساتھ کرتے ہیں، مولانا شبلیؒ رقمطراز ہیں:

"عالمگیر تیغ و قلم دونون کا مالک تھا، اس کی انشار پردازی کی داد مخالفون تک نے دی ہے، اس کے رقعے باوجود اس کے کہ واقعات کا ذخیرہ، قصہ طلب حوالوں کا مجموعہ اور خبر وفیانہ اطلاعون کی یادداشت ہیں، تاہم ادائے مطلب کی قدرت، عبارت کی سادگی، فقرون کی ہمواری، مطالب کا اختصار، پہلو بہ پہلو جملے، دلنشین ترکیبین نہایت حیرت انگیز ہیں" (مضامین عالمگیر ص ۱۴۳)

سیر گشتی سیر گوید نے ہنوز　　　اینت آتش اینت تابش اینت سوز

حق قدم بر وے نہد از لامکان　　　آنگہ او ساکن شود از کن فکان

چونکہ جزو دوزخ است این نفس ما　　　طبع کل دارد ہمیشہ جزوہا

این قدم حق را بود کو را کشد　　　غیر حق خود کے کمان او را کشد

قوتے خواہم ز حق دریا شگاف　　　تا بسوزن بر کنم این کوہ قاف

او تعالیٰ توفیق کرامت کند و ازین نیزہ و وزہ رہائی بخشد، بحرمت محمد وآل محمد علیہم الصلاۃ والسلام[1]

ایک بار شہزادہ بیدار بخت (خلف اکبر محمد اعظم) نے اپنی محبوبہ بیگم شمس النساء صبیہ سید ممتاز خان کو غصہ کی حالت میں پاجی کی لڑکی کہا، خود دار بیگم نے شہزادہ سے بولنا چھوڑ دیا، عالمگیر کو خبر ہوئی، تو بیدار بخت کو اس دلچسپ انداز میں خط لکھا،

ہمدم مرغ چمن با گل نوخاستہ گفت　　　ناز کم کن کہ درین باغ بسے چون تو شگفت

گل بخندید کہ از راست نرنجم لیکن　　　ہیچ عاشق سخن تلخ بمعشوق نگفت

بآن نور الابصار واضح باد کہ در ایام جوانی کہ اصطلاح پراج مصاحبان شما جوانی دیوانی می گویند ما را ہم در آن ایام این تعلق باشخصیکہ نہایت تنفر داشت ہم رسیدہ بود تا بحیات صحبت او را بانجام رسانیدیم و گاہے، از روے تحریم دیگران کہ با سادات لفظ پاجی گفتن بعض پاجی گریست، کسے اگر سید را پاجی بگوید البتہ پاجی نخواہد شد، اگر از نوشتہ محلدار و ناظر رضامندی آن سیدہ نشود و عتاب، بلکہ عتاب گرفتار خواہید شد، جزاءً بما کانوا یعملون،[2]

شاہزادہ محمد اعظم کو ایک موقع پر تنبیہ کرتا ہے،

عجب از آن فرزند کہ صحبت ما ہیچ اثر نہ کردہ؟ از احتیاط و دور بینی ہزار مرحلہ دور افتادہ

---

[1] وقائع عالمگیر مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی ص ۹۰-۱۰۹، [2] ایضاً ص ۷،

ہے، تو کبھی سرد مہری، کبھی الزامات کی صفائی ہے، تو کہیں دوسرے کے خلاف شکایت، غرضکہ وہ کونسی چیز ہے جو اس مجموعہ میں نہیں ہے، پھر وہ کونسی شے ہے، جس میں حقیقت نگاری کے ساتھ کمال ادب کو جگہ نہیں دی گئی ہے[1]۔

عالمگیر کا ذوق شعری | عالمگیر کے دربار میں کوئی ملک الشعراء نہیں تھا، اس سے عام طور سے یہ سمجھا جاتا ہے، کہ عالمگیر کو شعر و شاعری سے نفرت تھی، اس لیے اس عہدہ کو اپنے دربار سے ختم کردیا، مگر اہل نظر یہ کیونکر یقین کرسکتے ہیں، جب کہ اس کے اکثر خطوط اشعار اور لمبی لمبی نظموں سے مزین نظر آتے ہیں، مثال کے طور پر بعض نمونے ملاحظہ ہوں، ایک خط میں لکھتا ہے:-

خان جہان بہادر درگذشت، انا للہ وانا الیہ راجعون، سبحان اللہ آدمی چہ قدر غافلست؟ و نفس تا کجا بروغالب؟ دریں ایام صوبہ داری دکھن می خواست و بچہ و دگری آرزوے آن می کرد؟ آرے کار نفس بتر ازین است، ے

کشتن این کار عقل و ہوش نیست	شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست
عالمے را لقمہ کرد و درکشید	معدہ اش نعرہ زنان ہل من مزید
دوزخ است این نفس و دوزخ اژدہاست	کو بدریاہا نگردد کم و کاست
ہفت دریا را درآشامد ہنوز	کم نگردد سوزش این خلق سوز
سنگہا و کافران سنگ دل	اندر آیند اندران خوار و خجل
ہم نگردد ساکن این چندین غذا	تا ز حق آید مرادرا این ندا

---

[1] مقدمۂ رقعات عالمگیر از نجیب اشرف ندوی ص ۵۴-۵۵، ہم نمونے کے لیے اورنگزیب کے رقعات کو یہاں پیش کرنا ضروری نہیں سمجھتے، کیونکہ مولف مذکور نے اورنگزیب کے خطوط پر ادبی حیثیت سے نہایت ہی مبسوط ناقدانہ اور فاضلانہ بحث کی ہے۔ ملاحظہ ہو مقدمۂ رقعات عالمگیر ص ۵۵ تا ۹۰

جو شعر اس کو پسند آتے تھے ان کو خود اپنی بیاض میں لکھ لیتا تھا، اور اکثر اوقات اپنے لڑکوں کی بیاض میں بھی بالالتزام لکھواتا تھا، ایک رقعہ میں لکھتا ہے،

ہدایت اللہ زرین رقم بگوئید، کہ این رباعی در بیاضے کہ بپادشاہزادہ کام بخش مرحمت می شود، بخط خود بنویسد ؎

آتش بدو دست خویش درخرمن خویش
من خود زدہ ام چہ نالم از دشمن خویش

کس دشمن من نیست منم دشمن خویش
اے وائے من و دست من و دامن خویش[1]

علالت اور حتی کہ بستر مرگ پر بھی عالمگیر کی زبان پر شعر ہوتے تھے، ۱۱۱۶ھ میں ایک بار بیمار پڑا، تو ضعف کی حالت میں یہ شعر ترنم کے ساتھ پڑھ رہا تھا،

بہشتاد و نود چون دررسیدی
بسا سختی کہ از دوران کشیدی

دران جا چون بصد منزل رسانی
بود مرگے بصورت زندگانی

امیر خان نے جو اس وقت اس کے ساتھ تھا، عالمگیر کو شعر پڑھتے سنا تو عرض کیا کہ نظامی گنجوی نے ان ابیات کی تمہید میں یہ بیت کہی ہے،

پس آن بہتر کہ خود را شاد داری
دران شادی خدا را یاد داری

عالمگیر نے اس شعر کو کئی بار سنا، پھر اپنی بیاض میں لکھوایا، اور مدت تک یاد رکھا،[2] بستر مرگ پر یہ شعر اکثر اس کے ورد زبان رہتا تھا،

بیک لحظہ بیک ساعت بیک دم
دگرگوں می شود احوال عالم[3]

یہ تعجب سے سنا جائے گا وہ خود بھی کبھی کبھی طبع آزمائی کرتا تھا لیکن ہم کو اسکا صرف ایک شعر مل سکا۔

---

[1] وقائع عالمگیر ص۵۰، [2] مآثر عالمگیری واقعات ۱۱۱۶ھ، [3] واقعات ۱۱۱۸ھ

الحز مرسوء الظن بخاطر نیاورده و ورآیت ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکۃ بہرہ نیافتہ"

مرغے کہ زیرک است درین بوستان سرا | گل را خیال چنگل شہباز می کند

خون می چکد ز زخم نمایان ز خنده اش | کبکے کہ بے ملاحظہ پرواز می کند

مردے در تہوری و بے باکی نیست بلکہ در خود شکنی ست

کمال مردی و فرزانگی ست خود شکنی ست | بہوس دست کسے را کہ این کمان شکند

ایک دوسرے رقعہ میں لکھتا ہے:۔

بفرزند عالیجاه عرضداشت کنند کہ ایشان استشفاع تقصیر اعتبار خان کرده اند، احتمال

قوی کہ سید سعد اللہ درویش نوشتہ باشند بنویسد کہ عبد القادر بیدل درین مقام دو مصرع

دلچسپ گفتہ

بترس از آه مظلومان کہ ہنگام دعا کردن

اجابت از در حق بہر استقبال می آید[1]

سعدی، حافظ، نظامی، نظیری، صائب، ملا شاه اور فانی کشمیری کے دوا وین عالمگیر خاص طور سے پڑھتا تھا، اور ان کے اشعار زبانی یاد رکھتا تھا، بخشی الممالک مخلص خان نے ایک بار دیوان صائب پیش کیا، جس میں ایک لاکھ اشعار تھے، عالمگیر صائب کے ایسے اشعار پڑھ کر بہت محظوظ ہوا، جو معرفت و تصوف میں ڈوبے تھے، اور اس دیوان کو محبوب رکھنے لگا، اس کی مندرجہ ذیل غزل ایک مدت تک اپنی محفل میں بار بار پڑھ کر سنتا تھا،

خم چو گردید قدا فراختہ می باید رفت | پل برین آب چو شد ساختہ می باید رفت

ہر چہ در کار برو ساختنش خود ساز یست | گوشہ کار جہان ساختہ می باید رفت

این سفر ہیچو سفرہائے دگر صائب نیست | رخت ہستی ز خود انداختہ می باید رفت[2]

[1] وقائع عالمگیری ص ۱۳۲
[2] مآثر عالمگیری ص ۲۷۲

قد تو در خرام بگلگشت بوستان
صد پیچ وخم ز شرم بسرو چمان دہد

آنجا کہ دست نالۂ عاشق کجا رسد
گر بال جبرئیل بمرغِ فغان دہد

از چشم جانستانش چو خواہم حیات نو
مژگان جواب من بزبانِ سنان دہد

گر دل ستاند از نگہ عشوہ آفرین
صد دل عوض ز طرۂ عنبر فشان دہد

چون شیشۂ شراب کہ با محتسب دہند
کس دل چرا بدست تو نامہربان دہد

نازم بچہرۂ کہ بہنگامِ مے ز عکس
رنگینئ بہار بفصل خزان دہد

ہر چیز را بجا صفتے آفریدہ اند
کے سرمہ در گلو اثر زعفران دہد

من خود بدروی یار خوشم ورنہ روزگار
کے این قدر الم بدل شادمان دہد

چشمش بابروان ومژہ گشت عالمی
کس ترک مست را زچہ تیر وکمان دہد

زلفش مزور است مکن اعتبار او
از عشوہ گر دلی بتو شب میان دہد

مضمون دلنشین کہ رسد از جہان غیب
یاد از طراوت سخن باستان دہد

مردان بود کہ گر ہمہ عالم بدو دہند
دل کم دہد بشادی وغم تا کہ جان دہد

با جان بنقد مہر ووفا دادہ ایم وبس
دیوانہ نیستیم کہ جانی بنسیان دہد

شاید مراد من کہ بخواہم ز آسمان
اورنگ زیب عادل گیتی ستان دہد

شاہے کہ از برائے سر دشمنان دین
بہر نثار گوہر تیغ یمان دہد

بہرام صولتے کہ ز بیمش پے گریز
گردون عنان خود بہ کہکشان دہد

تا ارض بر سکون وسما در تحرک است
تا چتر آفتاب ز شرق نشان دہد

زیبندہ باد بر سر اورنگ سلطنت
تا ابر و مہر راتب دریا وکان دہد

باوجودیکہ اورنگ زیب اپنی مدح سرائی مطلق پسند نہ کرتا تھا، اور شاعروں کی قصیدہ

غم عالم فراوان ست و من یک غنچہ دل دارم　　چسان در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیابان را[1]

ان شواہد کی موجودگی میں یہ کہنا کہان تک درست ہے، کہ عالمگیر کو شعر و سخن سے دلچسپی نہین تھی، بلکہ سچ تو یہ ہے کہ وہ عملی اور کار فرما دل و دماغ لیکر آیا تھا، وہ تفریحی مشاغل کا شیدا نہ تھا، اس کی سنجیدہ اور متین طبیعت شعرا کی مبالغہ طرازیون، خوشامدانہ مداحیون، اور جھوٹی بناوٹی باتون کو نہین پسند کرتی تھی، چنانچہ مراۃ العالم مین ہے:

و در مراتب نثر و انشا دستے تمام داشت و در مہارت نظم ہم بہرہ تمام اما بمودای مستشہد صادق کریمہ والشعراء یتبعہم الغاؤون متمسک گشتہ توجہ باستماع شعر ندارند، تا بشنیدن اشعار چہ رسد الا شعرے کہ متضمن موعظت باشد

نکردہ بہر رضائے خدائے عز و جل　　بچشم سوے غزال و بگوش سمع غزل

ماثر عالمگیری کا مصنف لکھتا ہے،

جہان پناہ اگرچہ نظم و نثر کے سمجھنے اور لکھنے مین کمال قدرت رکھتے تھے لیکن بیفائدہ اشعار اور خصوصاً کاذب مدح سرائی کے سننے سے پرہیز فرماتے تھے، نصیحت آمیز اشعار سے البتہ بے حد ذوق تھا،[2]

ایک بار سلطان شادمان نے اسکی مدح مین مندرجہ ذیل قصیدہ اس کے سامنے پڑھا،

آن کیست کو ز حلقۂ دولت نشان دہد　　در خواب اگر دہد بطریق کمان دہد

آب حیات خضر کہ عمریست جاودان　　تلکے ز حسرت لب لعل تو جان دہد

فکر سخن طراز کہ خضریست فی المثل　　خود در عدم دو چون نشان ز ان میان دہد

ابر قلم کہ آب سیہ می چکد از و　　رنگ سخن ز وصف لب گل رخان دہد

---

[1] بحوالہ بادشاہ نامہ عالمگیری از ذکاء اللہ ص ۵۰۴　[2] ماثر عالمگیری ص ۳۸۹

کا قائل نہ تھا، اور نفس شاعری کو ذریعۂ معاش ٹھہرانا پسند نہ کرتا تھا، یہی سبب ہے کہ اس نے دربار کے شعرار کو بھی ان کی استعداد ولیاقت کے مطابق ملکی منصب دیکر روزی کمانے کا ذریعہ فراہم کیا، اس نے نفس شاعری کا منصب قائم رکھنا پسند نہیں کیا،

دربار کے متوسلین شعرار کی تعداد تو زیادہ ہے، مگر ہم یہان پر صرف تھوڑے سے ارباب سخن کا ذکر کرتے ہین

نعمت خان عالی، عالی تخلص تھا، اور مرزا محمد علی نام، حکیم فتح الدین شیرازی کا لڑکا تھا، مرزا محمد ہندوستان ہی مین پیدا ہوا، لیکن صغر سنی مین باپ کے ساتھ شیراز چلا گیا، اور وہین تعلیم پائی، ہندوستان آیا تو ملا شیغائی یزدی کے سامنے بھی زانوے تلمذ تہ کیا، یہان طب کا آبائی پیشہ اختیار کیا، پھر اورنگ زیب نے اپنے ملازمان خاص مین داخل کر لیا، اورنگ زیب نے جب حیدرآباد فتح کیا، تو اس نے یہ تاریخ کہی،

از نصرتِ پادشاہ غازی   گردید دل جہانیان شاد

آمد بقلم حساب تاریخ   شد فتح بجنگ حیدرآباد

اورنگزیب نے خوش ہو کر اس کو خلعت و انعام عطا کیا[1]

سنہ ۱۱۰۰ھ مین اس کو نعمت خان کا خطاب ملا، اور باورچی خانہ کا داروغہ مقرر ہوا، آخر عہد مین اورنگزیب نے اسے مقرب خان کے خطاب سے سرفراز کیا، اور جواہر خانہ نگین دولت کا داروغہ بنایا، شاہ عالم کے زمانہ مین دانشمند خان ہوا، اور بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا کہ زندگی کو خیرآباد کہا، اس کی مختلف تصانیف کا ذکر آگے آئیگا، لیکن یہ سنکر تعجب ہوگا کہ اس کی کتاب وقائع نعمت خان مین عالمگیر کی ہجو ملیح بھی ہے، احمد علی سندیلوی مخزن الغرائب مین لکھتے ہین:

---

[1] مآثر عالمگیری واقعات سنہ ۱۰۹۷ھ

خوانی کو فعل عبث سمجھتا تھا، چنانچہ شادمان کو آیندہ مدح سرائی سے منع کر دیا، لیکن قصیدہ کے بعض بعض اشعار کو شاعرانہ نقطۂ نظر سے بہت پسند کیا، اور بار بار پڑھوا کر سنا مرآۃ الخیال مین ہے.

"سلطان شادمان قصیدۂ مشتمل بر مدح گفتہ بسمع مبارک رسانید و بعض ابیاتش پسند خاطر فیاض افتاد و بتکرار استماع فرمودند"[۱]

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ باوجود اس ذوق شعری کے ملک الشعراء کا عہدہ عالمگیر نے کیون تخفیف کر دیا، دیکھنا یہ ہے کہ اس کے دربار کے ممتاز ترین شعراء کون تھے، نعمت خان عالی، عاقل خان رازی، ملا اشرف ماژندرانی اور موسوی خان وغیرہ وغیرہ کیا ان مین کوئی ایسا تھا جو فیضی، طالب آملی، قدسی اور ابوطالب کلیم کا مد مقابل ہو سکتا تھا، اگر ان مین کسی کو ملک الشعراء کے خطاب سے سرفراز کر کے ان نادرہ روزگار شعراء کی صف مین کھڑا کر دیا جاتا، تو کیا عالمگیر کے علم وادب کے بلند اور اعلی ذوق پر حرف نہ آتا، ان مین سے کسی ایک مین بھی فیضی کا جوش بیان اور استعارات کی شوخی، یا طالب آملی کی تشبیہات کی ندرت، یا قدسی کا جوش وخروش یا کلیم کی مضمون آفرینی اور خیال بندی پائی جاتی ہے، مولانا شبلی قطراز ہین کہ مرزا صائب کے بعد بھی لوگون نے طبع آزمایان کین لیکن وہ شمار کے قابل نہین، وہ تو یہ بھی لکھتے ہین کہ ایران مین شاعری مرزا صائب پر ختم ہوگئی، ہندوستان مین بھی یہ کہنا صحیح ہے، کہ شاہجہانی دور مین فارسی شاعری اوج کمال پر پہنچ کر زوال کی طرف مائل ہوتی گئی، بعد کے شعراء پرانی شراب کو صرف نئی بوتلون مین انڈیلتے رہے،

شعراء | یہ کہنا بھی صحیح نہین کہ عالمگیر کا دربار شعراء سے خالی ہو گیا تھا، اس کے دربار مین بھی شعراء تھے اور وہ ان کے اشعار سنتا، اور موقع بموقع اپنے جود وسخا سے ان کو فیضیاب کرتا تھا، مگر وہ مفت خوری

---

[۱] مرآۃ الخیال ص ۲۵۲، ۲۵۳

حاوی فنون، و فریود و جامع علوم متکاثر...... مرزا محمد در نظم و نثر قدرت عالی دارد

خصوص در وادی نثر طلسم حیرت می بندد"

مآثر الامراء کا مصنف اس کو ہمیشہ حاجی کے نام سے یاد کرتا ہے، اور لکھتا ہے،

"ہیچ یکے از زبانش نرستہ[1]"

عالمگیر نے نعمت خان عالی کے لڑکے حکیم حاذق کو حکیم الملک کا خطاب دیا، محمد شاہ کے عہد میں یہ خطاب حکیم الملوک ہو گیا، اور پنجہزاری منصب بھی ملا۔[2]

عاقل خان رازی، میر عسکری نام، خواف کا رہنے والا تھا، شاہجہان کے عہد میں ہندوستان آیا، اور شہزادہ اورنگ زیب کے ساتھ دکن میں قلعدار مقرر ہوا، ایام شاہزادگی میں اورنگ زیب کی ایک کنیز (بجے از پرستاران خاص) کا انتقال ہو گیا اس سے اورنگ زیب روز "تازہ بتازہ و نو بنو" گانے سنکر محظوظ ہوا کرتا تھا، اس کے انتقال پر ملال پر اورنگزیب بہت ہی غمگین ہوا، غم غلط کرنے کے لیے دوسرے روز شکار میں چلا گیا، میر عسکری بھی ساتھ تھا، تنہائی میں میر عسکری نے پوچھا کہ اندوہ و ملال کی شدت میں شکار کھیلنے کے کیا معنی؟ اورنگ زیب نے جواب میں یہ شعر پڑھا۔

نالہائے خانگی دل را تسلی بخش نیست	در بیابان می توان فریاد خاطر خواہ کرد

میر عسکری نے یہ شعر سنکر عرض کیا، کہ

عشق چہ آسان نمود آہ چہ دشوار بود	ہجر چہ دشوار بود یار چہ آسان گرفت

---

[1] مآثر الامراء جلد سوم ص ۶۰۵، اس کے حاجی کے نمونے مخزن الغرائب میں ملاحظہ ہوں کلیات نعمت خان عالی کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں ہے، کلام کے کچھ نمونے مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۳۰۲ پر بھی درج ہیں۔ [2] مآثر الکرام ص ۳۰۲۔

بے حد شوخ، بے باک، حاضر جواب اور لطیفہ گو تھا، محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ کی ملازمت سے سرفراز ہوا، بادشاہ قابل دوست اور جوہر شناس تھا، اس نے بکاولی کا منصب دے کر نعمت خان کا خطاب دیا، مگر اس نے اپنے ولی نعمت سے حق نمک کا خیال نہیں رکھا، اور ہجو ملیح لکھی

نمک سودہ الماس شبیہ است بہم ہر کہ این را بغلط خوردہ گرجان ببرد

آخر اپنی نامناسب اور ناشایستہ باتوں سے لوگوں کی نظروں سے گر گیا۔ اس کی غزلوں کے اشعار میں تو کوئی لطف نہیں، بلکہ بے مزہ اور لُطف سے خالی ہیں، مگر اس کی مثنوی، ہجو اور نثر پسندیدہ ہے،[1]

اورنگزیب نعمت خان عالی کی دریدہ دہنی سے واقف تھا، لیکن اس سے وہ قصداً اغماض کرتا تھا، ایک بار کامگار خان نامی ایک امیر کی شادی کے موقع پر نعمت خان عالی نے ایک ہجو لکھی، تو امیر نے اورنگزیب سے اس کو تنبیہ کرنے کی درخواست کی، لیکن اورنگزیب نے لکھا:

خانہ زاد سادہ لوح (کامگار خان) می خواہد کہ ما ہم درین رسوائی شریک سازد کہ او ہر چہ خواہد در باب ما گوید، و بنویسد، و شہرۂ عالم سازد، و در ہجو ہم درباب ما قصر نبود،[2] تلافی بانعام و انعام شدہ کہ دیگر ارتکاب نکند، با وجود این خود کی نکردہ زبان بریدن و گردن زدن مقدور نیست، باید سوخت، و باید ساخت، سرفیق کلا یعنی افعلک و کلا یغار فلک[3]

میر غلام علی آزاد اس کے بارے میں لکھتے ہیں، کہ

---

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ ملوکہ دار المصنفین اعظم گڑھ، [2] یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب کہ فتح دکن کے موقع پر تاخیر ہوئی تو بعض امراء نے اورنگزیب سے واپس جانے کی درخواست کی، اورنگزیب واپس جانے کے خلاف تھا، اس موقع پر نعمت خان عالی نے یہ نظم کہا:- بنشستہ جہان توی کہ بداشتنش بہ کار دے دگرے نیست خدا بدا ند عالمگیر ہنش بڑا، [3] وقائع عالمگیر ص ۲۶۶،

کا قصہ ہے، مہروماہ مین ایک ہندوستانی قصہ منظوم ہے،[1] مصنف مآثر عالمگیری کا بیان ہے کہ مثنوی مولانا روم کے دقائق کو حل کرنے مین وہ اپنے کو یکتا خیال کرتا تھا،[2] اس کے تغزل کا رنگ ہے

خشک کنم زسوز دل دیدۂ اشکبار را | چند در آب افگنم آئینۂ نگار را
منتظران یار را جلوہ ہر صور نکوست | سرمہ بود غبار رہ دیدۂ انتظار را
قبلۂ مست می کند خانۂ مے فروش را | آنکہ بکعبہ می برد سالک ہوشیار را
پائے طلب براہ زن شرط ادب نگاہدار | چونکہ تو کردی اختیار تہمت اختیار را
چند غمی جہان خوری دل بہ نہی برین بہ | باد خزان چو در پے است جلوہ این بہار را
بست گرہ زخون دل نافۂ آہوئے ختن | تا بکشاد این غزال طرۂ مشکبار را
ساقی مست راز یا ساغر بہشتی دہد | این مے اگر نمی چشی بس کہ کشی خمار را[3]

ملا محمد سعید **اشرف** ماژندرانی، ملا محمد صالح ماژندرانی کے لڑکے اور ملا محمد تقی مجلسی کے نواسے تھے، عالمگیر کے اوائل حکومت مین ہندوستان آئے، ان کی استعداد وقابلیت کو دیکھکر عالمگیر نے ان کو زیب النساء کا اتالیق مقرر کیا، ۱۰۹۳ھ مین زیب النساء سے اجازت لے کر اصفہان واپس گئے، پھر واپس آئے تو شہزادہ عظیم الشان بن شاہ عالم کے ساتھ عظیم آباد مین رہے، شہزادہ انھین بہت ہی محبوب رکھتا تھا، باوجود کبر سنی کے انھین اپنے پاس برابر بٹھائے رہتا تھا، آخر عمر مین بیت اللہ کی زیارت کو جارہے تھے، کہ مونگیر پہنچکر مالک حقیقی سے جاملے، یہین ان کی قبر بھی ہے، ان کے دیوان مین قصائد، قطعات، غزلیات کے علاوہ مثنویان بھی ہین، ان کی بعض غزلون کے پسندیدہ اشعار یہ ہین،

بدنیا چون درآید آدمی بدبخت می گردد | ہوا چون در میان خشک آید سخت می گردد

---

[1] ہمیشہ بہار از کشن چند اخلاص بحوالہ فہرست مخطوطات کتب خانہ شاہ اودھ مرتبہ اسپرنگر، ص ۱۴۴-۱۴۳ و
[2] مآثر عالمگیری ص ۲۰۲-۲۰۴ - [3] مراۃ الخیال ص ۲۹۳

اورنگزیب نے شعر سنا تو اس پر رقت طاری ہو گئی، اور اس کو بار بار پڑھتا رہا[1]
میر عسکری، حضرت برہان الدین رازی کا معتقد تھا، اس لیے رازی تخلص کرتا تھا، جب
اورنگزیب دکن سے دارا سے لڑنے چلا، تو قلعۂ دولت آباد میں اپنے اہل و عیال کو چھوڑا، میر عسکری
اس شہر کا نگہبان ہوا، اورنگزیب جب سریر آرائے سلطنت ہوا تو اس کو عاقل خان کا
خطاب دیا، اور دوآبہ کا فوجدار مقرر کیا لیکن چند مہینے کے بعد میر عسکری صحت کی خرابی کی وجہ سے خانہ نشین ہو گیا
اس مدت میں اس کو ۵۰۰ روپیہ ماہوار ملتے رہے، ۱۰۷۸ھ میں پھر ملازمت شاہی میں منسلک
ہوا، اور داروغۂ حرم خاص مقرر ہوا، جس پر بہت ہی معتمد امیر مامور ہوتا تھا، اس زمانہ میں اورنگزیب
کے عنایات و اکرام سے برابر فیضیاب ہوتا رہا، ۱۰۸۱ھ میں اس کو ایک شاہی خلعت عطا
کیا گیا، اور ڈاک چوکی کا داروغہ مقرر ہوا، لیکن اس عہدہ سے مستعفی ہو گیا، ۱۰۸۶ھ میں اس کا
ایک ہزار روپیہ وظیفہ مقرر ہوا، ۱۰۹۰ھ میں بخشی دوم کے عہدہ پر مامور ہوا، ۱۰۹۱ھ میں اسکو
دہلی کی صوبہ داری سپرد کی گئی، اس عہدۂ جلیلہ پر اپنی وفات تک فائز رہا، مآثر عالمگیری کے مصنف
کا بیان ہے کہ عاقل خان کی خدمات، دیانت داری اور اخلاص کی وجہ سے عالمگیر اسکی
خود رائی و خود بینی و خود ستائی سے چشم پوشی کر کے عہدہ، اور اہم خدمات اسکے سپرد کرتا تھا[2]
ظفر نامۂ عالمگیری، ایک دیوان، مرقع تصنیف رازی، اور چند مثنویاں، نغمات العشق،
قراۃ الحیوۃ، شمع و پروانہ، اور مہر و ماہ اس کی یادگار ہیں، ظفر نامۂ عالمگیری میں عہد عالمگیر کے
واقعات، جنگ بیجاپور سے میر جملہ کی وفات تک درج ہیں، مرقع تصنیف رازی میں
مولانا جلال الدین رومی کے طرز پر ایک مثنوی ہے، قرات الحیوۃ اس کے مرشد شیخ برہان الدین
رازی کی تصنیف ہے، اس نے اس کو ترتیب دیا ہے، شمع پروانہ میں رتن سین اور پدماوت

[1] مرآۃ الخیال ص۲۶۳، [2] مآثر عالمگیری ص۴۸۳،

وہ لکھتا ہے:۔

مرزا روشن ضمیر آسمان فضل و کمال کے بدر منیر تھے، بڑے صاحب استعداد و بلند فطرت تھے، لطائف خسروی کو عربی اور فارسی مین رائج کیا، اور ہندی کے علم مین اس فن کے استادون سے آگے بڑھ گئے تھے، ہندی کے اکثر اساتذہ ان کے سامنے تعظیم بجالاتے تھے، فن موسیقی مین اسقدر کمال حاصل کیا تھا، کہ بڑے بڑے ماہرین ان کی شاگردی پر فخر کرتے تھے، چودہ ہزار راگنیون سے اہل صحبت کو محظوظ کرتے تھے، عربی، فارسی اور ہندی گیت بناکر طرح طرح سے گاتے تھے، (ص ۲۲۸)

نغمے اور رقص پر ہندی زبان مین پارجاتک ایک مشہور کتاب ہے، ضمیر نے اس کا ترجمہ فارسی زبان مین کیا،[1]

رفیع خان **باذل** کا خاندان مشہد سے ہندوستان شاہجہاں کے زمانہ مین آیا، اس کا چچا مرزا محمد طاہر، وزیرخاں عالمگیر کے زمانہ مین برہان پور، اکبرآباد اور مالوہ کا صوبہ دار رہا، رفیع خاں باذل شاہجہاں آباد مین پیدا ہوا، جوان ہوا تو عالمگیر کے دامن دولت سے وابستہ ہوکر سرکار بانس بریلی کا فوجدار مقرر ہوا، بڑا قادر الکلام شاعر تھا، فردوسی کے شاہنامہ کی تقلید مین غزوات نبوی پر ایک مثنوی حملۂ حیدری لکھی جس مین ماثر الامراء کے مؤلف کے بیان کے مطابق چالیس ہزار اور ماثر الکرام کے مصنف کے مطابق نوے ہزار اشعار تھے۔[2]

التفات خان نقدہ صفاہانی طاہر نام مرزا محمد طاہر تھا، اصفہان کا رہنے والا تھا عالمگیر کے عہد مین ہندوستان آیا، مخلص خان کے ذریعے شاہی ملازمت اور منصب حاصل کیا، پہلے التفات خان پھر ملتفت خان کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، مضافات اورنگ آباد

---

[1] ید بیضا قلمی نسخہ دار المصنفین۔ [2] ماثر الامرا جلد سوم صفحہ ۹۴ و ماثر الکرام جلد دوم صفحہ ۱۴۳

ساقیا ساغر بگردش آر تمکین واگذار | کشتی دریاکنان را لنگری در کار نیست
گشت مستغنی ز وصل اشرف بیادِ عارضش | همچون آن حافظ کہ مصحف را تمام از بر نوشت
در جوانی روش حالت پیری دارم | چون گلِ زرد بہارم بخزان می ماند
رفتہ رفتہ ابر و در ابر طرف ساز غضب | آب را چندانکہ جوشانند کمتر می شود[1]

روشن ضمیر، ایران کا مشہور شاعر تھا، ہندوستان آیا تو عالمگیر نے اس کی سرپرستی کی اور رفتہ رفتہ شاہی منصبداروں میں داخل ہو گیا، جب اورنگزیب شہزادہ شجاع سے لڑ رہا تھا تو ضمیر نے مندرجۂ ذیل تاریخ لکھ کر پیش کی،

اے حرز تو سورۂ تبارک بادا | پیوستہ ترا تاج مبارک بادا
جستم ز پے سکون فتحت تاریخ | دل گفت شود فتح مبارک بادا

اورنگزیب کو یہ تاریخ بہت پسند آئی، اس نے انعام میں پانچ ہزار روپے مرحمت کئے[2]

عالمگیر نے جب کلام پاک حفظ کیا تو اس موقع پر، روشن ضمیر نے یہ تاریخ لکھکر گذرانی،

محی الدین و مصطفےٰ حافظ تو | صاحب سیفی و مرتضی حافظ تو
تو حامی شرع و حامی تو شارع | تو حافظ قرآن و خدا حافظ تو

عالمگیر نے خوش ہو کر اس کو انعام میں سات ہزار روپے عطا کئے[2]، وہ کچھ دنوں تک بندر سورت کا واقع نگار اور بخشی کے عہدہ پر بھی مامور رہا[3]۔

ضمیر ایرانی نژاد ہونے کی وجہ سے بھاشا و سنسکرت کے الفاظ کا صحیح تلفظ نہیں کر سکتا تھا مگر اپنی ذہانت اور جودت سے ہندی کا بلند پایہ شاعر ہوا، ہندی میں اس کا مخلص پتی تھا، خافی خان اس کو امیر خسرو ثانی کہتا ہے، مراۃ الخیال کا مولف ضمیر کی مجلسوں میں شریک رہا ہے،

---

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۸۸۔ [2] منتخب اللباب از خافی خان جلد دوم ص ۸۔ [3] مراۃ الخیال ص ۱۸۳

مارا بخدای خویشتن راہے ہست | در ظلمت تن نور شہنشاہی ہست
چشمک زدن ستارہ بے چیزے نیست | در پردہ عنبرین شب ماہی ہست

تحسین، غلام علی نام تھا، عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہو کر اس کے لڑکے شہزادہ معظم کا ندیم خاص رہا، ۱۰۸۸ھ میں شہزادہ لاہور سے عالمگیر کے پاس جا رہا تھا کہ راستے میں تحسین سے ترشروئی کے ساتھ گفتگو کی، جس کو وہ برداشت نہ کر سکا، اور راستہ ہی میں جان بحق ہو گیا، اس کے کلام کا رنگ یہ ہے:۔

بتاب مہر زبس نرم شد دل کہسار | توان کشود رگ سنگ را بہ نشتر خار
خندہ از یاد لبش چون گنبد مینای من | آب حیوان ریزد از ہر قطرہ صہبای من
مست بیباکم من و یارم بدوش دیگر است | گردن میناست خم از بار عصیان ہای من
در خاک فرو بردہ خیال لب یارم | یاقوت برآید چو کنی سنگ مزارم[1]

صہبائی، نام عبد الباقی، مراۃ العالم میں ہے کہ وہ شاہی ملازموں کے زمرہ میں داخل تھا، مگر ملازمت کی نوعیت معلوم نہیں ہو سکی، خط نستعلیق کا بھی ماہر تھا، مراۃ العالم کے مولف کے بیان کے مطابق اس کا کلام نشاط بخش اور شور انگیز ہوتا ہے، اسکے دو شعر یہ ہیں:

لب فرو بستیم از ہستی دم ہوشی نیست | سختی نیست کہ شرمندہ خاموشی نیست
ز دست سرکشی شانہ سینہ چاک شوم | کہ کاکل تو در آغوشش حوبو گیرد

مرزا محمد علی ماہر اکبرآبادی، اپنے عہد کے اساتذہ فن میں شمار کئے جاتے تھے، کلیم، قدسی اور میر یحییٰ وغیرہ کی صحبت میں ان کے ذوق سخن کا نشوونما ہوا، کچھ دنوں دانشمند خان شفیعا یزدی کے ہم جلیس رہے، پھر دارا شکوہ نے ان کو اپنے یہاں طلب کر لیا، اور مدد خان

---

[1] فرحۃ الناظرین صہ مراۃ العالم،

مین بیڑ کا فوجدار مقرر ہوا، نثر لکھنے مین غیر معمولی مہارت رکھتا تھا، اور ایک ہی وقت مین تین کاتبون کو مختلف عبارتین لکھواتا اور ربط و تحریر کو قائم رکھتا، بلکہ خود بھی کتابت کرتا جاتا تھا، اس کے کلام کا نمونہ یہ ہے:-

مکن گویا بعرض مدعا یارب زبانم را — بہ بند از موی چینی تار قانون فغانم را

شہید بکیم پوشیدہ ام بعد از قبای خود — برنگ مردۂ فیروزہ نیلی در عزای خود

شہرت حسن تو شد از کشتۂ دیدار تو — از نسیم بال بلبل بشگفد گلزار تو[1]

حکیم محمد کاظم صاحب، عالمگیر کے خاص طبیبون مین سے تھا، پانصدی منصب بھی شاہی دربار سے عطا ہوا تھا، اس نے متعدد مثنویان لکھین، جن مین سے کچھ کے نام یہ ہین، آئینہ خانہ، پری خانہ، ملاحت احمدی، صباحت یوسفی، کمال محمدی، کلیات کو انفاس مسیحی کے نام سے ترتیب دیا تھا، اس کو مصحف شریف کی طرح رحل پر رکھ مطالعہ کیا کرتا تھا، اس نے خودستائی اور خود بینی مین خود ہی مسیح البیان کا خطاب اختیار کر لیا تھا، اس کے متعلق سرخوش کے جستہ جستہ فقرے یہ ہین:-

اکثر شعر بطرز مولوی روم می گفت، دیوانے ضخیم پر از طب و یابس ترتیب دادہ، بر طبع داستانی خود مغرور بود، از غایت پر خود غلطی اکثر شعر پوچ و بے معنی می گفت واز مردم حتم تحسین می داشت"

اس کی کچھ رباعیان ملاحظہ ہون:-

بر لالہ خط کشیدہ کان سنبل موست — گل را بگلاب شست کین صفحۂ روست

عالم ہمہ اوست لیک نتوان گفتن — شہ را بسر انگشت نمودن نہ نکوست

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۵۸

می کند معشوق از پہلوی عاشق دلبری — از پر خود شمع را پروانہ می سازد پری

تا دل گردیدہ ام خود بند عالم از من است — در قناعت مور را یکدانہ خرمن است

بسکہ در ہجر تو چون نال قلم کاہیدہ ام — از تنم صد پیرہن بالیدہ تر پیراہن است

دو بار سوز و از دو فغان بند گشتہ — ے دو آتشہ در سوختن سپند گشتہ

محمد افضل سرخوش، سنہ ۱۰۵۰ھ میں کشمیر میں پیدا ہوا، اس کا باپ محمد زاہد شاہ جہانی امیر عبداللہ خان زخمی کی سرکار میں ملازم تھا، سرخوش بھی اس امیر کے ملازمون کے زمرہ مین داخل ہوا، پھر اس کی وفات کے بعد نواب بخشی الممالک روح اللہ خان کی وساطت سے عالمگیر کے دربار سے وابستہ ہوا، وہان سے اس کو منصب ملا، اور ۱۰۸۰ھ میں حسن ابدال میں شرفی عدالت کے عہدہ پر مامور ہوا، سرخوش نے عالمگیر کے دربار سے اپنی وابستگی کو فخر و امتیاز کے ساتھ لکھا ہے :-

خادم درویشان بلکہ خاکپاے ایشان محمد افضل سرخوش از خانزادان شاہ عالمگیر است

آخر میں شاہجہان آباد میں خوشحالی اور عزلت نشینی کی زندگی بسر کی، چہتر سال کی عمر میں سنہ ۱۱۲۶ھ وفات پائی، شاعری میں مرزا محمد علی ماہر اکبر آبادی، منعم حکاک شیرازی اور میر معز موسوی خان سے فیض حاصل کیا، مرزا محمد علی ماہر اور موسوی خان اس کی شاعرانہ صلاحیتون کے بیحد معترف تھے، مرزا محمد علی کو اس کی شاگردی پر فخر تھا، موسوی خان نے ہندوستان کے صرف تین شاعرون کو تسلیم کیا تھا، جن میں سے ایک سرخوش تھا، بقیہ دو ناصر علی اور غنی کشمیری تھے، سرخوش نے بھی لائق شاگرد پیدا کئے، بندرا بن خوشگو، حافظ محمد جمال تلاش، تنعم بیراگی، فیخ اللہ گلشن، عبدالرحیم لنگر کشمیری اور حکم چند ندرت وغیرہ اسی کے شاگرد تھے، سرخوش نے اپنا دیوان خود ہی مرتب کیا تھا، اس میں تقریباً ۲ ہزار اشعار تھے، اس کے علاوہ بہت سی

کا خطاب عطا کیا، یہ معلوم نہ ہو سکا کہ عالمگیر کے دربار سے بھی وابستہ رہے یا نہین، اگر اسکی مدح مین ظہوری کے تتبع مین ایک رسالہ گل اورنگ لکھا، جس کا انداز یہ ہے :-

در عہد صبی بتقاضای سن اگر بازی گنجفہ دست کشادی بشمشیر سر واکردی، زر سرخ و سفید بخرج دادی تا از مرکب ساز سرکارش نام سیاہی بادام شنیدہ بادام چو پستہ خندان در پوست نگنجیدہ ؎

از داز ہر مشق شاہ مدام چشم خوبان سیاہی بادام

در عہد خوش نویسی اش از بسکہ یاقوت را مناسبتی بنقطہ نویسی نمی بیند، محرران دفتر ہمایونش یاقوت را نقطہ نمی نویسند"

مرزا محمد علی ماہر کی طبیعت مین قناعت پسندی اور درویشی تھی، اس لیے ترک دنیا کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ کلمات الشعرا کا مولف محمد افضل سرخوش ان کا محبوب شاگرد تھا، ایک روز سرخوش نے استاد سے عرض کیا کہ دانشمند خان بخشی اور ہمت خان تن بخشی آپ پر مہربان ہین، ان کے ذریعہ سے کیون نہین کسی منصب کی کوشش فرماتے ہین، مرزا محمد علی ماہر نے جواب دیا کہ اب مشہور ہو چکا ہے کہ مین نے دنیا چھوڑ کر فقیری لے لی ہے، اگر دنیا کی طرف رغبت کرون گا تو میرا حال اس ہندو عورت کی طرح ہو گا جو شوہر کے مرنے پر جلنے کو جاتی ہے، مگر آگ دیکھکر بھاگنا چاہتی ہے تو بھنگی اس کے سر کو لکڑیون سے کچل کر اس کو جلا دیتے ہین، چنانچہ آخر وقت تک صبر و قناعت ہی کے ساتھ زندگی بسر کی، انکے دیوان کو سرخوش نے مرتب کیا تھا، ماہر نے متعدد مثنویان بھی لکھین جن مین ایک مثنوی جامع نشاتین ہے، یہ تحفۃ العراقین کی بحر مین ہے، سرخوش نے اپنے استاد کے جن اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے، ان مین سے کچھ یہ ہین

بچشم چگونہ دیدن رویت ہوس کند نظارہ بر چراغ تو [illegible] کند

قناعت پسندی کی وجہ سے شاہی دربار سے بے نیاز رہے، اس دور کے اور دوسرے شعرا کے نام یہ ہین، عبدالرسول، اسیر لاہوری، آصف عمر، افسری، اعجاز اکبرآبادی، جعفر برہمن، آصف خان، سیادت لاہوری، ضیاء الدین خیرآبادی، عارف لاہوری، سید کبیر علوی، ملا اسعد قصہ خوان، غریب، عبدالوہاب غنائی، فیضا، عبداللطیف قیصر، احمد بیگ کامل، منیر لاہوری، شیخ نورالحق مشرقی، نسبتی، عبدالاحد وحدت وغیرہ،

امرا | تیموریون کے دور حکومت مین علم پروری وعلم نوازی شان امارت مین داخل تھی، اسلیے امرائے عالمگیر نے بھی اپنی محفلون کو علم وادب اور شعر وسخن سے پر رونق رکھا، اور ان مین بھی ادیب انشا پرداز، سخن سنج اور سخن فہم پیدا ہوئے،

علاء الملک تونی **فاضل خان** عالمگیر کا پہلا وزیر اعظم ہوا، وہ معقولات، منقولات، الٰہیات، طبیعیات، ریاضیات اور نجوم وہیئت کا جید عالم تھا[1]، ادب وانشاء مین اس کو بڑی مہارت حاصل تھی، اوپر گذر چکا ہے کہ محمد وارث کی بادشاہ نامہ مین کچھ حصہ فاضل خان ہی کا نوشتہ ہے، عالمگیر کے عہد مین اہم شاہی فرمان وہی لکھا کرتا تھا[2]،

محمد اسمٰعیل **ذوالفقار خان** نصرت جنگ عالمگیر کے آخری وزیر اعظم اسد خان آصف الدولہ کا لڑکا تھا، آصف خان یمین الدولہ کی لڑکی مہرالنساء بیگم کے بطن سے پیدا ہوا، عالمگیر نے اس کو مختلف ملکی وحربی خدمات کے صلہ مین ذوالفقار خان اور نصرت خان کا خطاب اور پنجہزاری منصب عطا کیا، وہ شاعر بھی تھا اور شعراء کا سرپرست بھی، اور اس سلسلہ مین اس کی فیاضی

---

[1] مآثر الامرا، جلد سوم ص ۵۳۵ مین ہے "در فنون حکمت طبیعی و ریاضی از یکتایان روزگار بود، بسیار علم ہیئت و نجوم گوے سبقت از ہمۂ این فن می ربود و با کثرت فضل و کمال سایر اوضاعش دستور العمل دانشوران حال"، [2] عالمگیر نامہ ص ۳۹۵،

مثنویاں بھی لکھیں، مثلاً مثنوی نورٌ علیٰ نور، مثنوی حسن و عشق، مثنوی قضا و قدر، مثنوی در بعض خصوصیات ہندوستان، جنگ نامۂ محمد اعظم، مثنوی در تعریف خسخانہ، جامی کی لوائح کے تتبع میں ایک رسالہ رواۓ بھی لکھا، نثر میں اس کی ایک کتاب جوش و خروش ہے، مگر اس کی سب سے اہم تصنیف کلمات الشعراء ہے جس میں جہانگیر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک کے شعراء سے متعلق بہت مفید اور دلچسپ معلومات ہیں، اور اس زمانہ کے مذاق کے مطابق ان کی شاعری پر تنقید و تبصرہ بھی ہے، بعد کے تمام تذکرہ نگاروں نے اس کتاب سے استفادہ کیا ہے، غلام علی آزاد بلگرامی نے اپنے مختلف تذکروں میں اس کا جا بجا حوالہ دیا ہے جو اس کی اہمیت کی دلیل ہے۔؎ سرخوش نے اپنے جو منتخب اشعار پیش کیے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں :-

ہوشیاری را حجاب یار می دانیم ما — بیخودی را بزم بے اغیار می دانیم ما
تیز می سازد بقتل عاشقان شمشیر را — این قدر ہم زخم از و بسیار می دانیم ما
قطرۂ بر گل شبنم زدہ افتاد مرا — آمد از زخم نمک سود جگر یاد مرا
ز چشم شوخ کردی تیر و زرّاندود گل را — بخاک سرمہ کشتی شعلۂ آواز بلبل را
غنچۂ تبسم برہ ناز نسیم لب شکند — برگ گل در زیر پایش کم ز تخت شیشہ نیست
خواہی کہ قدم براہ حق بگذاری — باید کہ بکف دامن پیری آری
بے آئینہ چہرہ در نگیرد ہرگز — یک عمر اگر در آفتابش داری
از بادہ مرا فزون شود عقل و شعور — ساغر خضر رہ نشاط است و سرور
می روشنی طبع بود سرخوش را — روغن ہمہ در چراغ گردد نور

ناصر علی سرہندی و غنی کشمیری بھی اس عہد کے مشہور اور مقبول شاعر تھے، مگر دونوں اپنی

؎ اورینٹل کالج لاہور کی اورینٹل مطبوعات کے ساتھ یہ کتاب بھی شائع ہو گئی ہے، مگر راقم الحروف نے زیادہ تر بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے قلمی نسخہ سے استفادہ کیا ہے،

جعفر الہ وردی خان، کچھ دنون متھرا، گورکھپور اور مراد آباد کا فوجدار رہا، دسوین سال جلوس مین اس کو منصب چہار ہزاری سہ ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ ملا، اور الہ آباد کا ناظم مقرر ہوا، بارہوین سنہ جلوس مین وفات پائی، اپنی شجاعت اور سخاوت مین مشہور ہونے کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی ذوق رکھتا تھا، اور اپنا ایک دیوان بھی مرتب کیا، اس کا ایک شعر یہ ہے:

کمتر ز قاشقے نتوان بود در طلب صد تیشہ می خورد کہ رساند بے لبے[1]

منعم خان۔ اکبر آباد کے کوتوال سلطان لاحسن کا لڑکا تھا، حضرت شیخ کلیم اللہ سے تعلیم پائی، عالمگیر کے عہد مین مختلف عہدون پر فائز رہا، آخر مین جمون کا فوجدار ہوا، مگر بہادر شاہ کے دور حکومت میں اپنی خدمات کی بنا پر ترقی کر کے سپہ سالار کے عہدہ پر مامور ہوا، اور خانخانان کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، اپنی تلوار کی جھنکار دن مین شعر و سخن کے نغمے بھی بلند کرتا تھا، کہتا ہے:۔

بلبل از نالۂ گل از خون دل ایجاد کنم عالم ناز و نیاز دگر آباد کنم
رفت مجنون فرا بست بپایان جنون گرد بادو گر از خاک خود ایجاد کنم[2]

اس نے شیخ محمدی رحمۃ اللہ علیہ سے شرف بیعت بھی حاصل کیا تھا اسی کے اثر سے اسکی شاعری مین بادۂ تصوف کی سرمستیان بھی آ گئی تھین، حقائق و معارف پر ایک رسالہ الہامات منعمی تحریر کیا،[3]

اسلام خان میر ضیاء الدین حسین بدخشی، عالمگیر کی شہزادگی کے زمانے سے اس کے ساتھ رہا، جنگ جانشینی مین دارا شکوہ اور شجاع کے خلاف لڑائیون مین بہت ہی مفید خدمات انجام دین، عالمگیر نے خوش ہو کر اس کو اچھے اچھے عہدے دیے، چوتھے سال جلوس مین وہ کشمیر

[1] مآثر الامراء ج ۱ ص ۱۳۱ [2] مخزن الغرائب ورق ۲۱۲م [3] مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۷۵

کی بڑی شہرت تھی، ناصر علی سرہندی جس کو سرخوش نے "آبروے ہندوستان" لکھا ہے، کچھ دنون تک
دربار سے بھی وابستہ رہا، ناصر ایک غزل کے مطلع مین ذوالفقار کو مخاطب کرکے کہتا ہے:-

اے شانِ حیدری ز جبین تو آشکار — نام تو در نبرد کند کار ذوالفقار

ذوالفقار خان نے خوش ہوکر ایک بڑی رقم اور ایک ہاتھی انعام مین دیا، مگر ناصر علی نے
اسی وقت ہاتھی اور روپے لوگون مین تقسیم کردیئے اور گھر خالی ہاتھ واپس آیا، ذوالفقار خان نے
سنہ ۱۱۰۳ھ مین کرناٹک پر فوج کشی کی، اس نواح مین حضرت شاہ حمید سے ملا تو ان کا گرویدہ
ہوگیا، ان کی مدح مین کہتا ہے:

اینک اینک ساقی شیرین رسید — نوبت جام حمید الدین رسید
حلقۂ درگاہ بیچون جام او — از زمین تا آسمان دردام او
جام او خورشید ربانی بود — انجمن افروز سبحانی بود
گر جمالِ او برانداز د نقاب — روزنِ ہر خانہ گرد د آفتاب
در جلالش برکشد تیغ از نیام — غیر او باقی نماند والسلام

سیف خان، بن تربیت خان بخشی شاہجہانی، عالمگیر کے زمانہ مین پہلے کشمیر اور پھر
الہ آباد کا صوبہ دار تھا، ماثر الامرا، جلد دوم (ص ۴۴۳) مین ہے،
"رند مشرب بہم وضع بود، اما قابلیت و مساس شعر و سخن دارد"
ناصر علی سرہندی کو اس سے بڑی شیفتگی تھی، چنانچہ کہتا ہے۔

گفت وگوی طوطی از آئینہ می خیزد علی — گر نباشد سیف خان با ناقص در کار نیست

سیف خان فن موسیقی کا بڑا ماہر تھا، اس فن مین ایک رسالہ راگ درپن لکھا، جو درحقیقت ایک مستند
ہندی کتاب مانک سوہل کا اضافہ کے ساتھ ترجمہ ہے،

لہ ماثر الامرا ج ۲ صفحہ ۴۶۷
۲ و ماثر الکرام ج ۲ صفحہ ۱۳۰

میرک معین الدین احمد **امانت خان**۔ کابل اور دکن کی دیوانی کی خدمت انجام دی، ماثر الامرا[1] کے مولف کا بیان ہے کہ اس کی زندگی عام امرا کے طرز زندگی سے مختلف تھی، دنیاداروں کے اوصاف اس مین نہ تھے، فضل وکمال سے متصف تھا، ترجمۂ شرعۃ الاسلام، اس کی خاص کتاب تھی، جس مین آداب شریعت کو واضح طور پر بیان کیا گیا ہے، خط شکستہ و نستعلیق جاننے کے علاوہ صاحب دل اور صاحب عرفان بھی تھا، اس کا ایک لڑکا وزارت خان گرامی شاعر تھا،

سید حسین امتیاز خان **خالص**۔ اصفہان سے ہندوستان آیا، عالمگیر نے اس کو صوبہ عظیم آباد پٹنہ کا دیوان مقرر کرکے امتیاز خان کا خطاب دیا، آزاد بلگرامی اس کے کلام کی صفائی کے معترف ہین، کچھ اشعار ملاحظہ ہون

رسید فصل بہار و زمانہ گلچین است — سپند آتش می شود وقت تمکین است

نیست بے لطفی جواب نامہ گر ننوشت دوست — از زبان خامہ ما را یاد نتوانست کرد

ساقی بیا کہ فصل خزان زودمی رسد — اے مے توہم برس کہ سفر می کند بہار

لطف حق را گرد بر با ظلمت عصیان غضب — آب در یار شب تاریک آتش می کند

احمد یار خان **یکتا**۔ ٹھٹھہ کا صوبہ دار تھا، مختلف قسم کے علوم وفنون حاصل کئے، خطاطی مین اس کو بڑی مہارت تھی، خط نسخ مین ایک کلام پاک لکھ کر میر عبد الجلیل بلگرامی کی خدمت مین پیش کیا، شعر وشاعری مین اساتذۂ فن سے معرکہ آرا ہوتا تھا، لاہور کے ایک شاعر محمد عاقل کا تخلص بھی یکتا تھا، اس نے احمد یار خان سے اصرار کیا کہ وہ اس کے حق مین اپنے تخلص سے دستبردار ہوجائے، احمد یار خان نے کہا کہ ایک طرحی غزل ہم دونون کہین، اور جس کی غزل بہتر ہو وہی اس تخلص کا مستحق ہو، چنانچہ دونون نے غزلین کہین، اور دو اساتذۂ فن کے سامنے پڑھی گئین،

---

[1] ماثر الامرا جلد اول ص۲۶۲۔ [2] ماثر الکرام جلد دوم ص۱۵۰

کا اور چھٹے سال میں الہ آباد کا صوبہ دار مقرر ہوا، اور پنج ہزاری سہ ہزار سوار کے خطاب سے سرفراز کیا گیا، مگر اسی سال وفات پائی، والاتخلص کرتا تھا،[1] مآثر الامراء میں ہے

"اسلام خان خالی از کمال نبود، و اشعار آبدار از جوبار طبع نکتہ بارش تراوش می کرد" (ج ۱ ص ۱۳۰)

اس تعریف کے بعد اس کے دو مشہور شعر بھی نقل کیے ہیں،

بے تو شام غم بروز شبیخون می زند | مردم چشم ز گریہ غوطہ در خون می زند
وسعتے پیدا کن اے صحرا کہ امشب در غمش | لشکر آہ من از دل خیمہ بیرون می زند

ہمت خان میر عیسی۔ اسلام خان بدخشی کا لڑکا تھا، عالمگیر نے ایام طفلی ہی سے اس کی تعلیم و تربیت اپنی نگرانی میں کی، مآثر الامراء کے مولف کا بیان ہے کہ اسی شاہانہ نوازش کی وجہ سے میر عیسی جامع فضل و کمال ہوا، جسونت سنگھ کے محاربہ کے بعد عالمگیر نے اس کو منصب اور ہمت خان کا خطاب دیا، مختلف عہدوں پر رہنے کے بعد آخر عمر میں اجمیر میں بخشی اول کے عہدہ پر مامور ہوا، مآثر الامراء میں ہے:

"از مستعدان روزگار بود، و در ہمسران سرآمد اقوام، فصاحت و بلاغت از نظم و نثر بر صفحہ یادگار نگاشتہ" (جلد سوم ص ۹۴۸)

ہندی اور فارسی دونوں میں طبع آزمائی کرتا تھا، ہندی میں اس کا تخلص میرن تھا، فارسی میں اس کے دو شعر یہ ہیں:

بجز خارے کہ مجنون داشت در دل | بیابان جنون خارے ندارد[2]
من چہ گویم کرچہ مقدار بدل نزدیکی | بہ چشم بد دور کہ بسیار بدل نزدیکی[3]

---

[1] فرحت الناظرین ص ۱۰۶۔ [2] مآثر الامراء ج سوم ص ۹۴۳ [3] کلمات الشعراء قلمی نسخہ

رنجش پیدا ہو گئی، اور وہ تھوڑے دنون تک شاہی التفات سے محروم رہا، مگر وہ بھی اپنی خودداری کے باعث بے نیاز رہا، جب لوگون نے سمجھایا کہ بادشاہ سے اپنی تقصیر کی معافی مانگو تو اس نے ایک معروضہ لکھا، جس مین یہ شعر تھے،

در طلب ما بے زبانان احت پروانہ ایم	سوختن، از عرض مطلب پیش مین آسان تراست
شد از غرور غلامی زبانِ عرض خموش	مرا براہ خطا، این صوابہا انداخت
از موج فیض بحر کرم، را قرار نیست	اہلِ سوال بیہودہ ابرام می کنند

عالمگیر نے اس درخواست کو پڑھا تو یہ لکھا،

بے زبانی می کشاید بندہائے سخت را	در قفس طوطی ز منقار سخنگوئے خود است

لیکن :-

ہیچ مردے در پئے اصلاح خوئے خویش نیست	ہر کرا دیدم در آرایش خوئے خود است

"بموجب حدیث السلطان ظل اللہ، ہر گاہ سلطان عصر با نوکران خود التجا مطلب او کند او جواب باین خوبی می دہد، از اخلاق بعید است کہ التفات بحالِ او نشود"[1]،

گو موسوی خان کا اصلی جوہر اس کی شاعری مین کھلتا ہے، شروع مین فطرت تخلص کرتا تھا، مگر آخر مین اس کو موسوی سے بدل دیا، کلمات الشعراء کا مؤلف محمد افضل سرخوش اس کا شاگرد اور ہمجلیس تھا، سرخوش نے اس کی معنی آفرینی، شعر فہمی اور انشاپردازی کی بہت تعریف کی ہے۔ اور لکھا ہے کہ دنیا با کمال اہل علم ایران مین بھی کم پیدا ہوا، شاید یہ توصیفی کلمات ایک شاگرد نے غایت محبت و احترام مین لکھے ہون موسوی خان بھی سرخوش کا بڑا مداح تھا، اور کہا کرتا تھا کہ ہندوستان مین صرف تین ہی شاعر ہین، غنی، ناصر علی اور سرخوش، مگر اس تین

---

[1] وقائع عالمگیری ص۳۳،

احمد یار خان کی غزل سننے کے بعد محمد عاقل کے لب پر مہر سکوت لگ گئی، اور اپنی غزل پڑھنے سے انکار کردیا، پھر تمام حاضرین نے ایک محضر پر دستخط کیا کر

برین معنی گواہیم آفرین ما | کہ احمد یار خان یکتاست یکتا

احمد یار خان کی وہ طرحی غزل یہ تھی :-

تا خطش طرح جہانگیری کاؤسی گرفت | لشکر زنگ چو روی بسر روسی ریخت

بامیدیکہ شود جلوہ گر آن سرو روان | خاک شد جبہ و در راہ قدم بوسی ریخت

سرمہ آلود نگاہی کہ بیاد م آمد | کہ سر شک شفقے از مژہ ام طوسی ریخت

برو در بتکدہ از نالہ زارم ناقوس | ہم تن اشک شد و در بناقوسی ریخت

شمع از اشک رخش بوقلمون سوختہ بزم | جاے اشکش ہمہ خاکستر طاؤسی ریخت[1]

موسوی خان مرزا معز الدین **محمد فطرت**، نسباً امام ضامن ثامن موسیٰ الرضا کی اولاد مین سے تھا، اور میر محمد زمان مشہدی کا نواسہ تھا، عین شباب کے زمانہ مین اپنے باپ مرزا فخرو سے خفا ہو کر اصفہان چلا آیا، جہان آقا حسین خوانساری سے علوم و فنون کی تحصیل کی، بہت ہی ذہین و فہیم تھا، اس لیے علوم عقلیہ مین بڑا درک حاصل کیا، ۱۰۸۰ھ مین ہندوستان آیا، تو اورنگزیب نے اس مین ذاتی اور نسبی جوہر دیکھکر اپنے لطف و کرم سے مالا مال کیا، شاہ نواز خان کی لڑکی یعنی شاہزادہ محمد اعظم کی خالہ سے اس کی شادی ہوئی اور وہ عظیم آباد کا دیوان مقرر ہوا، لیکن وہان کے ناظم سے اس کا اتفاق نہ رہا، اس لیے واپس بلالیا گیا، ۱۰۹۹ھ مین موسوی خان کے خطاب سے سرفراز ہوا، اور دیوان تن مقرر ہوا، ایک سال کے بعد تمام دکن کا دیوان ہوا، ۱۱۰۱ھ مین وفات پائی[2]، مرزا معز الدین بہت ہی خود دار اور نازک مزاج تھا، ایک موقع پر عالمگیر کو اس سے

---

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۶۳، [2] مآثر الامراء ج ۳ ص ۶۳۳، و نیز مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۳۶

اور چند قدم جنازہ کے ہمراہ تشریف لے گئے، جہان پناہ نے مرحوم کے فاتحہ و نیز اس کے نام پر خیرات و مبرات جاری کرنے کے احکام صادر فرمائے، بختاور خان کی لاش حسب الحکم تخت گاہ کو روانہ اور خود مرحوم کی تیار کردہ قبر مین پیوند خاک کی گئی، بختاور خان مرحوم علماء و فقراء و شعراء کو بحد عزیز رکھتا تھا، اور جیسا کہ پیشتر مذکور ہوا، اہل ہنر و باکمال حضرات کا ہمیشہ معاون و مددگار رہا کرتا تھا، فن انشاء و تاریخ دانی مین اچھی مہارت رکھتا تھا، مرحوم کی تصنیف و تالیف مین نسخۂ مرآۃ العالم یادگار زمانہ و مقبول خاص و عام ہے، یہ امیر مہذب و اخلاق و خیر خواہی خلائق مین عدیم المثال تھا، رحمہ اللہ، (ص ۱۷۹)

مرآۃ العالم کا تاریخی نام آئینہ بخت (۱۰۷۸ھ) ہے، اس کے مختلف ابواب (آرایش) مین پیغمبر اسلام کے علاوہ خلفاء، سلاطین، ائمہ، مشائخ، فلاسفہ، علماء، شعراء، خوشنویس وغیرہ وغیرہ کے اجمالی حالات درج کئے گئے ہین، آخر مین عالمگیر کے عہد حکومت کی دس سالہ تاریخ ہے، اس کے اوصاف حمیدہ، اور اس کی سلطنت کے مختلف حصون کا بھی ذکر ہے، پھر اکبر سے لے کر عالمگیر کے عہد تک کے مشائخ، علماء، اور شعراء کے بھی حالات ہین، یہ اس دور کی اہم تاریخی کتابون مین سے ہے، مرآۃ العالم ہی مین مذکور ہے کہ بختاور خان نے کچھ اور کتابین بھی لکھین (۱) چہار آئینہ جس مین اورنگ زیب کی جنگ جانشینی کے سلسلہ مین چار لڑائیون کا ذکر ہے (۲) ریاض الاولیا، جس مین مشائخ کے حالات ہین (۳) سواد اعظم جو شعراء کے منتخب کلام کا مجموعہ ہے (۴) ملخص تاریخ الفی (۵) سنائی کی حدیقہ، فرید الدین عطار کی منطق الطیر، مولانا روم کی مثنوی، اور روضۃ الاحباب کا بھی ایک ملخص تیار کیا، اپنی علم پروری کی وجہ سے شعراء اور فضلاء کو بے حد عزیز رکھتا تھا، شعراء بھی اس کی بڑی قدر کرتے تھے، کمال الدین افسری نے اس کی مدح مین دس بارہ اشعار کہے تھے[۱]، جن مین عالمگیر کی فتوحات کا بھی ذکر تھا[۲]، غلام علی تحسین[۳] اور عبد اللطیف قیصر نے

۱؎ [illegible] ص۵۸
۲؎ مرآۃ العالم ورق ۱۸۵ [illegible]
۳؎ [illegible] ص۱۰۳

شک نہیں کہ موسوی خان بھی اپنے عہد کا ممتاز اور بلند پایہ شاعر تھا۔ مآثر الامرا کے مولف نے بھی اسکی وقت آفرینی کی داد دی ہے، سرخوش نے اپنے ممدوح کے جو خاص خاص اشعار پسند کئے ہیں ان میں سے کچھ یہ ہیں

شدم خاک و ہنوز از عشق او آتش بجان دارم	در آغوش کفن جسمی چو تب در استخوان دارم
ما طائر عشقیم و قفس بال و پر ماست	چون بوی گل چیده وطن ہمسفر ماست
چو سوز عشق را کامل کنی عیبت ہنر گردد	شود یاقوت ہر سنگی کہ لبریز شرر گردد
ندارد آفتی چون غنچہ از صرصر چراغ من	برنگ لالہ در آغوش ناخن خفتہ مرغ من
آتشم در تہ پا بود دمے ہیچو سپند	کام اول نفسم سوخت ازین راہ مپرس
مرد حق در عین دنیاداری از دنیا بریست	ملک در دست سلیمان نیست در انگشتریست
این سیہ مستی مرا از بادہ خود پروریست	شیشہ تا موج شکستن می زند بال پریست
عشق در مصر جنون لاف خدائی می زند	حسن گر یوسف شود در کسوت پیغمبریست

بختاور خان۔ عالمگیر کا بہت ہی محبوب ملازم اور دربار کا بڑا ذی اثر اور ذی علم امیر تھا، مآثر عالمگیری کا مؤلف اس کا منشی اور دیوان تھا، جب اس کا انتقال ہوا، تو مآثر عالمگیری میں لکھتا ہے:۔

۱۵ ربیع الاول ۱۰۹۵ھ بختاور خان دارو غہ خواصان نے رحلت کی، بادشاہ خادم نواز کو مرحوم ملازم کے، جو مصاحب، رازدان، اور مالک کا مزاج دان ہونے کے علاوہ صاحب فہم و فراست و بزرگ منش خادم بھی تھا، اور جس نے ۳۰ سال کامل جانفشانی کے ساتھ خدمت کی تھی، انتقال سے بیحد افسوس ہوا، فرمان مبارک کے موافق بختاور خان کا جنازہ عدالت گاہ کی طرف لایا گیا، اور خود قبلہ عالم نے نماز جنازہ کی امامت فرمائی،

رکھتا تھا، لیکن مسلمانون نے بھاشا زبان پر جس قدر اس کے زمانہ مین توجہ کی، پہلے نہیں کی[1]،
عالمگیر کے مسلمان درباریون مین علاوہ، روشن ضمیر کے دانا[2] اور عبد الجلیل بلگرامی بھاشا کے
بہت ہی ممتاز شاعر تھے، اسی طرح ہندو درباریون مین فارسی کے بہت قابل قدر ادیب، شاعر
اور مورخ تھے، جو عالمگیر کے ابر لطف وکرم سے برابر سیراب ہوتے رہے، ان مین سے چند کے
احوال ملاحظہ ہون،

وامق کھتری۔ امرائے عالمگیری مین سے ایک کا وکیل تھا، اس کے نظم ونثر اور
ادب فارسی کی یہ دھوم تھی کہ اس کو سن کر شہنشاہ عالمگیر جو خود ایک بلند پایہ ادیب تھا، حسنت
وآفرین کہتا تھا،

رائے بندرابن۔ رائے بہارامل کا بیٹا تھا، بہارامل نے سنہ ۳۰ جلوس شاہجہانی
مین حسن خدمات کے صلہ مین رائے کا خطاب پایا تھا، دارا شکوہ نے اس کو اپنا دیوان مقرر
کیا، اس کے بیٹے بندرابن کو عالمگیر نے تربیت دی، اور رائے کا خطاب بخشا، وہ بہادر شاہ
کی شہزادگی ہی کے زمانے سے اس کی ملازمت مین رہا، اس لیے وہ بندرابن بہادر شاہی کہلاتا تھا،
لب التواریخ کے نام سے ایک کتاب اپنی بہترین یادگار چھوڑی ہے، اس مین شہاب الدین غوری
سے لے کر سنہ ۱۱۰۱ھ تک کے حالات ہین، اس مین کہین کہین عربی آمیز فارسی اس خوبی سے
لکھی گئی ہے کہ بعض اوقات مصنف کے ایرانی ہونے کا دھوکا ہوتا ہے،

ایسر داس، قوم کا ناگر اور پٹن کا باشندہ تھا، ۳۰ سال کی عمر تک قاضی شیخ الاسلام
بن عبد الوہاب کی خدمت مین تحصیل علم کرتا رہا، شاہی ملازمین مین منسلک ہو کر جودھپور کا امین
مقرر ہوا، اس نے میدان جنگ مین مفید خدمات انجام دین اور دو دست و پنج صدی افسر مقرر

---

[1] مقالات شبلی حصہ دوم ص۹۵۔ [2] انکی نسبت غلام علی آزاد بلگرامی یدبیضا مین لکھتے ہین کہ نظم ہندی بسیار خوب گفتہ

بھی اس کی شان مین لمبے لمبے قصائد کہے، ملا سید کبیر علوی بھی اس کی سرپرستی مین رہے، یہ اپنے زمانہ کے جید عالم اور اچھے شاعر تھے بختاور خان نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا تھا، اسی مین ملا سید کبیر طلبہ کو درس دیتے تھے،[1] بختاور خان شیخ محمد تقا بقائی کا بھی مربی رہا، شیخ صاحب شیخ نور الحق ابن مولانا عبد الحق دہلوی کے شاگرد اور شیخ محمد معصوم سرہندی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے، بختاور خان میر خانساماں کی وساطت سے شاہی دربار کے ملازموں کے زمرہ مین داخل ہوئے، مگر شاہی نوازشون کی وجہ سے زیادہ تر وقت علمی مشاغل مین گذارتے تھے، بختاور خان سے ان کے گہرے مراسم تھے، ان کی مشہور اور اہم تصنیف مراۃ جہان نما ہے، جس کا موضوع مراۃ العالم سے ملتا جلتا ہے،[2] ان کی طرف ایسی کتابین بھی منسوب ہین جن کو بختاور خان کی تصنیف کہا جاتا ہے،

ہندو فضلاء و شعراء

عالمگیر کی سرپرستی نہ صرف مسلمان فضلاء و شعراء تک محدود رہی، بلکہ اس نے ہندو اہل علم و کمال کو بھی اپنا رہین منت بنایا، ہندی کا مشہور رزمیہ شاعر بینی بیر داس اور بھوشن کوی کا بھائی چنتامنی کوی اورنگ زیب ہی کے سایۂ عاطفت مین بڑھا، چنتامنی کے توسل سے بھوشن کوی دہلی مغل دربار مین پہنچا، اور وہان عرصہ تک رہا، کیی اپنی ہسٹری آف ہندی لٹریچر مین لکھتا ہے، کہ سخت گیر اورنگ زیب ہندوون کے فنون اور علوم کا دلدادہ نہ تھا، لیکن ہندی کے ہندو شعراء دربار کی اعانت اور سرپرستی سے قطعاً محروم نہین رہے، بہت سے شاعر اورنگ زیب اور اس کے بیٹے بہادر شاہ کے دربار سے وابستہ رہے،" اسی حقیقت کو مولانا شبلی اس طرح واضح کرتے ہین کہ عام خیال یہ ہے کہ ہندوؤن کے علوم اور زبان سے نہایت نفرت

---

[1] فرحۃ الناظرین ص۱۰ [2] یہ ایک متنازع فیہ بحث ہے کہ بختاور خان نے مراۃ العالم خود ہی لکھی یا شیخ محمد بقا سے لکھوائی دیکھو ایلیٹ ج ۷، ہم مراۃ العالم کو مآثر عالمگیری کے بیان کے مطابق بختاور خان ہی کی تصنیف قرار دیتے ہیں،

وہ ہندوؤن کے پڑھنے کے لائق ہے،[1] دوسری کتاب رد الکفر ایک نو مسلم کی لکھی ہوئی ہے جس
مین ہندوؤن کے عقائد پر تبصرہ کیا ہے،[2]

مورخین اورنگ زیب کے درباری مورخین کی تعداد زیادہ نہین، وقائع و اخبار نویسون کے علاوہ
صرف ایک درباری مورخ منشی محمد کاظم تھا جس نے عالمگیر کی حکومت کے دہ سالہ واقعات
عالمگیر نامہ مین لکھے ہین، منشی محمد کاظم، مرزا محمد امین منشی مصنف بادشاہ نامہ کا لڑکا تھا، اس کے
ادب و انشاء کے چند نمونون کو دیکھکر عالمگیر نے اسے اپنے عہد کے حالات لکھنے کے لیے
مامور کیا، لیکن دس سال کے واقعات لکھنے پایا تھا، کہ عالمگیر نے دربار کے محکمۂ تاریخ نویسی
کو بالکل ختم کردیا، اس کی خاکسار طبیعت پسند نہین کرتی تھی کہ اس کے مفاخر و مکارم کی داستان گوئی
کے لیے ایک سرکاری بزم قائم رہے، عالمگیر نامہ کے مقدمہ مین ہے:-

چونکہ بندگان عالی اپنے قدرتی علم اور بلند حوصلگی کی بنا پر ظاہری چیزون کے بقا و قیام
کو ان کے فنا ہونے پر ترجیح نہین دیتے تھے، اس لیے، روحانی خوبیون کی تعمیر کی طرف زیادہ
توجہ کرتے تھے، اس لیے دس سال کے واقعات لکھنے کے بعد حکم دیا کہ عالمگیر نامہ کا مصنف
محمد کاظم جہان کے مفاخر و مکارم کی داستان بیان کرتا تھا، اس کے بعد کے واقعات
کو قید تحریر مین نہ لائے، اس لیے اس نے اسی پر اکتفا کیا،

مآثر عالمگیری کا مصنف بھی اپنے دیباچہ مین اسی بات کو ظاہر کرتا ہے۔

کتاب عالمگیر نامہ مصنفۂ مرزا محمد کاظم مین بادشاہ دین پناہ ابوالمظفر محی الدین محمد اورنگ زیب
عالمگیر بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ واسعۃً کے عہد معدلت کے صرف دہ سالہ واقعات

---

[1] اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ جامعہ ملیہ لائبریری دہلی مین موجود ہے، اس پر علامہ سید سلیمان صاحب ندوی
کا ایک مضمون معارف نمبر ۲ جلد ۲۳ مین ملاحظہ ہو، [2] ایضاً

ہوا، فتوحات عالمگیری اس کی ایک علمی یادگار ہے، جس مین ۱۰۶۵ھ ۱۶۵۵ء سے ۱۱۰۷ھ ۱۶۹۵ء تک کے واقعات ہیں،

بھیم سین کایستھ۔ شاہی ملازمت مین بندیلہ کے حاکم کے ساتھ منسلک تھا، دکن کی لڑائیون مین بہت ہی کارآمد ثابت ہوا، تو عالمگیر نے راؤ کے خطاب کے ساتھ تین ہزار فوج کا افسر بنایا، پھر قلعہ نالدرگ کا قلعہ دار ہوا، دلکشا کے نام سے عہد عالمگیری کی ایک تاریخ لکھی جو بہت اہم سمجھی جاتی ہے،

سوجان رائے کھتری بٹالہ کا رہنے والا تھا، خلاصۃ التواریخ کے نام سے ایک پرازمعلومات تاریخ ابتدائے عالم سے لیکر شہنشاہ اورنگ زیب کے عہد تک لکھی، اور عالمگیر کے نام سے معنون کی،

اس عہد مین ہندوؤن کے علوم وفنون کو فارسی زبان مین منتقل کرنے کی کوشش کی گئیں۔ وہ عالمگیر کو بدنام کرنے والے اصحاب اور مؤرخون کے لئے بصیرت افروز ہے، میرزا خان بن فخرالدین محمد نے شاہزادہ اعظم شاہ کے مطالعہ کے لئے تحفۃ الہند تصنیف[1] کی جس کا موضوع ہندوؤن کا فن بلاغت اور عروض وقافیہ وغیرہ ہے ابوسعید الحسینی الرضوی الشیرازی نے ۴۵ سنہ جلوس عالمگیری مطابق ۱۱۱۲ھ مین ہندو علوم ہیئت ونجوم پر نظام النجم کے نام سے ایک کتاب لکھی[2]، اس عہد کی دو اور عجیب کتابین ہین مت ابچرا اور ردالکفر دونون ہندوؤن کے رسوم وعقائد پر ہین، پہلی کتاب ایک ہندو کی لکھی ہے جس کا مقصد سنسکرت نہ جاننے والے ہندوؤن کو ان کے مذہب سے آگاہ کرنا ہے، اس کا لکھنے والا لعل بہاری ولد کاہید سنگھ ہے، جو بھوجپور ضلع شاہ آباد قنوج کا رہنے والا تھا، اور اورنگ زیب کے درباری امیر اللہ وردی کا متوسل تھا، لعل بہاری نے اس کتاب کے دیباچہ مین عالمگیر کو جن الفاظ اور خلوص وعقیدت سے یاد کیا ہے

[1] اس کتاب پر مولینا شبلی کا مضمون مقالات شبلی ادبی جلد دوم مین ملاخطہ ہو [2] اس کا ایک قلمی نسخہ دارالمصنفین اعظم گڈھ مین موجود ہے،

اس مین عالمگیر کی صحیح تصویر نظر آتی ہے ۔

مدارس برنیر نے شہزادون کی ابتدائی تعلیم کے متعلق اورنگ زیب کی زبانی ایک دلچسپ اور پرمغز تقریر نقل کی ہے، جس سے اورنگ زیب کا تعلیمی نقطۂ نظر معلوم ہوتا ہے، لیکن برنیر کا بیان عموماً سنجیدہ اور وقیع نہین ہوتا، اس لیے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہین، خصوصاً جب ہم دیکھتے ہین کہ اورنگ زیب کی اس تقریر کا مخاطب اس کا ایک استاد ملا محمد صالح ہے، جس کا نام معاصر مستند تاریخون مین کہین نہین آتا،[۱]

عالمگیر کو جو علم و ہنر سے شغف تھا، اس کا اقتضا یہ تھا کہ وہ اپنی سلطنت مین اس کی ترویج ہر ممکن صورت سے کرے، چنانچہ اس نے تمام شہرون اور قصبون مین مدارس و مکاتب قائم کئے، لائق اساتذہ مقرر کئے، اور طلبہ کو وظائف دیے، عالمگیر نامہ کے مصنف کا بیان ہے،

> چونکہ علم و فضل کی تاسیس و ترویج کا اعلیٰ حضرت کو بے حد شوق ہے، اس لیے اس وسیع ملک کے تمام شہرون اور قصبات مین فضلاء اور مدرسین کو مناسب وظیفے، روزینے، اور املاک عطا فرما کر علوم کی تعلیم و تدریس مین مشغول فرما رکھا ہے، اور طالبان علم کے لیے ہر علاقہ مین ان کے حالات و رتبہ اور استعداد کے مطابق وجوہ معیشت مقرر کر دیے ہیں، ہر سال اس مصرف پر احسان شاہی کی مد سے معتد بہ رقم صرف ہوتی اور شاہی فیاضی اور سخاوت کے فیض سے طالبان علم و کمال کی تعداد بڑھ گئی ہے، اور وہ اطمینان کے ساتھ علوم و فنون کے حاصل کرنے مین لگے ہوئے ہین، اور ان کی دعاؤن کی برکت اس آسمان شکوہ حکومت کے بقاء و دوام کا سرچشمہ بنی ہوئی ہے،[۲]

۱؎ دیکھو وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر مترجمہ سید محمد حسین ص ۱۶۹ ۔ ۲؎ عالمگیر نامہ ص ۱۰۸۶-۱۰۸۵ انگریز مورخون نے بھی اسکی شہادت دی ہے کہ اورنگزیب نے زراعت کو ترقی دی، باضابطہ سڑکین بنوائین، اور بیشمار مکاتب و مدارس قائم کئے (دکین مغل امپائر)

مندرج ہین، جن کا خلاصہ سابقہ اوراق مین ہدیۂ ناظرین ہو چکا ہے، مرزا محمد کاظم عہد سلطانی کے بیشتر واقعات اس وجہ سے قلم بند نہ کر سکے کہ بادشاہ دین پناہ باطنی آرایش کے مقابلہ مین ظاہری نام و نمود کو قطعاً ہیچ تصور فرماتے تھے، اس لیے راقم مرحوم کو عہد معدلت کے حالات لکھنے سے ممانعت فرما دی گئی،

مگر آزاد اہل قلم جن مین ہندو اور مسلمان دونون شامل تھے اس عہد کی تاریخ برابر لکھتے رہے جن مین سے کچھ کے نام یہ ہین، واقعات عالمگیری مصنفہ امیر خان، عجیبہ غریبہ مؤلفہ شہاب طالش (۱۰۷۳ھ)، واقعات عالمگیر مؤلفہ عاقل خان رازی، تاریخ شاہ شجاعی مصنفہ میر محمد معصوم (سنہ ۱۰۷۰ھ) مراۃ العالم مؤلفہ بختاور خان، مراۃ جہان نما مصنفہ شیخ محمد بقا، ان دونون کا ذکر پہلے آچکا ہے، زبدۃ التواریخ مؤلفہ عزیز اللہ (سنہ ۱۰۸۸ھ)، وقائع نعمت خان عالی، جواہر التاریخ مؤلفہ سلمان قزوینی، فتوحات عالمگیری مصنفہ ایسرداس، نسخۂ دلکشا مؤلفہ بھیم سین (سنہ ۱۱۲۰ھ)، منتخب التواریخ مؤلفہ جگ جیون داس (سنہ ۱۱۲۰ھ)، لب التواریخ ہند مؤلفہ رائے بندرابن، خلاصۃ التواریخ مؤلفہ سبحان رائے (سنہ ۱۱۰۷ھ)، موخر الذکر دونون کتابین عالمگیر کے نام سے معنون ہین،[1]

محمد ساقی مستعد خان ساقی نے مآثر عالمگیری لکھکر عالمگیر کی پچاس سالہ حکومت کی مکمل تاریخ پیش کر دی ہے، مستعد خان ساقی کو عالمگیر نے وقائع نگار کے عہدہ پر مامور کیا تھا جس کی وجہ سے اس کو ہر وقت بادشاہ کا تقرب حاصل رہا، عالمگیر کی وفات کے بعد وہ بہادر شاہ کے صدر دیوان وزارت عنایت اللہ کا منشی مقرر ہوا، اور عنایت اللہ خان کی فرمایش ہی سے اس نے مآثر عالمگیری لکھنی شروع کی، جو سنہ ۱۱۲۲ھ یعنی عالمگیر کی وفات کے تین سال بعد ہی ختم ہوئی، اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ طویل واقعات بہت ہی اختصار و جامعیت کے ساتھ لکھے گئے ہین، اور

---

[1] تفصیل کیلیے دیکھو مقدمہ رقعات عالمگیری از سید نجیب اشرف صاحب ندوی و معارف مئی سنہ ۱۹۳۲ء

کے خلاف تھین، حضرت شیخ محب اللہ کا وصال ہو چکا تھا، ان کے دو مرید پایۂ تخت مین موجود تھے ایک تو اورنگزیب کے استاد میر سید محمد قنوجی، اور دوسرے شیخ محمدی جو بڑے زاہد اور عابد صوفی تھے، میر سید محمد قنوجی ان عبارتون کی شرح نہ کر سکے، اور اورنگزیب نے شیخ محمدی کے پاس پیغام بھیجا کہ اگر آپ شیخ محب اللہ کی مریدی کا دعوی کرتے ہین تو ان کے رسالہ کے مقدمات کو شرعی احکام کے مطابق بتائین، ورنہ ان کی مریدی سے استغفار کرین اور کتاب کو آگ مین ڈالدین، شیخ محمدی نے جواب دیا کہ مجھکو حضرت شیخ کی مریدی سے استغفار کی ضرورت نہین، لیکن جس مقام سے شیخ نے گفتگو کی ہے، مجھے وہان تک رسائی حاصل نہین، جس وقت مین اس تک پہنچ جاؤن گا تو آپ کی درخواست کے بموجب اس کی شرح لکھ بھیجون گا، اور اگر آپ نے اس رسالہ کو جلانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو اس فقیر کے گھر سے کہین زیادہ شاہی مطبخ مین آگ موجود ہے، عالمگیر اس جواب کو سنکر خاموش ہو گیا،[1]

---

[1] مآثر الامرا، جلد سوم ص ۶۰۶-۷

گجرات مین جو مدارس قائم ہوئے، اور وہان کے طلبہ کو جو سہولتین پہنچائی گئین، اس کا حال مراۃ احمدی مین اس طرح درج ہے۔

کرامت خان دیوان صوبہ کے نام حکم صادر ہوا، چونکہ ممالک محروسہ کے تمام صوبون مین یہ مقدس اور بلند فرمان نافذ ہو چکا ہے، کہ ہر صوبہ مین مدرسین مقرر کیے جائین اور مبتدی سے لے کر کشاف تک کے طالبعلمون کو صدر صوبہ کے استصواب رائے سے اور مدرسون کی تصدیق کرو یکھ کر اس صوبہ کے خزانچی کی تحویل سے وجہ معاش دی جائے، اس لیے اس وقت احمد آباد، پٹن اور سورت مین تین مدرسین کا اور صوبہ احمد آباد مین ۵۴ طالبان علم کا اضافہ کیا گیا۔[1]

اسی عہد مین شیخ محمد اکرام الدین نے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ کے خرچ سے ایک مدرسہ کی عمارت بنوائی، عالمگیر نے اس مدرسہ کے اخراجات کے لیے موضع سوندرہ پرگنہ سانولی وموضع سیجیلہ پرگنہ کرہی وقف کیا، اور شاہی ساتھ دو روپیہ یومیہ محتاج طلبہ کے لیے بھی مقرر کیا۔[2]

عالمگیر کو اس بات کا بے حد خیال رہتا تھا کہ جو کتابین پڑھائی جائین یا عام طور سے پڑھی جائین ان مین مسلمانون کے عقائد کے خلاف کوئی چیز نہ ہو، چنانچہ حضرت شیخ محب اللہ الٰہ آبادی کے رسالہ تسویہ مین اس کی نظر بعض ایسی عبارتون پر پڑی، جو اس کے خیال کے مطابق اسلامی عقائد

---

[1] مراۃ احمدی ص ۳۶۳ تاریخ فرح بخش مصنفہ محمد فیض بخش ومترجمہ ڈبلیو ہوئی سے زنیدر ناتھ لا نے نقل کیا ہے کہ اورنگزیب میزان کے پڑھنے والے طلبہ کو [illegible]، منشعب پڑھنے والے کو [illegible]، شرح وقایہ اور فقہ پڑھنے والونکو [illegible] روزینہ دیا کرتا تھا۔

[2] مراۃ احمدی ج ۱ ص ۳۴۴، اورنگزیب نے گجرات کے بوہرون کی تعلیم کے لیے بھی اساتذہ مقرر کیے، تاکہ ان کی صحیح تعلیم ہو، ان کے ماہانہ امتحان کے نتائج براہ راست اس کے پاس بھیجے جاتے تھے، (مراۃ احمدی ج ۱ ص ۳۱۶، ۳۴۴) بریر کے بیان کے مطابق اورنگزیب نے فرنگی محل لکھنؤ میں بھی ایک مدرسہ قائم کیا تھا۔

نہ صرف میدان جنگ میں فنون سپہ گری، دربار میں رموز حکمرانی، اور قلعہ معلی[1] کے اندر لکھنے پڑھنے کی تعلیم دلاتا تھا، بلکہ ان کو اٹھنے بیٹھنے، رہنے سہنے، اور بولنے چالنے کے آداب خود سکھاتا تھا، مگر قدرت کو شاید منظور نہ تھا، کہ اس کی عظیم الشان سلطنت کے بار گران کو اٹھانے کے لیے کوئی لائق جانشین پیدا ہو،

بہرحال یہ اسی کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ شاہ عالم بہادر شاہ نے ایام طفلی میں حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی، اور آگے چل کر قرأت و تجوید کا ماہر ثابت ہوا، مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے کہ جب وہ قرآن پاک پڑھتا تو سامعین بہت محظوظ ہوتے تھے، علم حدیث سے وہ خاص دلچسپی رکھتا تھا، اور اس کو اس میں اتنا درک تھا، کہ علمائے حدیث اس کو سردار محدثین کے لقب سے یاد کرتے تھے، فقہی مسائل بلا تکلف قرآن و حدیث سے استنباط کرتا تھا، اس کے زمانہ میں جمعہ کے خطبہ میں حضرت علیؓ کے نام کے آگے لفظ "وصی" کے اضافہ کے سلسلہ میں جو جھگڑا پیدا ہوا، اس میں علماء و فقہاء سے اس نے خود مناظرہ کیا،[2] حدیث، فقہ، تفسیر و سلوک کی کتابیں برابر مطالعہ میں رکھتا تھا، مصنف مذکور کا بیان ہے کہ عربی زبان میں "عرب عرباً" اور فارسی و ترکی زبانوں میں بہترین اہل زبان کے ہم پلہ تھا، فن خوشنویسی میں بقول مصنف مذا "یکتائے زمانہ تھا، اور مختلف قسم کے خطوط میں کمال حاصل کیا تھا،[3] خلاصۃ التواریخ کا مصنف بھی اس کی تائید ان الفاظ میں کرتا ہے:

اعلیٰ حضرت جو کہ لیل و نہار کے صحیفہ انتخاب تھے، حضرت خلد مکان کی تربیت

---

[1] وقائع عالمگیری مرتبہ نبی احمد سندیلوی ص۔ [2] عالمگیر نے شاہزادہ محمد سلطان بہادر کو جو شب و روز کا نظام اوقات لکھ بھیجا تھا، وہ رقعات عالمگیر مرتبہ نجیب اشرف ندوی ص ۲۴ میں ملاحظہ ہو، [3] خافی خان جلد دوم ص ۶۰۳ ۔ [4] مآثر عالمگیری ذکر اولاد ذکور،

شاہ عالم بہادر شاہ

اور

دوسرے بادشاہ

اورنگزیب کی روح قفس عنصری سے پرواز ہوتے ہی تاریخ ہند کا رخ بدل گیا، ہمالیہ سے راس کماری تک پھیلی ہوئی سلطنت کے نظام کو قائم رکھنے کیلئے عالمگیر ہی کا دل و دماغ چاہیے تھا، مگر حکومت بدلنے کے ساتھ زمانہ بدلا، اور تاریخ بھی بدل گئی، تخت طاؤس وہی تھا، لیکن اس کے بیرون کی خوشنمائی جاتی رہی تھی، تیموری دربار وہی تھا، لیکن اس کی رونق مٹ چکی تھی، ارباب عقل و دانش بھی موجود تھے، مگر ان کی جودت، فطانت اور سیاست سے فائدہ اٹھانے والا کوئی نہ تھا، دیوان خاص کے کنگوروں سے حسرت و یاس برسنے لگی، دیوان عام کی دیواروں پر افسردگی چھا گئی، اور قلعہ معلی سوگوار ہوگیا، معلوم نہیں یہ کارکنان قضا و قدر کی مصلحت تھی یا عالمگیر کی اولاد کے اعمال کی پاداش، تیموری سلطنت اوج کمال پر تھی، اس کے زوال کو روکنے کے لیے ایک آہنی قوت کی ضرورت تھی، مگر وہ قوت باقی نہ تھی، فطرت سرگرم کار ہوئی، اور تیموری سلطنت کا وہی انجام ہوا جو روم، بابل اور نینوا کا ہو چکا تھا،

عالمگیر کی دور رس نگاہیں اس نتیجہ تک پہنچ گئی تھیں، یہی وجہ ہے کہ وہ ایک لائق جانشین چھوڑنے کے لیے جس قدر مضطرب اور بے چین رہا، کوئی اور تیموری حکمران نہ ہوا تھا، وہ اپنے لڑکوں کو

نعمت خان عالی کا ذکر پہلے آچکا ہے، بہادر شاہ نے اپنے زمانہ مین اس کو دانشمند خان کے خطاب سے سرفراز کیا، دانشمند خان اس عہد کی منظوم تاریخ بہادر شاہ نامہ لکھ رہا تھا، کہ خود اس کی زندگی کا ورق الٹ گیا، اس مین بہادر شاہ کے صرف ابتدائی دو سال کے حالات ہین نعمت خان کی اور بھی تصانیف ہین، مثلاً (۱) وقائع نعمت خان عالی، یہ وقائع حیدرآباد یا واقعات حیدرآباد و گلکنڈہ کے نام سے بھی موسوم کی جاتی ہے، عالمگیر کے تیسوین سنہ جلوس مین حیدرآباد کا جو محاصرہ کیا گیا تھا، اس کا ذکر اس کتاب مین ہجو ملیح کے ساتھ کیا گیا ہے، (۲) رقعات (یا منشآت) نعمت خان (۳) حسن و عشق (یا نسخہ حسن و عشق، یا کتخدائی حسن و عشق) یہ نثر مین ایک قصہ ہے، جس مین جابجا اشعار بھی ہین (۴) ایک مثنوی، جس مین اخلاق اور صوفیانہ نکات ہین (۵) کلیات نعمت خان عالی، اس مین قصائد، پندنامہ، قطعات اور مختلف ہجوین مثلاً رسالۂ ہجو حکما، مناظرۂ اطبا وغیرہ وغیرہ بھی ہین،[1]

دربار کے دوسرے نامور شاعر یہ تھے،

مرزا مبارک اللہ مخاطب بہ ارادہ خان المتخلص بہ **واضح**، خان اعظم شاہجہانی کا تیسرا لڑکا تھا، اورنگزیب کے زمانہ مین ارادت خان کا خطاب پایا، ۱۱۰۱ھ مین جاگنہ کی فوجداری پر مامور ہوا، پھر ۱۱۱۸ھ مین اورنگ آباد کی فوجداری اور اس کے بعد گلبرگہ کی قلعہ داری پر متقرر ہوا، شاہ عالم کے زمانہ مین منصب چہار ہزاری سے سرفراز ہوا، علم و فضل مین ممتاز تھا، صاحب مآثر الامراء کا بیان ہے:-

"مذاق تصوف داشت، و در شعر بسیار نازک خیال بود، واضح تخلص می کرد، صاحب دیوان است"[2]

---

[1] فہرست انڈیا آفس لائبریری ص ۹۰۳، [2] مآثر الامراء ج ۱ ص ۲۶۰، اسکے بعض اشعار ملاحظہ ہون۔ (باقی حاشیہ ص ۲۹۸ پر)

اور اپنی فطری سعادت کی بدولت سن تمیز کے آغاز ہی سے شرف نفسانی اور کمالات انسانی کے ذخیرہ دار ہو گئے تھے، جوانی کے ایام انھون نے تحصیل علم مین صرف کیے، علم کو عمل سے آراستہ کیا، عربی، ترکی اور فارسی مین فصیح گفتگو کرتے تھے، تحریر و کتابت کے فنون مین استادی کا درجہ حاصل کر لیا تھا، راتون کو اکثر نوافل، ورد و وظائف، تلاوت قرآن اور حدیث، تفسیر، فقہ اور سلوک کی کتابین مطالعہ کیا کرتے تھے،[1]

بعض تذکرہ نگارون نے شاہ عالم بہادر شاہ کا ذکر شاعر کی حیثیت سے بھی کیا ہے، اور بعض رباعیان اس کی طرف منسوب کی ہین، ایک ملاحظہ ہو،

اعلیٰ تر از آنی کہ علی خوانندت	والا تر از انی کہ ولی دانندت
بر ہستی خود گواہی خواست خدا	بے مثل بیافرید و بے مانندت[2]

یا تو عالمگیری دربار کے زوال کے باعث یا شاہ عالمی عہد کے اختصار کے سبب سے دربار مین وہ فضا قائم نہ ہو سکی، جو اس کے اسلاف کے زمانہ مین تھی، اس لیے اس کا دربار علم و ہنر کی تابانی اور شعر و شاعری کی زمزمہ سنجی سے خالی رہا، گذشتہ عہد مین ایران سے علم و ادب کا جو سرچشمہ بہتا تھا، وہ یکایک خشک ہو گیا، بلند پایہ شعراء اور قابل قدر فضلاء ناپید ہو گئے، قابل ذکر شعراء مین صرف عبد القادر بیدل اور نعمت خان عالی باقیات صالحات مین رہ گئے تھے، مرزا بیدل بہادر شاہ کے ایام شاہزادگی مین اس کے متوسلین مین منسلک ہو گئے تھے، لیکن درباری قصیدہ خوانی کو ننگ و عار سمجھتے تھے، شہزادہ معظم نے ایک بار قصیدہ کہنے کی فرمایش کی، تو دل برداشتہ ہو کر ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے، اور بقیہ عمر فقر و توکل مین بسر کی،[3]

---

[1] خلاصۃ التواریخ از سجان رائے قلمی نسخہ دار المصنفین [2] روز روشن ص ۶۲ [3] مآثر الکرام ص ۱۵۲ دیوان کے علاوہ مرزا بیدل کی تصنیفات یہ ہین، ۱۔ محیط اعظم، ۲۔ طلسم حیرت، ۳۔ گلگشت حقیقت، ۴۔ طور معرفت، ۵۔ عرفان، ۶۔ بیاض، ۷۔ نکات، ۸۔ رقعات، ۹۔ چہار عنصر

ہمچو بلبل ہمیشہ نالایم — این بود منصب ہزاری ما

ایک فارسی دیوان چھوڑا،[1] ریختہ مین بھی طبع آزمائی کرتا تھا، فن موسیقی کا بھی ماہر تھا۔[2]

بندرابن داس بہادر شاہی مصنف لب التواریخ کے علاوہ جگ جیون داس ولد منوہر داس بھی بہادر شاہ اول کے درباری متوسلین مین تھا، گجرات کا باشندہ تھا، ۱۱۱۹ھ مین بہادر شاہ نے لاہور کے دربار مین باریابی بخشی، اور وقائع نگاری کی خدمت پر مامور کیا، ۱۱۲۰ھ مین اس نے منتخب التواریخ لکھ کر بارگاہ شاہی مین پیش کی جس کے صلہ مین خطاب و خلعت اور انعام سے سرفراز ہوا،[1] اس کتاب کا اہم حصہ اس کا آخری باب ہے، جس مین ہندوستان کے مختلف صوبون کے حالات ہین، ایک اور ہندو اہل قلم کامراج ولد نین سنگھ نے شہزادہ محمد اعظم کی فرمایش پر اعظم الحرب لکھی، اس مین اورنگزیب کے لڑکون کی جنگ جانشینی کا اور محمد اعظم کی عارضی حکومت کا ذکر ہے، مصنف نہایت اخلاص اور عقیدت مندی سے اپنے کو تین پشت سے تیموری دربار کا نمک خوار بتاتا ہے،

بہادر شاہ کے انتقال کے بعد مغلیہ سلطنت کے اقبال کا آفتاب اور بھی تیزی سے ڈھلنے لگا، تاریک بادلون سے کبھی کبھی امید کی شعاعین نکلتی بھی تھین، تو ان مین نور کے بجائے

---

[1] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ج ۱ ص ۹۲۳، [2] اسپرنگر ص ۱۰۱۵۳ اس کے بعض اشعار ملاحظہ ہون،

روشن شود بہ پیش تو چون شمع سوزمن — یک شب اگر تو ہم نشینی بروز من

خوش وقتے کہ می بالید از جانان بر دوشم — برنگ ماہ نو ہر شام می گشت ہم آغوشم

گشت دگر دان ذبس آبادی از ویرانم — چون کمان حلقہ بیرون شد درون خانہ ام

خدا ناکردہ اندوہے جدا از دوستان باشد — شنیدم کلفتے داری نصیب دشمنان باشد

مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۸۱، اس کے ریختہ کے اشعار تذکرۂ گلزار ابراہیم از مرزا علی متخلص بہ لطف میں ملاحظہ ہو،

انتخاب کلیات وانتخ (موجودہ انڈیا آفس لائبریری) مین چھ مثنویان بھی ہین، جنمین صوفیانہ خیالات ومسائل منظوم کیے گئے ہین[۱]، تاریخ ارادت خان کے نام سے ایک تاریخ بھی لکھی، جو عالمگیر کی وفات سے لے کر فرخ سیر کے عہد تک کے واقعات پر مشتمل ہے[۲]،

مرزا سید حسین خالص، عالمگیر کے زمانہ مین ایران سے ہندوستان آیا، امتیاز خان کے خطاب سے سرفراز ہوا، بہادر شاہ کے زمانہ مین میر آخور بادشاہی کے عہدہ پر مامور ہوا، ایران واپس جارہا تھا کہ راستہ مین سندھ کے پاس کسی نے قتل کر دیا، تاریخ وفات "آہ آہ امتیاز خان" سے نکلتی ہے، ایک دیوان یادگار چھوڑا جس مین قصائد، غزلیات، قطعات اور رباعیات ہین، ایک مثنوی بھی اس کے نام سے منسوب ہے[۳]، اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے۔

قزلباش خان امید، اصلی نام مرزا محمد رضا تھا، ہمدان کا رہنے والا تھا، بہادر شاہ کے زمانہ مین ہندوستان آیا، اور اس کے دامن دولت سے وابستہ ہوا، قزلباش خان کا خطاب اور ایک ہزاری منصب شاہی دربار سے ملا، چنانچہ خود کہتا ہے۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۹۷) تنگ فرصت ولم نیست بجز عیش حباب — یافت یک تن ہستی وآن ہم کفن است

عارف از و برِاست ولی او نمی شود — آئینہ رو نما شود و رو نمی شود

ز شوقِ فنا نوراست شمع زندگانی را — بود آب دم شمشیر صندل سرگرانی را

چہ الفت است بزلف تو بیقراران را — بے سیاہ پسند است سوگواران را

موجم و وحشت کند محروم از ساحل مرا — در طپیدن رفت از کف دامن قاتل مرا

گلۂ صاف بر از عفو غبار آلود است — بست دو زخ گنہی کہ بد را بخشد

بہار وقت صبا گل بکام گلچین باد — کہ ما بہ کنج قفس طرح آشیان کردیم

([illegible])

[۱] انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ج اصفحہ ۹۰۹، [۲] ایلیٹ ج ہفتم ص ۵۳۲ تا ۵۴۴، [۳] فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ از اسپرنگر ص ۱۳۰ (۱۳۱ و ۱۳۲)

لیکن اس کے امرا، کی علم دوستی اور علم نوازی نے اس کمی کو پورا کر دیا، **نظام الملک آصفجاہ** معقولات و منقولات کے عالم ہونے کے علاوہ بہت ہی قادر الکلام اور بلند پایہ شاعر بھی تھے انکا ایک ضخیم دیوان جو ۳۰۰ صفحوں پر مشتمل ہے زیور طباعت سے آراستہ ہو کر حیدر آباد دکن سے شائع ہو گیا ہے ہم اس مین سے دو غزلین ناظرین کی ضیافت طبع کے لیے پیش کرتے ہین،

(۱)

بیا و یار شب اے دل عنان خواب بگیر ۔ و مدچو صبح بہر نور آفتاب بگیر

چو روز خواہی اگر باشدت شبت روشن ۔ بدست دامن حسن بآب وتاب بگیر

تو تشنگی نہ کشی گرم سعی اگر گردی ۔ ز چشم سار عرق بہر خویش آب بگیر

بزم دہر بود عشرت خوش آگاہی ۔ پیالہ خواہی اگر عبرت از شراب بگیر

بیا من برکت یابی اے دل از حرکت ۔ بہ ہجر یار تو دامان اضطراب بگیر

توجہ تو بسوم فتاد و مقصد من ۔ اگر بلطف نیائی رہ عتاب بگیر

چو خواہی اینکہ نہ بیند کسی جمال ترا ۔ فروغ مہر تو ئی از رخت نقاب بگیر

در آ بکوچۂ آن زلف اے دل شیدا ۔ چہ میروی تو بہر سو رہ صواب بگیر

چو گرم جلوہ شود آن نگار در باغی ۔ ز شرم آب گلشن میشود گلاب بگیر

دلم یگانہ بود اے نگار در عشقت ۔ بدست خویش تو این فرد انتخاب بگیر

بپیچ و تاب خود اے زلف یار ناز مکن ۔ بیا درون دل ما و پیچ و تاب بگیر

وصال یار چو خواہی مکن درنگ آصف ۔ بہ جستجو کہ در آئی رہ شتاب بگیر

(۲)

وحشت دلدار ما باشد بیابان دگر ۔ می کند چون آہوان رم در بیابان دگر

درد دل پرخون ما ز شوخ جولان می کند ۔ جلوہ گاہ یار ما باشد گلستان دگر

در بیابان طلب خارے کہ در پایم خلید ۔ یادم از گلشن بود خار مغیلان دگر

ظلمت ہی نظر آتی تھی، تیموری دربار کا شیرازہ بکھر گیا، تدبر و سیاست مین انتشار آگیا، بیرونی فتوحات کی جگہ اب صرف خانہ جنگیان رہ گئی تھین، میدان جنگ کی خون آشامیون کے بعد دربار قائم بھی ہوا، تو اس مین نہ اسلاف کی روایات تھین، نہ ان کی متانت اور ان کا وقار، بہادر شاہ کے بعد جہاندار شاہ تخت نشین ہوا، گو اس کی حکومت کی مدت صرف دس مہینے رہی، لیکن اس کی بوالہوسی اور ہوسناکی نے شاہی دربار کی عزت و ناموس کو ایسا صدمہ پہنچایا، کہ آیندہ تمام تیموری سلاطین کی حکومت محض تذلیل و تضحیک کی داستان بن کر رہ گئی، اس خانہ بربادی اور طوائف الملوکی مین علم و فضل کی مسند دربار مین بچھتی تو کیونکر؟ محمد شاہ، شاہ عالم اور بہادر شاہ ظفر مین اسلاف کی علم پروری اور ادب نوازی کا خمیر موجود ضرور تھا، مگر ان کی شمع سحر مین ان کے اسلاف کے آفتاب نصف النہار کی ضو فشانی کہان سے آتی، حکومت محض شام غریبان بن کر رہ گئی تھی، اس مین علما و فضلا کی بہار کہان سے پیدا ہو سکتی تھی؟

فرخ سیر فرخ سیر کی مدت حکومت سات سال رہی، اور یہ مغلیہ خاندان کا وہ زمانہ ہے جب شاہی دربار مین مدبرون اور ہوشمندون کا ایک قابل قدر اجتماع ہو گیا تھا، نظام الملک آصفجاہ کی سیاست، امیر الامرا سید حسین علی خان کی فراست، قطب الملک عبد اللہ کی فرزانگی اور میر جملہ کی مردانگی اگر ایک ساتھ متحد ہو جاتین، تو کیا عجب تھا کہ ایک بار پھر اکبری دبدبہ اور شاہجہانی شوکت کی جھلک نظر آجاتی، لیکن دربار کی ریشہ دوانیون اور آپس کی فتنہ انگیزیون نے تباہی اور بربادی کی چنگاریون کو اس طرح مشتعل کیا کہ سلطنت محض خاکستر ہو کر رہ گئی،

فرخ سیر حافظ قرآن تھا، مراۃ آفتاب نما مین اس کے کچھ اشعار بھی درج ہین جو اس نے اپنی اسیری کے زمانہ مین کہے تھے[1]، فرخ سیر کے دربار مین تو علم و فضل کا چرچا زیادہ نہین رہا،

[1] یہ اشعار میری نظر سے نہین گذرے، مگر ان کا انگریزی ترجمہ ارون کی تاریخ لیٹر مغلز (جلد اول ص ۳۹۰) مین ملے گا،

اور علماء و مشائخ نے اس قدر دانی کی شہرت سنی تو وہ دکن میں آئے، اور اپنی قسمت کے مطابق اس احسان عام سے بہرہ اندوز ہوئے (ج ۲ ص ۱۵۰)

علم نوازی اور معارف پروری کی جو شاندار روایات آصفجاہی خاندان کے بانی نے قائم کین انکو اس خاندان کے اور فرمانرواؤن نے اسی آب و تاب کے ساتھ برقرار رکھا چنانچہ اس دُودمان عالی کے موجودہ فرمانروا اعلیٰحضرت رفیع المنزلت سلطان العلوم شاہ دکن میر عثمان علی خان بہادر خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے فیض عام سے آج بھی حیدرآباد دکن علوم و فنون کا منبع اور مخزن ہے،

امیر الامرا سید حسین علی خان کی شعر فہمی اور تاریخ دانی مشہور تھی، انکے یہان معمول تھا، فجر کی نماز کے بعد ارباب کمال اس کے پاس جمع ہوکر علمی گفتگو کرتے تھے، اس وقت کسی کو کسی اور کام کیلیے اسکے پاس آنے کی اجازت نہین ہوتی تھی[1]،

آصفجاہ اور امیر الامراء دونون علامہ سید عبد الجلیل واسطی بلگرامی[2] کو بہت محبوب اور عزیز رکھتے تھے، علامہ موصوف فارسی، عربی، ترکی، سنسکرت اور بھاشا کے فاضل اجل تھے، اور اپنے ذاتی تقدس، اوصاف عالیہ اور علمی کمالات کے لحاظ سے اب تک عزت و وقعت سے یاد کیے

---

[1] مآثر الکرام ج ۲ ص ۱۵۰۔ [2] علامہ سید عبد الجلیل واسطی بلگرامی کے حالات مآثر الکرام جلد ۲ میں ملینگے، علامہ موصوف نے فرخ سیر کے پیشگاہ میں وجیہہ اشعار کہے، ایک بار لشکر مین ژالہ باری ہوئی اور اولے کچھ میٹھے تھے، علامہ بلگرامی نے یہ رباعی لکھکر فرخ سیر کی خدمت میں گذرانی

چرخ سپران شہنشہ بابرکات | چرخ از ادب او شدہ شیرین حرکات
در سندِ زمین عہد عشرت مہد شش | بارید سحاب ریزہ قند و نبات

فرخ سیر کی جب شادی راجہ جیت سنگھ راٹھور سے ہوئی تو علامہ موصوف نے اس جشن پر ایک مثنوی کہی، مگر یہ مثنوی فرخ سیر کے پاس نہ پہنچ سکی، مآثر الکرام میں اس مثنوی کے کچھ اقتباسات ملینگے،

ہمچو زندانی کہ عاشق است یوسف ذقنت ۔۔۔ حلقۂ زلف سمن سالیست زندان دگر

بسمل او سرگرم خون ریزی است از تیغ نو ۔۔۔ می کند بسمل مرا در عید قربان دگر

خط کشیدن یار را نادم ز خونریزی کند ۔۔۔ می گزد آن ماہ رو لب را بدندان دگر

میخورد از بس فلک ہر ماہ نان تازہ ۔۔۔ ماہ می آرد برای او لب نان دگر

در جدائی گر گریبان چاک کردم در قبا ۔۔۔ چاک خواہم کرد در دل ہم گریبان دگر

کا کلش یاد آمد و خلش دل ما را ربود ۔۔۔ می رسد ہر دم ز پیش یار قربان دگر

حال خود را با طبیبان جہان آصف مگو ۔۔۔ درد عشق یار دارد ذوق درمان دگر

نظام الملک آصفجاہ کی علم نوازی اور فیاضی کی شہرت چاردانگ عالم مین تھی، اور ہر طرف سے علما، ان کے دربار مین کھنچے چلے آتے تھے ۔ مآثر الکرام مین ہے،

عجیب فرشتہ صفت تھے، اور نیکی ان کی جبلت تھی، ان کی سرکار سے ہمیشہ فقرا، علما، صلحا اور دوسرے مستحقین کیساتھ انکی قسمتون کے مطابق نوازش ہوتی تھی، عرب ماوراء النہر، خراسان، عراق اور اطراف ہند کے علما و مشائخ ان کی قدردانی کا شہرہ سن کر دکن آتے اور ان کے شیلان کثیر الالوان سے زلہ ربائی کرتے تھے (ص ۱۰۳)

مآثر الکرام کے مولف مولانا غلام علی آزاد بلگرامی آصفجاہ کے معاصرون اور ان کی مجلسون کی زینت دینے والون مین سے تھے، وہ رقمطراز ہین:

مستحقین پر نہایت کثرت سے خیرات و مبرات کی، دفتر صدارت سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ شاہی افتات کے علاوہ تین لاکھ روپیہ ان کے دستخط سے روزانہ اور ماہانہ وظیفہ کی صورت مین ارباب استحقاق کو دیے گئے، ان کے علاوہ تقریباً ایک لاکھ روپیہ حاجیون وغیرہ کو مرحمت ہوئے، عرب، ماوراء النہر، خراسان، عراق، عجم اور ہندوستان کے سادات

ہمیشہ ہر روز ہم شاد و کامران باشند ۔۔۔ وی از وزارت و از وی وزارت اعلیٰ[1]

امیر الامراء کے قتل سے علامۂ موصوف نے سینہ فگار ہوکر جو خونچکاں ماتم کیا ہے، وہ ملاحظہ ہو:

آثار کربلاست عیان از جبین ہند ۔۔۔ زد جوش خون آل نبی از زمین ہند

شد ماتم حسین علی تازہ در جہان ۔۔۔ سادات گشتہ اند مصیبت نشین ہند

نیلی است زین معاملہ پیراہن عرب ۔۔۔ در خون گرہ گرہ شد است آستین ہند

گیتی چرا سیاہ نگردد ز دود غم ۔۔۔ خاموش شد چراغ نشاط آفرین ہند

ہند این چنین مصیبت عظمیٰ ندیدہ است ۔۔۔ دیدیم داستان شہور و سنین ہند

از داغ دل زوند چراغان اشک جوش ۔۔۔ این است نو بہار گل آتشین ہند

ماہی در آب می طپد و مرغ در ہوا ۔۔۔ از شیون عظیم امیر ہمین ہند

ہند از شہادتش تن بے روح گشتہ است ۔۔۔ یعنی کہ بود او نفس واپسین ہند[2]

فرخ سیر کے درباری امراء میں مرزا عبد المعالی عالی وزارت خان بھی شعر و شاعری میں طبع آزمائی کرتا تھا، گرامی تخلص رکھتا تھا، مآثر الامراء میں ہے:

وزارت خان متخلص بہ گرامی بحسنات شگرف سر آمد اوان بود، طبع موزون داشت،

صاحب دیوان است این شعر از و مشہور

تا قافلہ سالار جنون فال سفر زد ۔۔۔ دیوانہ ما دامن صحرا بکمر زد[3]

محمد شاہ محمد شاہی عہد میں سادات کے قتل کے بعد خانہ جنگیوں کی کمی نسبتہً ضرور رہی لیکن اس کے طویل زمانہ میں وہ تمام سامان ایک ایک کرکے جمع ہونا شروع ہو گئے، جو ایک عظیم الشان سلطنت کو نیست و نابود کرنے کے لیے ضروری ہیں، دربار میں اکبری اولوالعزمی کے بجائے

---

[1] مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۱۶۲، [2] ص ۱۴۳، ۱۶۲۷۴، ۲۷، [3] مآثر الامراء ج ۳ صفحہ ۲ ۔

جاتے ہین، امیر الامرا سید حسین علی خان سے ان کے تعلقات کا حال صاحب مآثر الکرام کے الفاظ مین ملاحظہ ہو،

امیر الامرا سید حسین علی کہ با ایشان الفتے خاص داشت واکثر در مجالس خود برملا می گفت کہ میر عبد الجلیل درین عصر نظیر ندارند و لوازم احترام فوق الحد تبقدیم می رسانند"[1]

علامہ موصوف آصفجاہ کے حضور مین نواب امین الدولہ کی وساطت سے پیش کیے گئے تو نواب آصفجاہ نے ان کا بڑا اعزاز کیا، اور ان کو اپنے برابر جگہ دی، جب قصیدہ نظر سے گذرا تو شمع منگوا کر اسے سنانے کی فرمایش کی، ایک ایک بیت کو نہایت غور سے سنا اور تعریف و تحسین فرمائی، قصیدہ سنکر نقد خلعت اور اسپ نذر کیا، علامہ مرحوم نے حسب ضابطہ قدیم اس انعام کو قبول نہین کیا،[2]

علامہ موصوف کو بھی ان دونون سے بڑی شیفتگی تھی، آصفجاہ کی شان مین جو قصیدہ لکھا اس مین اپنی عقیدت کا اظہار اس طرح کرتے ہین:

نظام ملت و ملک افتخار اہل کرم	قوام دین و دول آفتاب مجد و علا
چو او ندیدہ امیری مہذب الاخلاق	بعینک مہ و مہر این سپہر پشت دوتا
مثال روح مصور بود بپاکی ذات	نشان عقل مجسم بود بفہم و ذکا
صفائی آئینۂ رای او بود چندان	کہ می نماید ازو آنچہ رود ہد فردا
کرم ز دست گہر بار او بود ممنون	ظفر بہ تیغ چمن کار او بود شیدا
ہزار شکر کہ زو مسند وزارت یافت	ہمان کہ یافت تن عاذر از دم عیسیٰ
ملائک از پی آمین این دعا شدہ اند	برنگ نرگس و گل چشم و گوش فوق سما

[1] مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۲۶۳ ، [2] ایضاً صفحہ ۱۹۲

دھنتے تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی کے کہنہ مشق اساتذہ بھی ریختہ مین طبع آزمائی کرنے لگے، چنانچہ قزلباش خان امید، مرزا عبد القادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، مرزا علی قلی خان ندیم، اور مرزا مرتضی قلی فراق جیسے باکمال فارسی شعرا نے بھی ریختہ مین شعر موزون کیے ہین[1] یہی نہین بلکہ تھوڑے دنون کے اندر، دربارون، مجلسون اور بازارون مین فیضی، نظیری، عرفی، طالب قدسی، صائب اور کلیم کے بجائے مظہر، سودا، میر، درد، اثر، ذوق، مومن اور غالب کی زمزمہ سنجیان اور نغمہ سرائیان فردوس گوش ہونے لگین، شعرا اپنی تمام جولانیان ہندوستانی زبان مین دکھلانے لگے، مگر شراب وہی تھی صرف شیشہ و ساغر بدل گئے تھے۔

محمد شاہ کا عہد اس لحاظ سے نہایت ممتاز تھا، کہ اس مین بڑے بڑے ارباب فضل و کمال جمع ہوگئے تھے، فارسی شعرا مین قزلباش خان امید، سلیمان قلی خان وداود، علی قلی خان ندیم، شیخ سعد اللہ گلشن، مرتضی قلی خان فراق، میر شمس الدین فقیر، مرزا عبد القادر بیدل، سراج الدین علی خان آرزو، فائز، شہرت، صابر، مخلص، ریختہ گویون مین نواب عمدۃ الملک نواب عنایت خان راسخ نواب محمد شاکر خان شاکر، خان عالیشان جعفر علی خان، خواجہ ناصر عندلیب، شاہ حاتم، میر ضاحک، میان عبد الحئی تابان، جعفر زٹلی، مرزا مظہر جان جانان، اور ہندی شعرا مین اعظم خان، دیوی کوی، صورت مسر، وغیرہ موجود تھے، یہان ہم صرف ان شعرا کا ذکر کرین گے جن کا تعلق براہ راست محمد شاہ کے دربار سے تھا،

انجام، امیر خان نام اور نواب عمدۃ الملک خطاب، نواب امیر خان عالمگیری کا لڑکا تھا، شعر و شاعری اور لطیفہ گوئی مین ستھرا مذاق رکھنے کی وجہ سے محمد شاہ کے نہایت محبوب ہم جلیسون مین تھا، تذکرہ گلزار ابراہیم مین نواب موصوف کا ذکر اس طرح ہے،

---

[1] ان کی ریختہ گوئی کی مثال گلشن ہند مصنفہ مرزا علی لطف مین ملاحظہ ہو،

شیشہ و پیمانہ کی بدمستی تھی، شاہجہانی شوکت وحشمت کی جگہ حسرت ویاس کی تصویر تھی، اور عالمگیری جاہ وجلال کی جگہ بے بسی اور بیکسی کا عبرتناک منظر تھا، بادشاہ وقت اپنے امرا، اور درباریون کا ایک آلۂ کار ہو کر رہ گیا تھا، خود غرض امرا مین نیت کی پاکیزگی تھی، نہ مقصد کی یکجہتی، رہی سہی قوت نادر خان کی خونریزی، مرہٹون کی غارتگری اور روہیلون کی سرکشی سے جاتی رہی، تیموریون کی عظیم الشان حکومت کی بساط اب الٹنے کو تھی، صدیون کا لگایا ہوا چمن ہمیشہ کے لیے ویران ہونے کو تھا، اور ایک شاندار تہذیب و تمدن کا شیرازہ بکھرنے والا تھا،

سلطنت کا دبدبہ اور حکومت کی شوکت تو جاتی ہی رہی، مغلیہ سلاطین اپنی زبان بھی کھو بیٹھے، دربار اور بازار مین فارسی کے بجائے اب ہندوستانی زبان کا اثر و اقتدار تھا، ایک حکمران قوم کے ہاتھ سے جب دولت گئی، حشمت گئی، اور زبان بھی گئی تو پھر اس کے مٹنے مین کیا دیر تھی، صرف وقت کا انتظار تھا،

محمد شاہ نے فارسی زبان کے بجائے ہندوستانی زبان مین اپنے علمی ذوق کا اظہار کیا، بارہ ماسہ اور بکٹ کہانی دو تصنیفیں اس کے نام سے منسوب ہین، اس نے ہندوستانی زبان مین طبع آزمائی بھی کی ہے، اشعار ملاحظہ ہون:-

پیری مین نہ کس طرح کرون سیر جہان کی ۔ دن ڈھلتے ہی ہوتا ہے تماشہ گزری کا

کھول کر بند قبا دل کے تئین غارت کیا ۔ کیا حصار قلب کو لونے کھلے بندون لیا

خوف ہے ناصح کے یاران اس لئے زبان نہ کرو ۔ زلف کا نام نہ لو اور پریشان نہ کرو

مندرجہ بالا اشعار کی زبان کتنی صاف ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب ہندوستانی زبان دکن سے شاہجہان آباد آگئی تھی، ولی دکنی دکن سے دہلی آئے تو ان کی شاعری کا غلغلہ ہر طرف پھیلا، محفلون مین ان ہی کی غزلون کا چرچا ہوتا، ارباب نشاط ان ہی کی غزلین گاتے سنتے اور سر

موصوف کی علم پرور صحبتوں سے مستفید ہوتے تھے، میر محمد شاکر ناجی نواب کے نعمت خانہ کے داروغہ تھے۔[۱] بندرابن خوشگو نے سفینۂ خوشگو اور تذکرۃ المعاصرین لکھکر اس کی سرکار میں پیش کیں، اس نے پوری قدردانی کی اور دو روپیہ روزینہ وظیفہ مقرر کیا۔[۲]

انجام کی اردو شاعری کے نمونہ میں ہم انکی صرف ایک غزل ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

کیوں بلایا بھیڑ میں کیا مجھسے نادانی ہوئی	دختر رز بزم میں آ شرم سے پانی ہوئی
کل محیط عشق کے صد موج بے پائی تھی بجا	کشتی دل بے طرح کچھ آج طوفانی ہوئی
ہر پری تمثال جوں آئینہ رکھتا تھا عزیز	ٹوٹتے ہی دل کے مجھ کو سخت حیرانی ہوئی
کیا کہوں انجام میں اس عشق کے آغاز کو	دوستداروں کو محبت دشمن جانی ہوئی
نعش میری دیکھ کے مقتل میں یوں کہنے لگے	کچھ تو یہ صورت نظر آتی ہے پہچانی ہوئی

خان عالیشان جعفر علی خان، مرزا مومن بیگ کا لڑکا تھا، ذہین، ذکی اور بڑا طباع شاعر تھا محمد شاہ نے سہ ہزاری منصب پر سرفراز کیا، محمد شاہ کی فرمائش پر "مثنوی حقہ" لکھنی شروع کی، لیکن نامکمل رہ گئی، جس کو میاں حاتم نے پورا کیا،[۳] کلام کا نمونہ تذکرہ میر حسن میں بھی مل سکتا ہے۔

شیخ حسین شیرازی شہرت عربی النسل تھا لیکن ایران میں نشو و نما پائی، عالمگیر کے عہد میں ہندوستان آیا، محمد اعظم کا طبیب مقرر ہوا، فرخ سیر نے حکیم الممالک کا خطاب دیا، محمد شاہ کے عہد میں چہار ہزاری منصب سے سرفراز ہوا، [۴] ۱۱۴۹ھ میں وفات پائی، پانچ ہزار اشعار کا ایک فارسی دیوان چھوڑا، اس کے کچھ اشعار یہ ہیں:

بمن شہرت تمنا دارم و نے نام می خواہم	فلک گرد آگر دارد بکنفس آرام می خواہم
نالہ پنداشت کہ در سینۂ ما جا تنگ است	رفت و برگشت سراسیمہ کہ دنیا تنگ است

[۱] گل رعنا صفحہ ۱۰۲، [۲] معارف نمبر ۳ ج ۳۲ صفحہ ۲۱۰، [۳] گلزار ابراہیم صفحہ ۱۴۳، [۴] تذکرہ میر حسن صفحہ ۷۶، [۵] مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۲۰۱

اس عالی دودمان کو شاہ عالم پناہ محمد شاہ سے ایسی صحبت بر آمد ہوئی تھی کہ رشک تھا، ان سب ارکان دولت کو اور اعیان مملکت کو حسد تھا، لطیفہ گوئی کی طرف ان کی طبیعت نہایت مصروف تھی، اور خوش طبعی سے مزاج بہ شدت مالوف، گردش چشم کے سمجھنے میں زمانے کے استاد تھے، اور شیرین کلامی میں اپنے وقت کے فرید، موجد نازو انداز کی تہ داریوں کے، اور اختراع کرنے والے چیتوں کی جادوکاریوں کے، گانے میں دخل ایسا تھا کہ استاد اس فن کے دم شاگردی کا مارتے تھے، اور نادر بیدی کی باتوں میں بڑے بڑے گیانی ان کے آگے جی ہارتے تھے، بادشاہ کو ایسا اپنی طرف مصروف کر لیا تھا کہ ایک دم کی جدائی ان کی جہان پناہ کو شاق تھی، اور آٹھ پہر طبیعت انکی طرف مشتاق تھی[1]"

سنہ ۱۱۵۹ء میں شاہی دربار کی سازشوں سے قتل ہوا، فارسی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی کرتا تھا، اسکا دربار شعراء کا مرجع بنا ہوا تھا، بذلہ سنجیوں کی محفلیں برابر گرم رہتی تھیں[2] زمانے کے باکمال ارباب سخن اس کے یہاں جمع ہوتے، نواب عنایت خان راسخ اور نواب محمد شاکر خان شاکر، پانی پت سے اکثر شریک بزم ہوتے، شرف الدین مضمون، خواجہ ناصر عندلیب شاہ حاتم، میر ضاحک اور ہندی زبان کے شعراء میں آنند گھن، دیوی کوی اور صورت مسر بھی نواب

---

[1] گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو، اورنگ آباد، ص۵۸) تذکرہ میر حسن میں ہے:-

"نواب امیر خان از امرائے عظام و ظرفائے عالی مقام نواب عمدۃ الملک خوش طبع و شیرین کلام از مقربان درگاہ فردوس آرام گاہ بود، لطائف و ظرائف او مشہور و معروف است، (ص ۵ مسلم یونیورسٹی انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ)،

[2] ریختہ کے اشعار گلزار ابراہیم میں ملاحظہ ہوں،

راے رایان کا خطاب ملا، مگر اس کی امتیازی حیثیت خود اس کی علمی صلاحیتون کی وجہ سے ہے، اور اس کا شمار ان چند ہندوون مین کیا جاتا ہے جو فارسی علوم و فنون کے بڑے دلدادہ اور شیدائی تھے، وہ مرزا بیدل کا تو شاگرد تھا ہی اس عہد کے تمام شعراے بھی اسکے گہرے تعلقات تھے، خصوصاً خان آرزو سے اس کو بڑی عقیدت تھی، اور اسی کی مساعی جمیلہ سے خان آرزو کو شاہی دربار سے منصب، جاگیر اور خطاب ملا، اس کے گھر پر اہل علم مثلاً آرزو، محمد قلی خان، معنی یاب خان شاعر راؤ کرپارام، فتح سنگھ وغیرہ کی مجلسین برابر منعقد ہوتی تھین، ان صحبتون مین اس کے علمی ذوق کی جلا خوب ہوئی، اپنے نام کو زندہ اور روشن رکھنے کے لیے اس نے متعدد تصانیف چھوڑین، مثلاً (۱) گلدستۂ اسرار، اس مین وہ خطوط تھے جو نادر شاہ کابل کے صوبہ دار کو لکھے تھے، انکو آنند رام کے ذریعے سے وزیر اعظم محمد شاہ کے حضور مین پیش کرتا تھا، (۲) بدائع وقائع مین تاریخی واقعات ہین خصوصاً نادر شاہ کے حملہ کا ذکر ہے، اس کتاب کو تذکرہ کے نام سے بھی موسوم کیا جاتا ہے، ڈلیٹ نے جلد ہشتم مین اس سے کچھ اقتباس لیا ہے (۳) مراۃ اصطلاحات، یہ کتاب فارسی الفاظ، محاورات اور اصطلاحات کی ایک فرہنگ ہے، جس سے بعض تاریخی، معاشی اور صنعتی معلومات بھی حاصل ہوتے ہین، (۴) رقعات مخلص، ان مین سے بعض خطوط ادبی اور تاریخی حیثیت سے مفید ہین (۵) سفرنامہ، اس مین محمد شاہ کے محاصرہ بن گڑھ کے واقعات کی تفصیل درج ہے، اس مہم مین آنند رام مخلص اپنے ولی نعمت نواب قمر الدین خان اعتماد الدولہ کے ہم رکاب تھا، اس نے اس سفر کا حال بطور روزنامچہ مرتب کیا تھا، جس سے بہت سی اہم باتین، خصوصاً تیموری حکمرانون کے آخری دور کے طریق جنگ سے متعلق مفید معلومات حاصل ہوتے ہین پھر اس عہد کی بہت سی تاریخی شخصیتیں بھی متعارف ہو جاتی ہین،[1] (۶) پری خانہ، یہ شاید ایک

---

[1] اس کتاب کو ڈاکٹر سید اظہر علی صاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی (کنٹب) صدر شعبۂ عربی و فارسی و اردو، (باقی حاشیہ ص ۳۱۲)

اے گل بیرکوی تو جدا از وطنم کرد — من خار، تو بودم کہ بیرون از چمنم کرد

مسج شو تا در فرصت روز عالم بگذرد — یکنفس دم را غنیمت دان کہ این ہم بگذرد[1]

مصطفےٰ قلی خان یکرنگ تذکرۂ میر حسن مین ہے،

در گلشن بہار سخن آب و رنگ و در چمن گلزار معانی بلبل خوش آہنگ مصطفےٰ قلی خان متخلص بہ یکرنگ زمرہ بود، در عہد فردوس آرام گاہ نبیرۂ خان جہان بودہ در سلک ملازمان شاہی منسلک بود،[2]

اردو مین یکرنگ کے کلام کا رنگ یہ ہے،

ہاتھ اٹھا جور اور جفا سے تو — یہی گویا سلام ہے تیرا

اسقدر کیا ہے حمایت غیر کی — ہم بھی تو تم سے کبھی تھے آشنا

وصل اور ہجر اس صنم کا مجھ پہ یکسان ہوگیا — درد میرا ہی مجھے آخر کو درمان ہوگیا

مجھکو اس دل سے توقع تھی کڑی وقت پر — تیر خوبان کا تو وہ یکرنگ پیکان ہوگیا

دیکھو یہ کر یار جاتا ہے — میرا صبر و قرار جاتا ہے

گر خبر لینی ہے تو اے صیاد — ہاتھ سے یہ شکار جاتا ہے

رائے انندرام مخلص۔ انندرام سودھرہ ضلع سیالکوٹ مین ۱۱۱۱ھ مین پیدا ہوا، اس کی کئی پشتین مختلف تیموری امرا کے دربارون سے بسلسلۂ ملازمت منسلک رہین، تعلیم پاکر انندرام محمد شاہ کے وزیر نواب اعتماد الدولہ قمرالدین اور اس کے چچازاد بھائی سیف الدولہ صوبہ دار لاہور[1] کا وکیل دربار مقرر ہوا[2] اس لیے شاہی دربار سے بھی اس کو توسل تھا، اور وہان سے اسکو

---

[1] تاریخ دلکرام جلد ۲ ص ۲۰۳ [2] تذکرۂ میر حسن ص ۲۱۷ [3] مخزن الغرائب میں ہے،

[1] وے از عیان جہتریان است بصیغۂ وکالت نواب اعتماد الدولہ قمرالدین خان بہادر و نواب گوپاموی کہ ناظم صوبۂ ارکاٹ دکن بودہ در حضور محمد شاہ بادشاہ شرف اندوزی می داشت،

یون بکارے ہے کہ گلشن مین سرو ناز بیکسی ‏ پہنچیو قمری کہ کیا آزاد جاتی ہے بہار

پھول پر نرگس کے گویا وہ شبنم نہین ‏ عاشقون کے حال پر آنکھیان بھرتی ہو بہار

دھوم آونے کی کس کے گلزار مین پڑی ہو[1] ‏ ہار ارگجے کا باکر نرگس لیے کھڑی ہے

لال رام، باپ کا نام رائے دولہ رام تھا، اس کا دادا رائے گنج من، عالمگیری ملازمون مین تھا، لال رام محمد شاہ کی سرکار مین نوکر تھا، ۱۱۴۸ھ مین تحفۃ الہند ایک مستند تاریخی کتاب لکھکر دربار شاہی مین تحفہ پیش کی، یہ فرخ سیر کے عہد تک ہندوستان کی ایک عمومی تاریخ ہے، ایران کے ابتدائی دور کے بادشاہون کے بھی کچھ حالات درج کیے گئے ہین،

محمد شاہ کا علمی کارنامہ علم ہیئت سے متعلق ہے، یہ کارنامہ اس کے درباری ہندو امیر راجہ جے سنگھ کچھواہا کے حسن ذوق، اور مساعی جمیلہ سے تکمیل کو پہنچا، جے سنگھ عالمگیر، اور اس کے جانشینون کے عہد مین فوجی خدمت کے لیے ممتاز تھا، محمد شاہ کے عہد مین آگرہ اور مالوہ کا گورنر مقرر ہوا، جے سنگھ ایک کامیاب فوجی افسر اور باوقار حاکم ہونے کے علاوہ علم و ہنر کا بھی سرپرست تھا، عربی علوم و فنون مین خاص دستگاہ رکھتا تھا، علم ہیئت سے اس کو بڑی دلچسپی تھی، اس نے

[1] چمنستان شعرا، از لچھمی نرائن شفیق ص ۲۰۶، آخری شعر گلزار ابراہیم ص ۲۱۲ مین اس طرح ہے،

آنے کی دھوم کس کی گلزار مین پڑی ہے ‏ ہاتھ ارگجی کا پیالہ نرگس لیے کھڑی ہے،

[2] معارف نمبر ۲ جلد ۲۰، محمد شاہ کی علم نوازی کا پتہ اس سے بھی چلے گا، کہ ایک بار اس نے نواب اعتماد الدولہ قمرالدین خان کو مرزا مظہر جانجانان کے پاس بھیجکر کہلا بھیجا، کہ اتنا بڑا ملک خدا نے مجھکو دیا ہے، اس مین جو کچھ چاہیے قبول فرمائیے، لیکن مرزا صاحب کے استغنا کا یہ حال تھا کہ ہنس کر فرمایا قل متاع الدنیا قلیل خدا نے ہفت اقلیم کو قلیل فرمایا ہے، پھر ایک اقلیم مین سے ایک ولایت آپ کے حصہ مین آئی ہے، وہ کتنی ہے کہ فقیر اس کی طرف طمع کا ہاتھ بڑھائے، (گل رعنا ص ۱۳۳)

مرقع کا دیباچہ ہے، جس مین مشہور خوشنویسون کی خطاطی کے نمونے تھے، (۷) چمنستان، حکایات و اقوال کا مجموعہ ہے، (۸) ہنگامۂ عشق، یہ کنور سندر سین اور رانی چندر پربھا کے عشق و محبت کا ایک قصہ ہے، (۹) کارنامۂ عشق، یہ شاہزادہ گوہر اور ملکہ ملوکات کے حسن و عشق کی کہانی ہے، (۱۰) روزنامچۂ احوال، (۱۱) رباعیات، (۱۲) دیوان،

مخزن الغرائب مین مخلص کے بہت سے اشعار درج ہین، جن مین سے ہم بھی کچھ یہان پیش کرتے ہین،

تاج بر سر ہمچو قیس از داغ سودائیم ما — قہرمان کشور ویران صحرائیم ما

دیدیم غزالے دو سر مشغول زیارت — افتادہ چو بر تربت مجنون گذر ما

بگلشن چند سروی دیدم و فریاد سر کردم — کہ یادم داد رنگین صحبت یاران موزون را

تاجر عشقیم مخلص ہر سر از شہر دل — ہر کجا جنس وفا باشد خریداریم ما

میاز ارائے محبت باز چو من ناتوانی را — غریبی دردمندی بیکسی آزردہ جانی را

قصہ، کہ ہمین بود گریا — بوئے خون آمد از فسانۂ ما

مخلص کے کچھ اردو اشعار بھی ملاحظہ ہون

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۱۱) دہلی یونیورسٹی نے بڑی کاوش و محنت سے اڈٹ کر کے سلسلۂ مطبوعات کتب خانۂ رامپور سے شائع کیا ہے، اس مین آنند رام مخلص کے سوانح حیات اور اسکی تالیفات پر بہت ہی سیر حاصل تبصرہ کیا ہے، ڈاکٹر سید عبد اللہ ایم اے ڈی لٹ نے اپنی کتاب ادبیات فارسی مین ہندؤن کا حصہ مین آنند رام مخلص کی تصانیف پر پرمغز بحث کی ہے ہم نے ان دونون کتابون کی مدد سے مخلص کی تالیفات کی فہرست دی ہے،

لہ مخزن الغرائب قلمی نسخہ دار المصنفین ورق ۱۰۴۱، اس کے ریختہ کے اشعار تذکرہ میر حسن اور گلزار ابراہیم مین ملاحظہ ہون۔

احمد شاہ | محمد شاہ کے بعد احمد شاہ تخت پر بیٹھا، اردو کے مشہور شاعر اشرف علی فغان احمد شاہ کے رضاعی بھائی اور ندیم خاص تھے، احمد شاہ ان کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا بے حد مداح تھا، اس لیے ظریف الملک کوکہ خان بہادر کا خطاب عطا کیا، احمد شاہ کی معزولی اور قید کے بعد فغان نے دہلی چھوڑ دی اور مرشد آباد چلے گئے، فغان کو احمد شاہ سے نہ صرف محبت بلکہ عشق تھا، اس لیے محبوب کی یاد اور جدائی مین آنسو بہاتے ہوئے لکھتے ہین:-

جہان مین میرا ایک دلدار تھا | اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھکو گلزار سے | نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھون تھا بلبل کے فریاد کو | نہ جانون تھا مین جور صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھکو فرہاد بھی | سنا تھا نہ مین قیس ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا مین | تو کاہے کو خاطر مین لاتا تھا مین
مجھے دردمندون سے کیا کام تھا | سدا وصل کے بیچ آرام تھا
جب اس یار پر دھیان کرتا تھا مین | تو یوسف کو قربان کرتا تھا مین
اسی کو مین کہتا تھا ہے ماہتاب | وہی تھا مرا نیر آفتاب
مین پوجون تھا نت اس صنم کے تئین | نہ سجدہ کرون تھا حرم کے تئین
وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا | غرض کچھ ہی تھا، میرا اللہ تھا
سدا سیر تھے مجھکو گلزار کے | کہین طبع خوش ہوئے یار کے
اگر تھا تو وہ نازک مزاج | چلے تھے دہان سے تو مین لاعلاج
یہ کہتا تھا ورد ستم گار کے | نہ چھوڑا اس مئے تو گلزار کے
الٹے دیکھو خوش چشم نرگس کا حال | کہ حسرت سے رہ گئی ہے آنکھین نکال

الغ بیگ کی زیچ جدید، ملا چاند اکبری کی تسہیلات، اور ملا فرید شاہجہانی کی زیچ شاہجہانی کے اصول پر زیچ محمد شاہی ترتیب دے کر بادشاہ کے حضور مین پیش کی، اس فن سے محمد شاہ کی دلچسپی اور شغف کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کے حکم سے مسلمان، برہمن اور فرنگی علمائے ہیئت جمع کیے گئے، اور ۱۱۳۶ھ مین دلی مین ایک جدید رصد خانہ کی تعمیر شروع کی گئی، مرزا خیر اللہ مہندس اس کا مہتمم تھا، اس رصد خانہ مین بعض آلات ایسے تھے، جو سمرقند کے الغ بیگی رصد خانہ مین استعمال کیے جا چکے تھے، اور بعض خود راجہ مذکور کے ایجاد کیے ہوئے تھے[۱]

راجہ نے اس غرض سے کہ رصد خانہ کی تمام تحقیقات صحیح ہون اور ان کی تصدیق ہو جائے، دلی کے رصد خانہ کے نمونے پر جے پور، متھرا، بنارس اور اجین مین بھی رصد خانے بنوائے، ان رصد خانون مین ہندو مسلمان، اور فرنگی علمائے ہیئت نے سات برس تک کام کیا، یہی نہین بلکہ کچھ لوگ پادری منویل کی معیت مین یورپ گئے، اور وہان سے جو معلومات اور تحقیقات حاصل ہوئین، ان کا مقابلہ یہان کے اصولون سے کیا گیا، پھر ان تحقیقات سے زیچ محمد شاہی تیار کی گئی جو تین مقالات پر مشتمل ہے، اول در معرفت سنین، دوم در معرفت طالع ہر وقت، سوم در معرفت رفتار سیارات و ثوابت[۲]، اس سلسلہ مین راجہ مذکور نے مزید قابل قدر خدمت یہ انجام دی کہ عربی زبان کی مستند علم ہیئت کی کتابون کا ہندی ترجمہ کرایا، اور اس پر ہزارون روپے صرف کیے[۳]

محمد شاہ کے بعد مغلیہ سلطنت کی مدت کہنے کو تو ایک سو دس برس اور رہی، لیکن دلی کی حکومت بقول آزاد ایک "ٹوٹی پھوٹی ہوئی درگاہ" تھی جس کے پانچ اور سجادہ نشین ہوئے،

---

[۱] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب ندوی کا مضمون "مسلمانون کے عہد مین ہندوون کی علمی و تعلیمی ترقی" (معارف نمبر ۵ ص ۳۲۹) [۲] ایضاً نیز دیکھو فہرست مشرقی کتبخانہ، پٹنہ، جلد یازدہم ص ۹۰. [۳] ملاحظہ ہو علامہ سید سلیمان صاحب کا مضمون مذا،

سے تیموری سلطنت کے فرمانرواؤں کا جو انجام ہوا، وہ ارباب بصیرت کیلئے عبرت کا مقام ہے، اسی قلعۂ معلّٰی کے اندر جس کے مکینوں کی غضب آلود نگاہوں سے ہزاروں سرکش کانپ اٹھتے تھے، خود انکی ایک اولاد ایک ظالم سرکش کے پنجوں میں گرفتار تھی، اسی پرجلال دربار کا ایک اورنگ نشین جسکے اسلاف کی صولت و دبدبہ کے سامنے بڑے بڑے ارباب ثروت و حشمت سر عجز و نیاز جھکاتے تھے، ایک ستم ایجاد اور بے درد باغی کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے تھا جن کی ہیبت کے سامنے ارباب دانش پلک مارنا بھی سوء ادب سمجھتے تھے ان ہی کا ایک فرزند سرو بار بے حس و حرکت پڑا تھا، اور اسکے سینہ پر ایک شقی القلب روہیلہ سوار تھا، مال و دولت کی تلاش میں حرم کی دیواریں کھودی جا رہی تھیں، نازنینان حرم کے پھول سے رخسار طمانچوں سے سرخ کیے جا رہے تھے، شہزادیوں بیگموں کے دیدۂ تر سے خون کی نہریں رواں تھیں، آہ و بکا کے شور سے قلعۂ معلّٰی کے در و دیوار گونج رہے تھے، عین اسی حالت میں ایک ظالم "جفاجو" اور کینہ پرور روہیلہ نے

نکالیں شاہ تیموری کی آنکھیں نوک خنجر سے (اقبال)

شاہ عالم کو موت نہیں آئی، وہ پھر بادشاہ بنایا گیا، لیکن وہ بادشاہ نہ تھا، دنیا کے لیے عبرت کا درس تھا، اس نے اپنی بے کسی کا ماتم خود کیا ہے،

چہ حادثہ برخاست پے خواری ما
داد بر باد سر و برگ جہانداری ما

آفتاب فلک رفعت شاہی بودم
برد در شام زوال آہ سیہ کاری ما

چشم من کندہ شد از جور فلک بہتر شد
کہ نہ بینم کہ کند غیر جہانداری ما

داد افغان بچہ شوکت شاہی برباد
کیست جز ذات خدائے کہ کند یاری ما

گروہ بودیم گنہے کہ سزایش این بود
چیست امید کہ بخشد گنہ گاری ما

کردہ سی سال نظارت کہ مرا داد برباد
زود تر یافت تلافی ستمگاری ما

نازنینان پری چہرہ کہ ہم بزم بودند
کیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

اے اے مری جان اسوقت مین	اے تیرے قربان اسوقت مین
ترا ہنس کے کہنا مین گھر جاؤن گا	مرا رو کے کہنا مین مر جاؤن گا
یہی مجھ مین اس مین تھا راز و نیاز	کوئی اس مین محمود کوئی ایاز
فلک نے یکایک ستم یہ کیا	دل شاہ کو داغ حرمان دیا

احمد شاہ کی وفات پر شہنشاہ عالمگیر کے وارثون کے قبضہ مین دوآبہ اور ستلج کے چند ضلعے رہ گئے تھے، گجرات مرہٹون کی پامالی مین تھا، بنگال، بہار اور اڑیسہ، علی وردی خان کے جانشینون کے تصرف مین تھے، اودھ مین صفدر جنگ کا پرچم لہرا رہا تھا، وسط دوآب مین بنگش حکمرانی کر رہے تھے، روہیلکھنڈ، روہیلون کے قبضہ مین تھا، پنجاب احمد شاہ درانی کو دیدیا گیا تھا، دکن مین نظام کی اولاد جھگڑ رہی تھی، ان کے علاوہ یورپین طاقتین علحدہ اپنے قدم جما رہی تھین، ایسی حالت مین جب کہ تیموری سلاطین خود نان شبینہ کے محتاج ہونے کو تھے، علم و فضل کی سرپرستی کہان سے کر سکتے تھے،

عالمگیر ثانی عالمگیر ثانی شاعر تھا، کہا جاتا ہے کہ عالمگیر ثانی حضرت نظام الدین اولیا کے مزار مقدس پر بیٹھکر اپنی بادشاہت کے لیے دعا کرتا تھا، جب تخت کا مالک بنا تو منقبت مین یہ اشعار کہے،

جو ہوئے خادم نظام الدین کا دل مین ای غریب	اس کے تئین ہوتا ہے تاج خسروی جگ مین نصیب
خادمی کی تھی عزیز الدین نے با صدق و یقین	تاج شاہی ہند کا مجھ کو دیا ہے عنقریب
مرض دل انگار کا میرے وہ صحت بخش ہے	بے غذا و بے دعا و بے دوا و بے طبیب
بس پریشان حال ہے اب خلق مین محبوب حق	فضل کر تقصیر وارون پر، ہو تم حق کے حبیب

شاہ عالم ثانی عالمگیر ثانی کے المناک قتل کے بعد شاہ عالم بادشاہ ہوا، پہلے وہ انگریزون کا وظیفہ خوار رہا، پھر مرہٹون کے ہاتھ لال قلعہ کے اندر ایک معزز قیدی بنا، اور اسکے بعد غلام قادر کی سفاکیون

"منظوم اقدس" بھی شامل ہے جسمین شاہ چین مظفر شاہ کا قصہ ہے، مولوی ذکاء اللہ کا بیان ہے، کہ شاہ عالم نے نثر مین چار جلدون مین ایک قصہ بھی لکھا ہے، جس سے ہر زمانہ کے ادنیٰ، متوسط اور اعلیٰ آدمیون کا طرز معاشرت معلوم ہوتا ہے، اس کا نام "شاہ عالم کا قصہ" ہے۔[۱]

شاہ عالم نے اپنے عہد کے تمام ممتاز شعراء مثلاً سودا، میر، درد، نصیر، انشاء، زار، ممنون، احسان، قائم، اور فراق سے کچھ نہ کچھ ضرور واسطہ رکھا، جہان دہلی کے تمام شعراء جمع ہوکر اپنی جولانی طبع دکھاتے تھے، وہان شاہ عالم اپنی غزلین بھیجتا تھا، سودا کو اپنا کلام دکھاتا تھا،[۲] خواجہ میر درد کے یہان محفل سماع مین شرکت کرنے کیلیے کئی بار گیا، ایک بار پانون مین درد تھا، ضبط نہ کر سکا، ذرا پانون پھیلا دیا، خواجہ صاحب اسکے متحمل نہ ہو سکے، فرمایا کہ یہ امر فقیر کے آداب محفل کے خلاف ہے، شاہ عالم نے عذر کیا، اور معافی چاہی، خواجہ صاحب نے فرمایا اگر طبیعت ناساز تھی تو تکلیف کرنیکی کیا ضرورت تھی،[۳] سید انشاء اللہ خان انشاء کو خاص طور سے بہت محبوب رکھتا تھا، انکی ایک لمحہ کی جدائی اسکو گوارا نہ ہوتی تھی،[۴] مگر عبرت کا مقام ہے کہ جسکے اسلاف ایک ایک شعر کے صلہ مین شعراء کا منہ زر و جواہر سے بھر دیتے تھے اور انکو سونے چاندی مین تلواتے تھے، آج انکے وارث کے پاس اتنا بھی نہ تھا کہ اپنے محبوب شاعر کے بچون کیلئے دو دو چار دن کے لئے کچھ رقم دیتا،[۵]

شاہ عالم کی اردو شاعری کے نمونے ملاحظہ ہون:-

کیجئے ہمدم بھلا کیونکر نہ شکوہ یار کا — ہم تو بندے اس کے ہون وہ بندہ ہو اغیار کا

خانۂ دل کو جلایا اک نگہ سے اس نے آہ — ہو جیو یارب بھلا اس چشم آتشبار کا

صاف کل آنکھین تری کہتی تھین عاشق سے نگاہ — کر سکے عیسیٰ مداوا اپنے کب بیمار کا

خون ہو ویگا گلون کو دیکھنا ہر گز صبا — نام مت لینا چمن مین اس بت خونخوار کا

کب تمنا عشاق بیٹھین حشر مین طوبیٰ تلے — یاد آوے دل مین جب سایہ تری دیوار کا

دیکھکر کل نبض میری یون لگا کہنے طبیب — کوئی بھی جانبر ہوا بیمار اس آزار کا

صرف کعبہ مین نہ کر اوقات کو ضائع تو شیخ — ڈھونڈھیے جا کر ہر طرف نقش قدم دلدار کا

اسقدر افسردہ دل کیون ان دنون ہے آفتاب — دیکھ کر ہوتا ہے تجھ کو تنگ دل گلزار کا

۱؎ تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۳۱۱
۲؎ آب حیات ص ۱۳۳
۳؎ گل رعنا ص ۱۳۳
۴؎ ؍؍ ؍؍ ص ۱۲۱
۵؎ آب حیات ص ۳۲۱
۶؎ ؍؍ ؍؍ ص ۲۲۴

حق طفلان کہ زسی سال فراہم کردند — کردہ تاراج نمودند سبکساری ما

عہد و پیمان عیان دادہ نمودند دغا — مغلیان خوب نمودند وفاداری ما

شیر دادیم بر افعی بچۂ پروردیم — عاقبت گشت بجز ہے خونخواری ما

قوم افغان و مغلیہ ہمہ بازی دادند — بسکہ گشتند بجز گرفتاری ما

این گدا ازدہ ہمدان کہ بہ دوزخ بردند — بانی جور و ستم شد بہ دل افگاری ما

گل محمد کہ زم وان بہ شرارت کم نیست — چہ قدر کرد وکالت پے آزاری ما

نامراد و سلیمان و بدل بیگ لعین — ہمہ بستند کمر بہر گرفتاری ما

شاہ تیمور کہ دارد سر نسبت با من — زود باشد کہ بیاید بہ مددگاری ما

مادھوجی سیندھیا فرزند جگر بند من ست — ہست مصروف تلافی ستمگاری ما

آصف الدولہ و انگریز کہ دستور من اند — چہ عجب گر بنمایند مددگاری ما

راجہ و رائو و زمیندار امیر و چہ فقیر — حیف باشد کہ نہ سازند بہ غمخواری ما

نازنینان پری چہرہ کہ ہمدم بودند — نیست جز محل مبارک بہ پرستاری ما

گرچہ ما از فلک امروز حوادث دیدیم — باز فردا دہد ایزد و سرداری ما

ان اشعار سے ظاہر ہے کہ شاہ عالم سخن گوئی میں کافی مہارت رکھتا تھا، اسکا تخلص آفتاب تھا، فارسی اور ہندوستانی دونوں زبانوں میں اشعار موزون کرتا تھا، محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ "وہ بڑا مشاق شاعر تھا جس کے چار دیوان اردو میں موجود ہیں"[1] لیکن انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ایک ہی جلد ہے،[2] برٹش میوزیم،[3] بوڈلین[4] اور اسپرنگر[5] کی فہرستوں میں بھی ایک ہی کا ذکر ہے، انڈیا آفس لائبریری کے دیوان میں شاہ موصوف کی ایک مثنوی موسوم بہ

---

[1] آب حیات ص ۱۷۳ [2] ملاحظہ ہو انڈیا آفس لائبریری کیٹلاگ ص ۲۰، ۹۳ [3] ردفہ ۲۷۶ [4] ایضاً ۳۱۰۳

بہادر شاہ ظفر

بہادر شاہ ظفر تیموری سلاطین کا خاتم ہے، وہ بادشاہ بنا لیکن حکمرانی کے لیے نہیں بلکہ اپنے اسلاف کی سطوت و عظمت کی یاد میں خون کے آنسو بہانے کے لیے، سلطنت ایک بیرونی قوم کے قبضہ میں جا چکی تھی، سکوں پر سے آل تیمور کا نام مٹ چکا تھا، بادشاہ محض ایک وظیفہ خوار کی حیثیت سے رہ گیا تھا، پھر بھی بادشاہ کہلاتا تھا، اس کی ساری بادشاہی قلعہ معلّی کی چہار دیواری تک محدود تھی، جہاں نہ وہ سلطنت کے لیے فرامین صادر کرتا، اور نہ اعیان حکومت کی مجلسیں منعقد کرتا، بلکہ صرف دل کے پھپھولے توڑتا، اور جب وہ ٹوٹ کر بہہ جاتے، تو اس کے سوز و گداز کا اظہار اپنے نالہائے موزوں سے کرتا تھا، یہی وجہ ہے کہ اس کی آپ بیتی کو پڑھکر دل پر جو اثر ہوتا ہے وہ اور شعراء کی جگ بیتی سے نہیں ہوتا، خود کہتا ہے:

اے ظفر یہ تیرے اشعار ہیں نالۂ زار　　　　کب بلا ہیں کہ جو یوں دل میں اثر کرتے ہیں

ظفر تاج و تخت کا گو نہیں لیکن اقلیم سخن کا بادشاہ ضرور تھا، چنانچہ اس نے اپنی ذہانت و ذکاوت اور طبیعت کی بے قراری کے ایسے جوہر دکھلائے کہ اگر وہ سیاسی امور میں انہی اوصاف کو کام میں لاتا تو کیا عجب تھا کہ وہ اپنی ظفریاب فوجوں کے ساتھ اغیار کے شہروں اور ملکوں پر اپنی فتح و کامرانی کا پرچم لہراتا نظر آتا، اور ایک کامیاب مدبر اور سیاست دان بھی ثابت ہوتا، لیکن نہ اب رزم کی معرکہ آرائیاں تھیں، اور نہ بزم کی نکتہ آفرینیاں، لامحالہ ایک بے چین اور بے قرار ذہن کی تمام قوتیں ایک ہی طرف منتقل ہو گئیں اور وہ شعر و شاعری کا میدان تھا۔

صبح تو جام سے گزرتی ہے — شب دل آرام سے گزرتی ہے

عاقبت کی خبر خدا جانے — اب تو آرام سے گزرتی ہے

ولہ

تصور ترا جس کو اے یار ہوگا — اسے غیر سے کیا سروکار ہوگا

مرا لختِ دل اشک مین ڈھونڈنا — اسی قافلہ مین وہ سالار ہوگا

دیا دل تو ہے آفتاب اسکو لیکن — خدا جانے کیا عاقبت کار ہوگا

ولہ

چھیڑنے کا تو مزہ یہ ہے کہو اور سنو — بات مین تم تو خفا ہوگئے لو اور سنو

ولہ

اے جو خواب مین بھی ذرہ سے لقا تو مجھ — اے آفتاب دولت دیدار مجھے

جون شمع تا سحر شب فرقت مین آفتاب — بے اختیار مجھکو رولاتی ہے چاندنی

تری اس مانگ سے کیا معنی دلخواہ ہے پیدا — شب معراج کی اس خط سے گویا راہ ہے پیدا

مدت سے اشتیاق ہے پیارے جو آئیے — بھلا رواق چشم مین سیرین دکھائیے[1]

شاہ عالم ثانی ہندی زبان کا بھی شاعر تھا، اور اپنے ہندی کلام کا مجموعہ "نادرات شاہی" کے نام سے مرتب کیا تھا جو اعلیٰ حضرت فرمانروائے رامپور دام اقبالہ کے حکم سے سلسلۂ مطبوعات کتابخانۂ عالیہ ریاست رامپور مین شائع ہوگیا ہے اس کے شروع مین اردو زبان کے مشہور شیدائی علم و فن مولوی امتیاز علی خان عرشی کا پرمغز اور پراز معلومات مقدمہ ہے۔

---

[1] یہ اشعار تذکرہ گلزار ابراہیم انجمن ترقی اردو اورنگ آباد۔ تذکرہ ہندی مصحفی اور گلشن بیخار سے لیے گئے ہین۔

ظفر شاعری میں پہلے تو نصیر، پھر بے قرار، پھر ذوق، اور آخر میں غالب کا شاگرد ہوا، مگر اسکی
ذہین اور مجتہدانہ طبیعت نے کسی ایک کی بھی خاص تقلید و پیروی نہیں کی۔ طبیعت میں خاکساری
تھی، اس لیے اساتذۂ فن کی شاگردی قبول کرلیتا تھا، مگر اساتذہ اپنے لائق شاگرد کو اپنے خیالات
اور جذبات سے متاثر نہ کرسکے۔ وہ شاید صرف فن کے اغلاط اور اسقام درست کردیتے تھے،
ورنہ اگر ظفر اپنی راہ چھوڑ کر اپنے استادوں کی راہ پر گامزن ہوتا، تو اس کے سارے کلام میں اول تو
نصیر کی مضمون آفرینی اور شکوہ الفاظ کے ساتھ نئی نئی تشبیہیں اور استعارے پائے جاتے، یا پھر ذوق
کی طرح عام زبان کی کہاوتیں، اور عام لوگوں کے اوہام و مزعومات کی کثرت ہوتی، یا آخر میں
غالب کے فلسفہ، تصوف کے غوامض اور فارسی کی پرشوکت ترکیبیں ہوتیں، مگر ان میں
سے کسی کے رنگ کی اثر پذیری اس کے کلام میں نہیں، وہ اپنے ہی رنگ اور طرز ادا کا مالک ہے۔
بات یہ تھی کہ طبیعت میں شاعری کا مادہ بھرا تھا، پھر زندگی کچھ ایسی گذری کہ شاعر نہ بھی ہوتا، تو انقلابات

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۴۲) (یعنی شاعری) بسیار مالوف است، شیخ ابراہیم ذوق از ملازمہ فیضتش زلہ ربا و وظیفہ خوار
است و افکار ایشان بحک و اصلاح آورده است و بہموار۔"

منشی احمد حسین سحر تذکرۂ بہار بے خزان (۱۲۸۶ھ) میں ظفر کے متعلق لکھتے ہیں:۔

"ظفر تخلص، مرزا ابو ظفر بادشاہ دہلی بفن شعر میلے و مناسبتے تمام دارد، ابراہیم ذوق از
مخصوصان حضرت او ست، و افکار ایشان باصلاح او چون گوہر آبدار اند۔"

تذکرۂ بزم سخن میں ظفر کے بارے میں ہے:۔

"در سخن پایہ ارجمند داشت، گفتارش اگرچہ سادہ و پرکار است ہمہ اش خاطر شکار است
محاورہ گوئی از ان او ست و معاملہ نویسی زیر فرمان او۔"

منشی کریم الدین صاحب رقمطراز ہیں:

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۴۴ پر)

ظفر کا دور ہندوستانی شاعری کا دور شباب تھا، نصیر، ذوق، ممنون، مومن، غالب، تسکین اور شیفتہ کی شاعری نے ریختہ کی زمین کو آسمان پر پہنچا دیا تھا، ان ہی اساتذہ کے ساتھ ظفر نے بھی طبع آزمائی کی، اور نمایان حیثیت حاصل کی، نصیر نے ریختہ مین مضمون آفرینی کی بنیاد ڈالی، ذوق نے غزل کو زبان اور محاورات سے آراستہ کیا، مومن اپنی نازک خیالی اور شوخی ادا کے لیے ممتاز رہے، غالب کے طرز بیان، مسائل تصوف، اور نکات فلسفہ نے شاعری کو عرش معلی پر پہنچا دیا، مگر اس گروہ مین ظفر کی شاعری مین جو سلاست، صفائی، اور روزمرہ کی سادگی پائی جاتی ہے، وہ اسی کا حصہ ہے،

طرز سخن کا اپنے ظفر بادشاہ ہے — اس کے سخن سے یان نہ کسی کا سخن لگا

ظفر کلام مین تیرے عجب صفائی ہو — کہ ہر سخن ترا در خوش آب سا چمکا

خدا نے وہ روانی دی ظفر تیری طبیعت کو — ترا ہر شعر تر ہر بحر مین بحر المعانی ہے

ظفر شاعری سے طبعی مناسبت رکھتا تھا، ایام شاہزادگی سے زندگی کے اخیر دنون تک شعر وسخن کی مشق کرتا رہا، ولی عہدی کے زمانہ مین دلی کے تمام باکمال شعرا مثلاً حکیم ثنا اللہ فراق، حافظ عبد الرحمن خان احسان، حکیم قدرت اللہ خان قاسم، میر قمر الدین منت، نظام الدین ممنون اس کے در دولت پر حاضر ہوتے تھے، ان کو اپنا کلام سناتا، اور ان سے ان کے نتائج فکر سنتا، سریر آرای حکومت ہوا، تو قلعہ معلی کے اندر بزم مشاعرہ منعقد کراتا، کبھی کبھی شہر مین جاکر مشاعرون مین شریک ہوتا، اپنی غزلین پڑھتا، دوسرون کی سنتا، داد لیتا اور داد دیتا تھا، یہانتک کہ اساتذۂ فن مین شمار کیا جانے لگا، تمام ارباب نظر نے اس کی سخن سنجی اور نکتہ آفرینی کی دل کھول کر داد دی ہے،[1]

[1] نواب مصطفےٰ خان شیفتہ جو ظفر کے ہم عصر تھے، اور اس کی صحبت مین شریک بھی ہوئے تھے، لکھتے ہین:

بالجملہ صفات موصوف ومحامد حکام معروف در اکثر باین خطوط دستگاہ بے شایستہ دارد

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۳)

ین خون جگر خوب خوب بہایا، اس کی تمام شاعری مغلیہ سلطنت کی تباہی اور بربادی کا ایک مرقع ہے، یہ شاید قدرت کی طرف سے انتظام تھا، کہ تیموری سلطنت کا آخری فرمانروا وہ ہو، جو صحیح طور پر اسکے کمال کے زوال کا خونچکان ماتم کرسکے،

یہی وجہ ہے کہ ظفر کی شاعری حزن وملال، رنج والم اور یاس وحسرت کی سراپا داستان ہے، دیوان مین بعض غزلین ایسی ضرور ہین، جن مین رنگینیون اور سرمستیون کی جھلک ہے اور بعض تو متانت اور سنجیدگی سے بھی گری ہوئی ہین، مگر یہ شاید غایت رنج ومصیبت اور شدت غم والم کا رد عمل ہے، ظفر کی اندوہناک زندگی مین کوئی ایسی صورت باقی نہین رہی تھی، کہ دو چار گھنٹے بیٹھکر غم غلط کر لیتا. گزشتہ روایات کے مطابق نہ شکار کی تفریحین تھین نہ عیش ونشاط کی محفلین، اور نہ قلعہ معلی کے اندر مسرت وشادمانی کی مجلسین. لامحالہ شدت غم سے چھٹکارا پانے کے لیے ظفر شاعری مین رند بلانوش اور غافل از تمکین وہوش ہوجاتا، ورنہ اور کوئی وجہ نہ تھی، کیونکہ مصیبت ونکبت کی وجہ سے

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۴) مین دیدۂ بینا اور ابیات عاشقانہ مین چشم گریہ زا اور بین السطور بہار رو مین خیابان او فلکیات مین کہکشان نفس شگفتگی الفاظ سے نسیم چمن اور نگاہ تازگی رقم سے رشتۂ یاسمن

مصرع قامت شمشاد بیت ابروے خوبان خلخ و نوشاد"

عبدالغفور نساخ اپنے سخن شعراء (۱۲۹۱ھ) مین لکھتے ہین:-

"اکثر خطوط کو اچھی طرح سے لکھتے تھے، شعر نہایت شیرین ونمکین کہتے تھے"

موجودہ دور کے ادبا مین خواجہ الطاف حسین حالی تحریر فرماتے ہیں کہ ظفر کا تمام دیوان زبان کی صفائی اور روزمرہ کی خوبی مین اول سے آخر تک یکسان ہے،

محمد حسین آزاد نے باوجودیکہ اپنے استاد کی محبت اور عصبیت مین ظفر کے تمام کلام کو ذوق کی طرف منسوب کردیا ہے، پھر بھی وہ اس کو شعر وشاعری مین طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ بتاتے ہیں،

زمانہ اور حوادث روزگار سے خواہ مخواہ شاعر ہو جاتا، اسلاف کی عظیم الشان حکومت ہاتھ سے گئی، عزت و وقار کا خاتمہ ہوا، تو نان شبینہ کو محتاج ہو گیا، در بدر ٹھوکریں کھاتا پھرا، لخت ہائے جگر کو خون میں تڑپتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اور آخر میں خود ایک مجرم کی حیثیت سے محبوس و مقید ہو کر اور ایڑیاں رگڑ رگڑ کر جان دی، شاعر بننے کے لیے اور کیا چاہیے تھا، اور شعراء نے بلبل کے نالہ و فریاد سے اپنی شاعری میں سوز و گداز پیدا کیا، ظفر نے اپنی ہی آہ و بکا سے اپنی شاعری میں درد اور درد میں تڑپ پیدا کی، اور شعراء نے عاشقان زبون حال کے طوق و سلاسل کی ہولناک تصویر میں کھینچ کر عبرت کا پیام دیا، ظفر کی اپنی ہی زندگی قید اور زنجیر کی داستان رہی، اس لیے اس کی ہر صدا صحیح معنوں میں دنیا کی نیرنگیوں کی آواز بازگشت ہو گئی، اور شعراء نے ایک خیالی چمن کی بربادی اور اس کے پھولوں کی پامالی پر دنیا کی بے ثباتی اور ناپائداری کا رونا رویا، ظفر نے اپنی سلطنت کے چمنستان کو اجڑتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا، اس کے خیالات میں تخریب نہ ہوتا تو آخر کس میں ہوتا؟ اپنی شاعری

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۲۳) "شعر ایسا کہتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں ان کے برابر کوئی نہیں کہہ سکتا، ابراہیم ذوق سے اصلاح لیتے ہیں تیرہ چودہ برس کا عرصہ ہوا، کہ تخت نشین ہوئے، ابتدا میں ولی عہد تھے، ان ایام میں بھی ان کے شعر بہت اچھے ہوتے تھے، تمام ہندوستان میں اکثر قوال ان کی غزلیں اور گیت اور ٹھمریاں گاتے ہیں، ہر ایک قسم کے شعر ہیں"

ظفر کی بابت مولوی امام بخش صہبائی کی ایک دلچسپ عبارت ملاحظہ ہو:۔

"گوہر سخن اس کے لب سے ہم پایۂ اعجاز، و مضمون نیاز اس کے اشعار میں ہم پہلوئے ناز، شاہدان محفل قدس ہر راہ سے اس کے جادۂ نظم میں عنان انگن ہیں، اور نازنینان ملک تقدس ہر طرف سے اسی کے میدان مضمون میں گامزن ہیں، اس کے قلم کی صریر ہے یا خوش خرامان معنی کی آواز، اس کے الفاظ سے فروغ معنی جلوہ گر ہے، یا مینا سے پری نقاب کشا...... اشعار مصنوعی

(باقی حاشیہ صفحہ ۳۲۵ میں)

صدقے زمین کے ہوتا نہ پھر کیوں کے آسمان — رکھتا سر زمین نہ اگر آپ تو قدم

محروم تیرے دستِ مبارک سے رہ گیا — کیونکر نہ چاک اپنا گریبان کرے قلم

عالم کو تیرا نور ہوا باعثِ ظہور — آدم ترے ظہور سے ہے مظہرِ اتم

ہیں زائران روضۂ اقدس ترے جہان — آتا ہے پائے بوس کو وان روضۂ ارم

واللیل تیرے گیسوئے مشکین کی ہو ثنا — والشمس ہے ترے رخِ پر نور کی قسم

انصاف تیرا دیوے جو داد ستم کشان — دندان ہیں آرہ کشان ہو سر ستم

قرآن میں جب کہ خود ہو ثنا خوان ترا خدا — کیا تاب پھر قلم کو جو کچھ کر سکے رقم

تیری جناب پاک میں ہے ظفر کی عرض — صدقے ہیں اپنی آل کے اے شاہ محتشم

صیقل سے اپنے لطف و عنایت کے دور کر — آئینۂ ضمیر سے میرے غبارِ غم

ہو نہ جانا آستانِ مقدس کو تیرے میں — اس غم سے مثلِ چشمہ ہوئی میری چشم نم

پر خاکِ آستان کو تری اپنی چشم میں — کرتا ہوں سرمہ میل تصور سے دم بدم

اہل نظر جانتے ہیں کہ نعت کہنا کتنا مشکل ہے۔ بقول عرفی۔ ع رہ بر دم تیغ است قدم را، لیکن ظفر کے ہم عصر شعرا میں اتنا موثر نعتیہ قصیدہ کسی نے نہیں کہا، وہ کچھ اور نہ بھی کہتا، تو صرف یہی قصیدہ اس کے اعجاز شاعری کے لیے دلیل و برہان تھا، دیوان کا دوسرا، تیسرا اور چوتھا حصہ حمد سے شروع ہوتا ہے، جس کے بعض اشعار ملاحظہ ہوں،

شاباش دلا ارشد ک اللہ تعالےٰ — پہچانا اسے تو نے جسے دیکھا نہ بھالا

اللہ ری تری جنبشِ مژگانِ ستم کیش — اک پل میں کئے تو نے دو عالم تہ و بالا

ادا ہو وے نہ ہو یک حرف اصلا حمد یزدان کا — اگرچہ صد زبان ہو وے زبان خامہ سخندان کا

اگر ہو جائے پارہ پارہ دل اسکی محبت میں — تو پھر ہر پارۂ دل کو سمجھ سی پارہ قرآن کا

فقر و درویشی نے مزاج پر ایسا استیلا پا لیا تھا کہ وہ نہ صرف یہ اب اذکار و وظائف میں مشغول رہتا، بلکہ آل تیموری کی نقلی و سیاسی پیری و مریدی ظفر کے ہاں حقیقت بن گئی تھی، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں آئے گا۔

ظفر کا دیوان نولکشور پریس لکھنؤ سے چار جلدوں میں شائع ہوا ہے، جس میں ہر قسم کے تیس ہزار سے زیادہ اشعار، مثلاً حمد، نعت، سلام، مرثیہ، مسدس، مثلث، مخمس، مستزاد، قطعات، رباعیات پنکھا، اور سہرا ہیں، بھاکا، پنجابی اور فارسی کے بھی اشعار ہیں، جن سے ظفر کی طباعی اور مختلف زبانوں پر قدرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس مجموعہ میں وہ حصہ شامل نہیں جو ظفر نے غدر کے بعد کہا، اس زمانہ کا کلام شائع نہ ہو سکا، بلکہ ضائع ہو گیا، حالانکہ اس عہد کی شاعری میں نہ صرف پختگی بلکہ جذبات میں اور بھی درد اور شدت پیدا ہو گئی ہوگی۔

کلام ظفر دیوان، حمد کے بجائے ایک نعتیہ قصیدہ سے شروع ہوتا ہے، ملاحظہ ہو۔

اے سرورِ دو کون شہنشاہِ ذو الکرم — سرخیلِ مرسلین و شفاعت گرِ امم

موکب ترا ملائک و مرکب ترا براق — مولد ہے تیرا مکہ و معبد ترا حرم

ننگ ظہور سے ترے گلشن رخ عدم — نور وجود سے ترے روشن دلِ قدم

ہوتا کبھی نہ قالبِ آدم میں نفخِ روح — بھرتا اگر خدا نہ محبت کا تیری دم

کرتا تھا جس سے مردہ کو زندہ دمِ مسیح — تھا شمہ تیرے خلق کا وہ اے علو شیم

ٹوٹا جو کفر قوتِ اسلام سے تری — صد جائے سو شکستہ ہے زنار موجِ یم

تو تھا سریرِ اوجِ رسالت پر جلوہ گر — آدم نہاں ہنوز پسِ پردۂ عدم

کرتا ہے تیرے اسم مبارک کو دل پہ نقش — اس واسطے عزیز جہاں ہو گیا درم

اے معدنِ کرم تری ہمت کے روبرو — کم تر ہے سنگ ریزہ سے قدر نگین جسم

جو کچھ سوائے عرش و سما کے سما میں ہیں — تیرے ہوا ہے جاہ کا برپا جہاں علم

سیل سرشک چشم بھی ہمراہ ہو اگر | جون سرو آبجو یہان توقیر آہ ہو
دکھلائے جو سوزش دل کو تو برق بھی | حیران دیکھ عالم تنویر آہ ہو
کلک بھی تو شمع جگر سے بنا | مانی جو کھینچے تو مری تصویر آہ ہو
نالان ہین ایک عمر سے ہم اپنے ظفر | کب اس کے دل مین دیکھیے تاثیر آہ ہو

اور جب آہ کھینچنے سے بھی اس کو تشفی نہین ہوتی، تو چیخین مارتا ہے، اس طرح جیسے کوئی نشتر اس کے تمام جسم مین چبھو رہا ہو۔

کیا رنگ دکھاتی ہے یہ چشم تر اہو ہو | خون جگر آہا لخت جگر اہو ہو
اس ہستی یک دم پر اف بل بے تری گرمی | ہنستا ہے شرارت سے کیا کیا شرر اہو ہو
اک وار مین دو ٹکڑے کرتی ہو مری دل کے | کیا تیز ہے قاتل کی تیغ نظر اہو ہو
چھڑکے ہے نمک قاتل لے لیکے نمکدان سے | لیتے ہین مزے کیا کیا زخم جگر اہو ہو
ہستی کی عدم سے مر مر کے پہنچتے ہین | اک دم کی مسافت پر اتنا سفر اہو ہو

اس پر بھی اس کو تسکین نہین ہوتی ہے، تو اپنی حالت اس طرح بیان کرتا ہے کہ

سینہ مین اک دھوان کئی بار اٹھکے رہ گیا | نکلا نہ میرے دل کا بخار اٹھکے رہ گیا
آیا نہ میرے دیدۂ گریان کے سامنے | سو بار دیکھا ابر بہار اٹھکے رہ گیا
دیتا جلا فلک کو مگر خیر ہو گئی | ساتھ آہ کے جو دل سے شرارہ اٹھکے رہ گیا

آتش غم سے اس کا دل جل کر داغدار ہو گیا تھا، وہ بھی ایسا کہ خود کہتا ہے۔

ذرہ جو دکھاتا ہون داغ دل سوزان کو | چڑھتی ہے تپ لرزہ خورشید درخشان کو

وہ اپنی مصیبتون اور صعوبتون سے گھبرا جاتا ہے، اور ظالم چرخ سے شکایت کرتا ہے کہ

سدا گردش مین ہم ہون اور نہ اک دم دور ساغر ہو | یہ کیا انصاف ہے اے چرخ گردان یہ نہ ہو وہ ہو

جسے خیال ہے کچھ رحمت الٰہی کا | گناہ سمجھے ہے دعویٰ وہ بیگناہی کا

یہ لطف دیکھ کر خود بے نیاز ہے لیکن | وعیان ہے اسے بندون کی خیر خواہی کا

تم اپنے جی مین عزیز اور ذلیل ٹھہرا لو | خدا ہے ایک مہ و مہر و مرغ و ماہی کا

ظفر کو اپنے حمد و نعت پر بہت زیادہ فخر تھا، چنانچہ کہتا ہے،

ظفر مضمون حمد و نعت کے گلہائے رنگین ہے | ورق میرے سر دیوان کا ہے اک باغ رضوان کا

ظفر کی المیہ شاعری | اوپر کی سطرون مین کہا گیا ہے کہ ظفر کی تمام شاعری الم و یاس و اندوہ و غم سے بھری ہوئی ہے، بعض غزلین تو پوری کی پوری الناک جذبات سے لبریز ہین، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے اسلاف کی مٹی ہوئی شوکت اور گذری ہوئی حشمت پر بے اختیار ہو کر روتا ہے، اور آنسو بہا بہا کر کہتا ہے:-

بلاسے گرچہ ہو تار از دل ، فنا ہے رونے مین | نہ رو کو مجھ کو رونے سے مزا آتا ہے رونے مین

پڑا ہے کشتی افلاک کا رونا زمانے مین | مری آنکھون نے وہ طوفان کیا برپا ہے رونے مین

مری دیوانگی کا ہے پری رو عجب عالم | کبھی رونے مین ہنستا ہو کبھی ہنستا ہو رونے مین

سنا ہو نوح کے طوفان کو یا دین نے کانون سے | مگر آنکھون سے اپنی ہم نے دیکھا ہے رونے مین

لگے آگ ایسے رونے کو کہ مثل شمع گھل گھل کر | بہا جاتا مرا دل سوز سرتا پا ہے رونے مین

ظفر ہم زار زار رونا روئین جا کر سامنے کس کے | رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہے رونے مین

پھر بھی روتا جاتا ہے، اور اس کے رونے مین اتنی شدت ہے کہ اس کو خود احساس ہے کہ

لگ جائے جھڑی برسون پھر اور جھڑین آنسو | جھاڑون جو وہم گریہ مین دامن مژگان کو

اور جب رو کر چپ ہوتا ہے، تو اپنے ٹوٹے ہوئے دل سے آہ سوزان بلند کرتا ہے

شعلہ جو سوز دل سے گلوگیر آہ ہو | پیکان نمط عیان وہ سر تیر آہ ہو

وہ تو عشق مین رونے کا بھی قائل نہین،

روروکے میرا راز نہان فاش کر دیا　　خانہ خراب ہو جیو چشم پرآب کا

لیکن جب ہجر مین بے تاب ہو کر روتا ہے، تو پھر یون کر

نہین اے ابر ہم قائل کہ آنسو سر بسر ٹپکے　　وہ کیا آنسو جو بے آمیزش خون جگر ٹپکے

ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانا کہربا کا سا　　دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

مگر حقیقت مین وہ چشم گریان کا نہین، بلکہ دل بریان کا قائل ہے، دل جل جائے مگر شرط یہ ہے

کہ خاکستر نہ ہونے پائے بلکہ اس مین صرف سوزش ہو اور اس طرح کر

دکھلائین سوزش دل بیتاب اگر ہم　　کانپ اٹھے شعلہ شوق سے نار جحیم کا

اور اس سوزش مین اتنی ٹیس ہو کر

دونون گداز عشق سے بہ جائین ہوکے آب　　آہین جو دل کے پاس ہو پتھر جگر کے پاس

اور پھر اس کے دل مین کچھ باقی نہ رہ جائے،

دل مین تو کچھ نہین ہے، ہم دو دو اے ظفر　　اک آہ رہ گئی ہے، فقط اک جگر کے پاس

ظفر کے عشق کا فلسفہ یہین پر ختم نہین ہو جاتا، بلکہ اس کا عشق تو اس کا مقتضی ہے کہ عاشق اس

سوزش سے مضطرب، بے قرار اور بے چین ہونے کے بجائے لطف اندوز ہو، عشق کی آگ سے دل

پر داغ پڑ جائین، مگر:-

خانہ دل مین رہے روشنی داغ عشق　　بجھنے نہ پائے مرا یہ کبھی یارب چراغ

اور گو جگر مین زخم پڑ جائین لیکن:-

بھاہا نہ زخم دل سے اٹھا میری چارہ گر　　رہنے دے اس کو تو خم پر جوش کو ڈھکا

کیونکہ

مگر پھر اپنے کو یہ کہکر تسلی دیتا ہے کہ

ہو زیر فلک راحت کس طرح ظفر ہم کو — آرام نہین اب ہی اس گنبد گردان کو

یہ تو ظفر کی واردات زندگی کا نالہ و شیون تھا جن کے تاثرات کی گہرائی کو ظفر نے خود بیان کیا ہے کہ

ہمسر ہون میرے نالہ سی کیا نالے نے — اس مین ظفر یہ سوز کہان اور کہان گداز

اب یہی سوز و گداز اس کی شاعری کے ہر پہلو مین نظر آتا ہے، جب وہ ایک شاعر بن کر عشق کی تمام واردات یعنی محبوب کی کج ادائیان، ستم آرائیان، اور بے اعتنائیان بیان کرتا ہے تو طالب محبوب کی محویت، شیفتگی اور ہجوم آرزو مین صرف سوز و گدازہی کی نیرنگیان دیکھنا چاہتا ہے، اس کا معشوق عام معشوقون کی طرح ظالم، پرفریب، حیلہ ساز اور دل آزار ضرور ہے، لیکن اس کے عاشق کے عشق مین ہوسناکی نہین وارفتگی ہے، وصال کی لطف اندوزی نہین، ہجر کی غم انگیزی ہے، اور حسن کی رسوائی نہین بلکہ عشق کی بے پائی ہے،

اس کا عاشق عشق کے میدان مین اس طرح آتا ہے، کہ

جو آگے عشق کے میدان مین بڑھائے پاؤن — تو شرط یہ ہے کہ پیچھے نہ پھر اٹھائے پاؤن

اور جب وہ سربکف ہو کر اس میدان مین آجاتا ہے، تو پھر وہ ہے اور ہر قسم کی مصیبتون کی ہلاکت خیزی، وہ ہے اور عشق کی آتش سوزی،

ہوتی ہے بری عشق کی آتش یہی ڈر ہے — گر پھونک نہ دے آتش سوزان کسی کا

خانۂ دل کو لگی ہی آگ سوز عشق سے — ہر بن مو سے نکلتے ہین شرارے بے طرح

مگر بایں ہمہ وہ عاشق سے ضبط، تحمل، سرفروشی، بلکہ صرف تڑپ چاہتا ہے، اور وہ بھی ایسی

کر جل کے خاک ہو دل اور خبر کسی کو نہ ہو

جہاں ویرانہ ہے پہلے کبھی آباد گھر یاں تھے ، شغال اب ہیں جہاں رہتے کبھی بستے بشر یاں تھے

جہاں چٹیل ہے میدان اور سراسر ایک خارستاں ، کبھی یاں قصر و ایواں تھے چمن تھا اور شجر یاں تھے

جہاں پھرتے بگولے ہیں اڑاتے خاک صحرا میں ، کبھی اڑتی تھی دولت رقص کرتے سیمبر یاں تھے

جہاں ہیں سنگ ریزے تھے یہاں یاقوت کے تودے ، جہاں کنکر پڑے ہیں اب کبھی رلتے گہر یاں تھے

جہاں سنسان اب جنگل ہے اور ہے شہر خاموشاں ، کبھی کیا کیا تھے ہنگامے یہاں اور شور و شر یاں تھے

جہاں اب خاک پر ہے نقش پائے آہوے صحرا ، کبھی محو تماشا دیدۂ اہل نظر یاں تھے

ظفر احوال، عالم کا کبھی کچھ ہے کبھی کچھ ہے

کہ کیا کیا رنگ اب ہیں اور کیا کیا پیشتر یاں تھے

اس ماتم میں دنیا کی بے ثباتی کا پورا نقشہ ہے، ظفر کی زندگی اور پھر اسکا المناک خاتمہ کچھ ایسا تھا، کہ وہی دنیا کی بے ثباتی کی مکمل اور پُر درد تصویر کھینچ سکتا تھا، ایک جگہ کہتا ہے،

صبح گلشن میں صبا تیرا اگر ہوئے گذر ، کہیو بلبل سے ذرا اتنا کہ اے شوریدہ سر

کر رہی چیں چیں کیا شاخ گل پر بیٹھ کر ، یہ چمن یونہی رہے گا اور ہزاروں جانور

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائینگے

یہ تو شعر و شاعری کی زبان تھی، مگر اسی کو صاف صاف ایک پوری غزل میں دوسری جگہ بیان کرتا ہے:-

جو تماشا دیکھنے دنیا میں تھے آئے ہوئے ، کچھ نہ دیکھا پھر چلے آخر وہ پچھتائے ہوئے

فرش مخمل پر بھی مشکل سے جنہیں آتا تھا خواب ، خاک پر سوتے ہیں اب وہ پاؤں پھیلائے ہوئے

جو فنائے فنا، ہستی میں ہیں مثل حباب ، ہوتے ہیں اول ہی سے پیدا وہ کفنائے ہوئے

غنچے کہتے ہیں کہ ہوگا دیکھنے کیا اپنا رنگ ، جب چمن میں دیکھتے ہیں پھول کمھلائے ہوئے

سب پہ کھل جائیگا میرے دل مجروح کا حال | دل کے زخمون سے ذرا بھی جو یہ سرکے پھاہے

ظفر کے یہان ایک کامیاب عشق کے مدارج یہان بھی ختم نہین ہوتے، اصلی سوز عشق تو یہ ہے، کہ

دفن ہو ویگا ترا کوئی جہان سوختہ جان | سبزہ وان خاک سے پیدا کبھی ہوئیگا نہین

بلکہ

اف ترے کشتہ کا سوز دل کہ ظالم سنگ بھی | گور پر اس کے رہا محشر تلک جلتا ہوا

اور

رفاقت کیا کہوں آہ جگر اور داغ سوزن کی | ہماری قبر پر حاجت نہین ہے شمع گریان کی

ظفر کی اخلاقی شاعری

گذشتہ صفحات سے معلوم ہوا ہوگا کہ ظفر کی طبیعت پر حزن و ملال کس قدر غالب ہے، تلخیون، ناکامیون اور نامرادیون کے ہجوم مین انکی زندگی محض داغ تمنا اور سراپا آرزو بنکر رہ گئی تھی، ظاہر ہے کہ ایسے حسرت زدہ اور ارمان سوختہ انسان کے دل و دماغ پند و نصیحت کے لیے کسقدر موزون ہون گے، ظفر نے اس سلسلہ مین جتنے اشعار کہے ہین، وہ محض ایک فلسفی کے خیالات نہین ہین، بلکہ اپنی واردات زندگی سے جو کچھ اس نے محسوس اور اخذ کیا، اس کو اشعار کی سلک مین منسلک کردیا ہے، وہ الفاظ کے گورکھ دھندون اور خیالات کے ہنگامون مین اپنے اور اپنے ناظرین کو گم کرنا نہین چاہتا ہے، بلکہ سیدھے سادے الفاظ مین جو کچھ کہنا چاہتا ہے، پیش کردیتا ہے، اس کی تلخ زندگی اور پھر اس کے اشعار آنکھون کے سامنے ہوتے ہین، تو پڑھنے والون پر ایک خاص قسم کا اثر ہوتا ہے، جو غیر ارادی طور پر دل کی گہرائیون مین اتر جاتا ہے،

شاہ جہان اور جہانگیر کا آخری جانشین گویا اپنی سلطنت کی ویرانی کا یہ عبرت ناک مرقع کھینچتا ہے:-

الم ویاس اور حسرت وحرمان کا پیام چھوڑ جائے گا۔ وہ اس سے واقف تھا، کہ زمانہ انقلاب آفرین ہے، اس دنیا مین :-

نہ دام غم ہے نہ مے عشرت کبھی یون ہی کبھی وون ہے
تبدل یان ہو ہر ساعت، کبھی یون ہی کبھی وون ہے
کوئی دن ہو بہار گل پھر آخر ہے خزان بالکل
چمن ہے منزل عبرت، کبھی یون ہے کبھی وون ہے

اسی لیے اس کا پیام ہے، کہ فلک کے تمام مظالم کے باوجود انسان کی ہمت مردانہ کا اقتضا یہ ہے کہ ضبط وصبر سے کام لے اور خدا پر بھروسہ کرے، کہتا ہے :-

ستم کرتا ہے بے مہری سے کیا کیا آسمان پیہم
دل اسکے ہاتھ سے پر درد ہے اور چشم ہے پرنم
کرونگا پر نہ شکوہ گرچہ ہونگے لاکھ غم پر غم
کیے جاؤنگا مین ہر دم یہی جبتک کہ دم مین دم

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

اور جب انسان خدا پر بھروسہ اور توکل کرنے لگتا ہے، تو پھر دنیا کے تمام لوگون سے مستغنی اور بے نیاز ہوجاتا ہے۔

بلا سے اگر نہین کوئی رفیق و آشنا میرا
خدا پر وھیان ہو میرا نگہبان ہو خدا میرا
خدا آسان کرے گا گو ہے مشکل مدعا میرا
خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا

خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم

مگر ظفر کا خدا پر بھروسہ کرنے سے مطلب ہرگز یہ نہ تھا، کہ انسان اپنی زندگی کو خود سنوارنے کی کوشش نہ کرے، ظفر جانتا تھا کہ انسان کو اسی دنیا مین زندگی بسر کرنا ہے، وہ اپنے لیے کوئی نیا عالم اور نیا آسمان پیدا نہین کرسکتا ہے، مگر ہان اس کے لیے خوشگوار راہین کھلی ہوئی ہین، جن پر چل کر وہ اس دنیا مین مسرت و راحت کی زندگی گذار سکتا ہے، وہ کونسا راستہ ہے؟ ملاحظہ ہو :-

غافلو اس نقش ہستی پر کہ ہے نقش بر آب　　موج کے مانند کیون پھرتے ہو بل کھائے ہوئے

اسی لئے وہ دنیا اور دنیا کی تمام چیزون کو عبث اور ہیچ سمجھتا تھا، اُس کی زندگی اور اس کی زندگی کی تمام نیرنگیان عبرت کا پیام تھین، ایک عظیم الشان سلطنت کی بیخ کنی اس کی نظرون کے سامنے ہو رہی تھی، ایک پُر جلال، پُر ہیبت اور پر شکوہ خاندان کے خدم و حشم، عز و شان اور سطوت و جبروت کا خاتمہ اُس نے اپنی آنکھون سے دیکھا، تختِ طاؤس پر بیٹھنے والون کا جانشین، ہمالیہ سے راسکماری تک کے فاتح کا وارث اور کوڑیون کی طرح زر و جواہر لٹانے والے کی یادگار، چند روپیون کی محتاج ہو رہی تھی، ایسی حالت مین دل اور جگر کے زخمون کی ٹیک یہ درد انگیز چیخین کیون نہین نکلتین، کہ

سب کار جہان ہیچ ہے سب کار جہان ہیچ　　اس ہیچ سے اُمید ہے اے ہیچدان ہیچ

مانندِ حُباب ایک نفس مین ہے خرابی　　اس منزلِ فانی مین ہے بنیادِ مکان ہیچ

اک عمر ہے مایۂ دنیا سے گران بار　　آخر کو جو دیکھا تو بجز بار گران ہیچ

اس باغ مین تھوڑی سی بہار اور پھر آخر　　اے تو گلِ خندان مجھے تشویشِ خزان ہیچ

ہو جنسِ تنک مایۂ ہستی کے نہ خواہان　　یہ جنس، یہ بازار، یہ گوہر، یہ دکان ہیچ

آوازِ طرب گوشِ دل محوِ فنا سے　　جز نالہ و فریاد و بجز آہ و فغان ہیچ

پایا نہ بجز داغِ سیہ کاری یک عمر　　نقشِ قدمِ قافلۂ عمر روان ہیچ

کیا دیکھین ظفر خانۂ ہستی کا تماشا

اس وہم کدہ مین بجز وہم و گمان ہیچ

مگر ظفر جانتا تھا کہ اس کی اور اس کے خاندان کی زندگی کی داستان خواہ کیسی ہی دردناک اور عبرتناک ہو وہ انسانیت کی دنیا مین گنہگار اور مجرم ہوگا، اگر وہ لوگون کے لئے صرف

گوشِ دل مین مرے آئی سحر آوازِ سروش | کہ کسی یار کے شکوے نہ کر کچھ تو خروش
گر کہین یار برا لطف سے تو ہو خاموش | یار عیار ہے تو پھر یار ہوا صاحب ہوش

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

پھر لطف کی سحر آفرینیون پر نظر انداز ہے۔

لطف سے وحشیِ صحرا ہی نہین تنہا رام | لطف سے ماہی و مرغ آئے تہ حلقۂ دام
لطف سے بنتے ہین انسان ہی نقطہ کے غلام | لطف سے ہوئے پرستار پری، دیو غلام

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

لطف سے کُن کے ہوئے کہتے ہی ذرّون کے عالم | لطف سے رُوح ہوئی داخلِ جسمِ آدم
لطف سے گرچہ ہو معشوق بھی عشق کا دام | لطف سے غیر بنے بندۂ بے دام و درم

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

آگے چل کر جو شاعرانہ انداز سے گل افشانیان کی ہین ان مین دقتِ نظر کے ساتھ زورِ بیان بھی ملاحظہ ہو:-

حلقۂ موج ہوا قوسِ قزح قوسِ ہلال | گردشِ چرخِ برین گردشِ مہ، گردشِ سال
گردشِ ساغرِ مے، گردشِ فانوسِ خیال | سب تجھے کہتے ہین یہ حلقہ بگوشون کی مثال

لطف کن لطف کہ بیگانہ شود حلقہ بگوش

اسی طرح بعض جستہ جستہ ناصحانہ خیالات دیوان مین بہت کچھ ملین گے۔ مثلاً

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا وہ ہو کیسا ہی صاحبِ فہم و ذکا

جسے عیش مین یادِ خدا نہ رہی جسے طیش مین خوفِ خدا نہ رہا

عقل پر ناز ہے قدرت پر نظر کسکو ہے | سب کو فکر آج کی ہے کل کی خبر کسکو ہے

اتنا نہ اپنے جامے سے باہر نکل کے چل　　دنیا ہے چل چلاؤ کا رستہ سنبھل کے چل

نخوت، پندار، تکبر اور غرور کی راہ میں صرف تباہیاں اور بربادیاں ہیں، اس لیے

کم ظرف پُر غرور، ذرا اپنا ظرف دیکھ　　مانند جوشِ خُم نہ زیادہ ابل کے چل

فرصت ہے اک صدا کی یہاں سوز دل کی تیا　　اس پر سپند وار نہ اتنا اچھل کے چل

اس دنیا میں قدم قدم پر مکر و فریب کا جال ہے، ہوش و خرد کا تقاضا ہے، کہ انسان ان

سے دامن بچا کر زندگی کی مشکل راہوں کو طے کرے،

یہ غول وش ہیں ان کو سمجھ تو نہ رہنما　　سایہ سے بچ کے اہل فریب و دغل کے چل

مگر اس کے باوجود انسان کی زندگی کی منزلیں اسی وقت طے ہو سکتی ہیں، جب وہ خود

اپنے پاؤں سے چلے، اور اس کو اپنے بازو کی قوت پر اعتماد ہو

اوروں کے بل پہ بل نہ کر اتنا نہ چل نکل　　بل ہے تو بل کے بل پہ تو اپنے بل کے چل

اور اس کے ساتھ ہی آنکھوں میں بصیرت کا نور چاہیے کہ اندھیری رات گم نہ کر سکے،

پھر آنکھیں بھی ہیں کہ رکھ دیکھ کر قدم　　کہتا ہے کون تجھکو نہ چل چل سنبھل کے چل

لیکن انسان کو اپنی تمام جد و جہد اور سعی و کوشش کے باوجود کارکنان قضا و قدر ہی کا

بہر حال محتاج رہنا ہے،

انسان کو کل کا پتلا بنایا ہے اس نے آپ　　اور آپ ہی وہ کہتا ہے پتلے کو کل کے چل

ظفر زندگی کے مسائل کو یہیں پر ختم نہیں کر دینا چاہتا ہے، بلکہ اس نے ایک عالمگیر لطف و کرم

کا پیام دیا ہے، جس کے ذریعے اس کا خیال ہے کہ انسان نہ صرف اپنے کو اوصاف حمیدہ

اور اخلاق حسنہ سے متصف کر سکتا ہے، بلکہ وہ کائنات کی تمام چیزوں کو اپنے قابو میں لا سکتا ہے

ایک الہامی شاعر بن کر کہتا ہے،

مین گدا ہون ترے دروازے کا — جاؤن اس در سے کہان فخرالدین

موجزن ہے ترا دریاے کرم — از کران تا بہ کران فخرالدین

ہے مدد تیری توانائی بخش — مین ہون بیتاب و توان فخرالدین

کیا کرون عرض عیان ہو تم پر — میرا سب راز نہان فخرالدین

رکھ ظفر ہر نفس و ہر ساعت — شغل دل وِرد زبان فخرالدین

ایک جگہ اور کہتا ہے،

کیا خطر اس کو راہ دین مین ظفر — رہنما جس کا فخر دین ہو جائے

ایک دوسری جگہ لکھتا ہے[1]

اے ظفر مین کیا بتاؤن تجھسے جو کچھ ہون سو ہون — لیکن اپنے فخر دین کے کفش بردارون مین ہون

ظفر کو اس خاندان سے کچھ ایسی شیفتگی تھی، کہ مولانا فخرالدینؒ کے انتقال کے بعد ان کے

---

[1] اس عقیدت کا اظہار اپنے دیوان مین متعدد بار کیا ہے، مثلاً

خاک پاے فخر دین ہے اپنے حق مین کیمیا — اے ظفر کیون خواہش اکسیر کرنی چاہیے

کہتا ہے ظفر جو کچھ اب جوش محبت مین — اے فخر جہان سب وہ تیری ہی عنایت ہے

جو خاک بھی ہون تو ہون فخر دین کے در کی — ظفر چھوڑا جائے نہ مجھ سے اس آستان کو ہیچ

اللہ اللہ جلوۂ حسن و جمال فخر دین — ہے اسی پر اے ظفر گرویدہ دل گرویدہ آنکھ

دوست فخر جہان تا ہون ظفر کے دل مین — سب ملال آپکے الطاف و عنایات سے منع

ظفر دشوار ہے ہر چند اہل معرفت ہونا — مگر صدقے مین فخرالدین کے ہان ہو سکتا ہے سب کچھ

جس کا ہے سرمہ ظفر خاک در فخرالدین — چشم بد دور ہے، اور ہی تاثیر کی آنکھ

کوچۂ فخر جہان کی اے ظفر — خاک کی چٹکی بھی بس اکسیر ہے،

فنا ہے ساتھ تو پھر زندگی سے کیا حاصل		فنا سے پہلے فنا ہو کر ہو بقا حاصل

جو دل کو صاف ہو کرنا تو خاکساری کر		کرے ہے خاک سے دیکھ آئینہ صفا حاصل

خاک کا پتلا ہے انسان اے ظفر اس کیلئے		سرکشی اچھی نہیں ہے خاکساری کیلئے

جب کوئی کہتا ہے ہستی کو کہ ہستی خوب ہے		اس کی غفلت پر فنا اس وقت ہنستی خوب ہے

دنیا کا ہے مزا ظفر انجام کار زہر		میٹھا سمجھ کے لوگ اسے للچا گئے تو ہین

اے ظفر چاہیے بندے کو گنہ سے پرہیز		ورنہ کچھ شک نہیں غفار کی غفاری مین

گلشن دنیا نہین جائے قیام اے غافلو		غنچہ سان تم دوش پر رخت سفر باندھے رہو

جو کہ ہے قسمت مین ہونا ہو گا آخر کو وہی		اے ظفر کیا شکوہ اسکا یون ہوا یا وون ہوا

برے ہین یا بھلے ہم تم ظفر لیکن غنیمت ہین		کریا آئین گے پھر پھر کر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

دنیا سے جس نے کھینچ لیا ہاتھ اے ظفر		پھیلائے پاؤن کیون نہ ہو کنج فراغ مین

آدمی کو چاہیے آدم شناسی اے ظفر		ہے یہ فرمودہ ہمارے حضرت تیمور کا

منعم اس دولت دنیا پہ نہ کر دیکھ غرور		سیکڑون گور مین کیا کیا نہیں بہرام نبے

ظفر کی صوفیانہ شاعری | یہی ناصحانہ خیالات آگے چل کر صوفیانہ خیالات مین تبدیل ہو گئے ہین، حوادث زمانہ اور واردات زندگی نے ظفر کے دل مین اپنے مالک حقیقی کی لگن ایسی پیدا کر دی تھی کہ آخر مین وہ بادشاہ وقت ہونے کے بجائے ایک صوفی منش فقیر ہو گیا تھا، اس کی زندگی صبر، توکل، اور استغنار کی داستان ہے، طبیعت مین فقر و درویشی کا خمیر موجود تھا، ہجوم ومصائب نے اس کو اور تیز کر دیا، عہد طفلی ہی مین مولانا فخر الدین سے شرف بیعت حاصل کیا، چنانچہ خود کہتا ہے:-

مرشد پاک روان فخر الدین		قبلہ و کعبہ جان فخر الدین

اک جہان فخر جہان کہتا ہے		پر ہے فخر جہان فخر الدین.

بھی یہی عقیدتمندانہ غلو تھا، حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کی شان مین ایک مخمس لکھکر کہتا ہے:۔

تم جناب خواجہ معین اسیر وزارِ حق پہ ہیں   تم ہو رمزآگاہ کن اور واقف سرّالست

تم مددگار ظفر ہو کیون ظفر کو ہو شکست   پر فلک کی دیکھ گردش کانپتے ہین پاودست

یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

اسی مخمس مین آگے چل کر لکھتا ہے:۔

خاک پر سے جو کہ چل سکتا نہ ہو جون نقش پا   تم اٹھاؤ تو وہین ہو وہ سنبھل کر اٹھ کھڑا

عیسٰی جان بخش ہو تم اور خضر رہ نما   دردمندون کی دوا ہونا تو اون کے ہے لکھا

یا معین الدین چشتی دستگیری لازم است

ظفر نے خود اپنے ہاتھون پر بھی بیعت لینی شروع کی تھی، قلعہ معلٰی کے لوگ، پھر سرکار کمپنی بہادر کے دیسی سپاہی اس کے حلقہ بگوش تھے، آگے چل کر تصوف کی چاشنی اسقدر بڑھ گئی تھی کہ سعدی کی گلستان کی شرح صوفیانہ نقطۂ نظر سے خود لکھی، اور اشغال و اذکار مین ایک کتاب سراج المعرفت نام منشی میر لال سے لکھوائی،[1]

ظفر کی صوفیانہ طبیعت کے اثرات اس کی شاعری سے بھی ظاہر ہین، لیکن وہ تصوف کا کوئی فلسفی نہین، اس لیے خیالات اور مسائل کے اظہار مین نہ وہ نکتہ آرائی اور جدت طرازی کرتا ہے، اور نہ غالب کی طرح تصوف کے عقدہاے سربستہ کی تحلیل اور تشریح مین دقیق اور عسیر الفہم الفاظ استعمال کرکے خیالات کو ادق اور مشکل بناتا ہے، بلکہ اپنے قلب کے تاثرات اور احساسات کو

---

[1] یہ معلومات امیر احمد علوی صاحب بی اے کی کتاب بہادر شاہ ظفر سے لی گئی ہین، بہادر شاہ ظفر کی ایک اور تالیف موسوم بہ "لغت و اصطلاح دکن" تین جلدون مین ہے، لیکن یہ مفقود ہے، اس کا اشارہ شرح گلستان سعدی کے دیباچہ مین ہے، شرح گلستان ۱۲۵۹ھ مین مطبع سلطانی قلعہ سے شائع ہوئی تھی،

صاحبزادے مولانا قطب الدینؒ سے بیعت لی، خود فرماتے ہیں:۔

مرید قطب دین ہوں خاکپائے فخر دین ہوں مین گرچہ شاہ ہوں ان کا غلام کمترین ہوں مین
ان ہی کے فیض سے ہے نام روشن میرا عالم مین وگرنہ یوں تو بالکل ذرہ سیہ مثل نگین ہوں مین
نہ کعبہ سے غرض مجھ کو، نہ میخانہ سے کچھ مطلب ہمیشہ گھستا ان کے آستانے پر جبین ہوں مین
رہوں مین، نہ کیش پر، رہوں انکی محبت مین نہین خواہش مجھے یہ صوفی خلوت نشین ہوں مین
مجھے تو خانقاہ و میکدہ دونوں برابر ہین ولیکن یہ تمنا ہے کہ ان کا ہوں کہین ہوں مین
یہی عقدہ کشا میرے، یہی ہین رہنما میرے سمجھتا ان کو اپنا حامیٔ دنیا و دین ہوں مین
بہادر شاہ میرا نام ہے مشہور عالم مین ولیکن اے ظفر انکا گدائے رہ نشین ہوں مین

اور جب مولانا قطب الدین کا وصال ہوا تو ان کے صاحبزادے غلام نصیر الدین عرف کالے صاحب سے وہی جوش عقیدت اور قلبی تعلق قائم رکھا، حالانکہ موخر الذکر اپنے والد کے انتقال کے وقت محض خورد سال تھے۔ ظفر نے ان کی طرف سے اپنے احساسات کا اظہار اس طرح کیا ہے:۔

نظام خانۂ فخر جہان تمھین تو ہو قیام سلسلہ و خاندان تمھین تو ہو
نہ کیونکر تم سے ہوں ظاہر صفات قطب الدین خدا رکھے تمھیں ان کا نشان تمھین تو ہو
تمھارے در پہ جھکا کر سر ارادت خلق کہے ہے کعبۂ امن و امان تمھین تو ہو
نثار تم پہ ہین پروانہ سان ہزاروں دل کہ شمع محفل صاحبدلان تمھین تو ہو
تمھاری قوت باطن سے تقویت ہے مجھے کہ میرے باعث تاب و توان تمھین تو ہو
بغیر آپ کے ہوں کیوں نہ جان و دل بے چین کہ راحت دل و آرام جان تمھین تو ہو
ظفر کی چاہیے نصرت تمھین نصیر الدین کہ اس کے یار و مددگار تمھین تو ہو

ظفر کو نہ صرف اپنے مرشدوں سے یہ ارادت و عقیدت تھی، بلکہ با کمال صوفیائے کرام سے

در پسِ پردہ دبے پردہ درآید از دل	بے نشان و سبب نام و نشان ہمہ اوست
نیست دیر و حرم از شیخ و برہمن آباد	ہمہ جہان و یکینے مکان ہمہ اوست
اے دل آن گوہر یکتا کہ نیرزد بدو کون	چشم بخشا و ببین زیب دکان ہمہ اوست
شعلۂ نار جحیم و گل گلزار نعیم	یک تجلی است کہ در جلوہ شان ہمہ اوست
می زند اے ظفر امروز بباغ توحید	ہمچو بلبل دل شوریدہ فغان ہمہ اوست

یہ شاید استاد غالبؔ کے اس سوال کا جواب ہے کہ

ہستی ہے نہ کچھ عدم ہے غالبؔ — آخر تو کیا ہے، اے نہیں ہے

لیکن اس حقیقت مستور کا احساس ہوا تو اس کا مشاہدہ بھی ضروری ہے۔ تصوف کی راہ میں ایک ایسا مقام بھی آتا ہے۔ جب کہ طالب حقیقت وادی تحیر میں گم ہو کر رہ جاتا ہے۔

صفائے حیرت آئینہ ہے سامان زنگ آخر
تغیر آب برجا ماندہ کا پاتا ہے رنگ آخر (غالبؔ)

اور پھر وہ ایسا حیرت زدہ ہو جاتا ہے، کہ ساری حقیقتیں سامنے ہوتی ہیں، لیکن وہ دیکھ نہیں سکتا ہے:

صد جلوہ روبرو ہے جو مژگان اٹھائیے
طاقت کہاں کہ دید کا احسان اٹھائیے (غالبؔ)

ظفرؔ پر بھی ایسی کیفیت طاری ضرور ہوتی ہے۔ وہ کہتا ہے:

میں ہوش میں ہوں یارب یا کہ مجھے وحشت ہے	گر جوش ہنسی کا ہے گر گریہ کی شدت ہے
مجذوب ہوں یا سالک غافل ہوں کہ دیوانہ	کیا جانئے میں کیا ہوں اور کیا مری حالت ہے

پھر کہتا ہے:-

سیدھے اور سادے الفاظ مین پیش کر دیتا ہے، جن کو پڑھنے کے بعد مفہوم کو سمجھنے کے لیے غور و فکر کی زیادہ ضرورت نہین پڑتی، بلکہ بے اختیارانہ طور پر اس کے اثرات خود بخود دل پر قائم ہوتے جاتے ہین، اسکی شاعری، ادبی خیالات سے ملوث ضرور ہے، عشق مجازی کی تمام کیفیتین بھی اس پر طاری ہین، لیکن اس عشق مجازی کی شراب سے اس مین عشق حقیقی کا نشہ پیدا ہو جاتا ہے، اور پھر اس نشہ کی سرمستی، بیخودی، اور خود فراموشی اس پر اس قدر غالب آجاتی ہے کہ شعر کہتے کہتے خود اس مین گم ہو جاتا ہے، اور بیخود ہو کر کہتا ہے۔

مے وحدت کی ہم کو مستی ہے　　　بت پرستی خدا پرستی ہے۔

اس "مے وحدت" کے خمار مین اس کو عالم ناسوت کی تمام چیزین عالم لاہوت مین نظر آتی ہین، اور ایک وجدانی کیفیت مین تصور کرتا ہے کہ

شعلہ ہے وہی شمع وہی ماہ وہی ہے　　　خورشید وہی نور سحرگاہ وہی ہے

حور و ملک و دیو پری انس و بنی جان　　　سب صورتون مین ماہی و نخواہ وہی ہے

یوسف ہے وہی، وہی زلیخا وہی یعقوب　　　کنعان ہے وہی مصر وہی چاہ وہی ہے

رہرو وہی رہبر وہی وہ ہی رہ مقصود　　　گمراہ وہی راہ سے آگاہ وہی ہے

کیا حسن مین کیا عشق مین سب مین ہے وہی نور　　　یہ موجب غمزہ، سبب آہ وہی ہے

مجنون خراباتی و دیوانہ و ہشیار　　　درویش و گدا شاہ و شہنشاہ وہی ہے

خارا مین شرر ہے وہ ظفر لعل مین وہ رنگ　　　واللہ وہی سب مین ہے باللہ وہی ہے

اسی کو اپنی ایک فارسی غزل مین کہتا ہے۔

اینکہ بینی ہمہ ہا قالب و جان ہمہ اوست　　　بلکہ ہم قالب و ہم روح روان ہمہ اوست

آنچہ بیرون و درون ست ہمانست ہمان　　　راز فاش ہمہ او و ہم نہان ہمہ اوست

جو عرش سے ہے فلک تلک سب کچھ اسی مین ہے — دیکھ آنکھ کھولکر
کیا کیا نہین ہے اس مین کہ سب کچھ اسی مین ہے — پر چاہیے نظر

دل اپنا پہلے زنگِ کدورت سے صاف کر — مانندِ آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ اس آرسی مین ہے — کیا حسن جلوہ گر

پیدا نگاہ کر کہ تجلیِ حسنِ یار — سب جا ہے آشکار
شعلہ سے طور کے نہین کم روشنی مین ہے — ہر سنگ کا شرر

کیون کعبہ و کنشت مین سرمارتا ہے تو — سرگرمِ جستجو
تو جس کو ڈھونڈھتا ہے چھپا وہ تجھی مین ہے — پر تو ہے بیخبر

جوشِ بہارِ حسن سے کس گل کے اے صبا — ہے یہ جنون کا جوش
مصروف اس قدر جو گریبان دری مین ہے — ہر غنچہ ہر سحر

ہے دورِ جام و صحبتِ یارانِ زندہ دل — کیفیتِ حباب
کچھ ہے اگر مزا تو یہی زندگی مین ہے — باقی ہے دردسر

اے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ — ہرچند بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی مین ہے — اس سے ہے دور تر

صد داغ سوزِ عشق سے کھا بلکہ صد ہزار — ہر داغِ دل پہ تو
لذت تجھے نصیب اگر عاشقی مین ہے — اے سوختہ جگر

افشاے رازِ عشق نہ کر کھلکے جی کی بات — پردہ ہی خوب ہے
جی ہی مین اپنے رہنے دے جو کچھ کہ جی مین ہے — خاموش اے ظفر

ظفر کا خیال ہے کہ حقیقت مستور نہین، ہم اس کو دیکھتے نہین، محض اس لیے کہ ہماری

دکھاتا یا رب ہر رنگ میں جلوہ ہمیں لیکن
کہاں سے لائیں وہ آنکھیں جن آنکھوں سے ہم دیکھیں

مگر وہ مشاہدۂ جمال سے محروم نہیں ہوتا ہے، بلکہ حسن عالم افروز اور جمال جہاں آرا کو دیکھتا ہے،

گر شعلہ میں گرمی ہے تو گل میں نزاکت ہے
ہر شے میں نظر آتی اللہ کی قدرت ہے،

جلوہ تجھے وہ اپنا ہر شے میں دکھاتا ہے
پردہ تری آنکھوں کا پر تیری ہی غفلت ہے

اور جب وہ دیکھ چکتا ہے تو بے خود اور سرمست ہو کر نعرہ زن ہوتا ہے،

ترا حسن ہم جلوہ گر دیکھتے ہیں
جہاں دیکھتے ہیں جدھر دیکھتے ہیں

کریں کیونکر دل کی نہ ہم پاسداری
کہ ہر دل میں ہم تیرا گھر دیکھتے ہیں

طالب حقیقت جب مطلوب کے دیدار سے شرف اندوز ہوتا ہے، تو اس موقع کی لذت کی کیفیت جو ظفر نے بیان کی ہے، وہ ملاحظہ ہو،

مری آنکھ بند تھی جب تلک وہ نظر میں نور جمال تھا
کھلی آنکھ تو نہ خبر رہی کہ خواب تھا کہ خیال تھا

کہو اس تصور یار کو کہوں کیوں نہ خضر محبتہ بے
کہ ہی تو دشت فراق میں مجھے رہنمائے وصال تھا

مرے دل میں تھا کہ کہوں گا میں جو زبان پہ رنج و ملال ہے
وہ جب آ گیا مرے سامنے نہ تو رنج تھا نہ ملال تھا

وہ بھی ہو نہ وہ ہر پہ جفا وہاں لطف کیسا وہ کہاں
فقط اپنا وہم و خیال تھا یہ خیال امر محال تھا

یہی دُس کے تری صدا تو شوق دید جو بڑھ گیا
مجھے اضطراب کمال تھا یہی وجد تھا یہی حال تھا

ظفر اس سے جو محبت کی تو یہ جا بہ میں کہ دیا تھی
فقط ایک قید خودی کی تھی نہ قفس تھا کوئی نہ جال تھا

ظفر اس قرب و وصال کو اہل تصوف کی طرح ایک راز ضرور سمجھتا ہے، لیکن اس کا خیال ہے کہ یہ راز ایسا نہیں جو صرف محدود طبقہ ہی کو معلوم ہو سکے، خودی کو مٹا کر جس کسی نے دیدۂ بینا، اور دل مصفا، اور پھر سرگرمی جستجو اور جوش جنون پیدا کر لیا، تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ اس کا دل حقیقت آشنا نہ ہو سکے، سادے الفاظ میں اس نے حقیقت کے راز کو ہمارے سامنے کھول کر رکھ دیا ہے،

بیان کی سادگی ظفر نے جس طرح خیالات کو آسان اور سادہ بنانے کی کوشش کی ہے، اسی طرح اپنی شاعری مین زبان بھی نہایت ہی آسان اختیار کی ہے، اس کا پورا دیوان پڑھ جایئے مشکل سے کوئی غزل ایسی نظر آئے گی جس مین فارسی کی مغلق ترکیبین اور غیر مانوس الفاظ استعمال کئے ہون گے، اسی لیے بعض ہمعصر شعرا، کی طرح اس کی غزلون مین بہت کم بیان اور معنی کا الجھاؤ پیدا ہونے پایا ہے، بعض غزلین تو سلاست اور روانی کا نمونہ ہین، کچھ ایسی بھی ہین کہ اگر انکی نثر بنانا چاہین تو لفظون کو آگے پیچھے کرنے کی بھی ضرورت نہین پڑے گی، مثالین ملاحظہ ہون:-

ان کے دل مین غبار ہے دیکھین   کس طرح سے صفائی ہوتی ہے
عاشق! زیر تیغ سر دھر دو   ابھی مشکل کشائی ہوتی ہے

آشنا ہو تو آشنا سمجھے   ہو جو نا آشنا تو کیا سمجھے
ہم اسی کو بھلا سمجھتے ہین   آپ کو جو کوئی برا سمجھے
تو ہی کعبہ مین تو ہی بتکدہ مین   ہے وہ مشرک جو دوسرا سمجھے
اے ظفر وہ کبھی نہ ہو گمراہ   جو محبت کو رہنما سمجھے

مین ہون عاصی کہ پر خطا کچھ ہون   ترا بندہ ہون اے خدا کچھ ہون
جز وکل کو نہین سمجھتا مین   دل مین تھوڑا سا جانتا کچھ ہون

صنما ہم کہین تو کیا کہوین   بخدا ہم کہین تو کیا کہوین
مدعی کہنے ہی نہین دیتے   مدعا ہم کہین تو کیا کہوین

مثل فوارہ سربلند نہ کر   کہ بلندی کے ساتھ پستی ہے
رنج و غم کو خدا رکھے آباد   خانۂ دل مین ایسی بستی ہے

وہ بت جمال اور ہی ہے   اس مین دیکھا کمال اور ہی ہے

آنکھوں پر خودی اور نفس کا پردہ پڑا ہے، اگر یہ پردہ ہٹ جائے تو تمام رموز سربستہ اور اسرار پوشیدہ ظاہر ہو جائیں، اور دل انوار الٰہی کا مظہر بن جائے، پھر ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی تفاوت باقی نہ رہے، اسی کو واضح کرکے کہتا ہے ؎

دیا اپنی خودی کو جو ہم نے اٹھا وہ جو پردہ سا بیچ میں تھا نہ رہا
رہے پردے میں اب نہ وہ پردہ نشین کوئی دوسرا اسکے سوا نہ رہا

ایک جگہ اور کہتا ہے،

اگر ہے دیکھنا اس کو اٹھا دے اپنی ہستی کو — اگر تجھ میں اور اس میں پردۂ حائل ہے تو بس یہ ہے

پھر کہتا ہے:-

ہر جائے ہے قدرت تماشا مرے آگے — لیکن مری غفلت کا ہے پردہ مرے آگے

اب اس کے لیے ظفر کے یہاں عرفی کی طرح "شعار ملت اسلامیان"[1] چھوڑنے اور نہ غالب کی طرح رسوم و قیود کے ترک کرنے[2]، اور نہ عام صوفیوں کی طرح حال و قال اور مقام و قیام پر پابند ہونے کی ضرورت ہے، ظفر کے نزدیک تصوف کی راہیں پیچ در پیچ نہیں،

راہیں ہیں دو مجاز و حقیقت ہے جنکا نام — رستے نہیں ہیں عشق کی منزل کے چار پانچ

چنانچہ اسکے یہاں انوار معرفت حاصل ہوتے ہیں تو اس طرح کہ

پردہ دوئی کا بیچ میں حائل اگر نہ ہو — دیکھے جدھر نگہ وہی پیش نگاہ ہے

---

[1] عرفی نے کہا ہے:-

شعار ملت اسلامیان بگذار گر خواہی — کہ در دیر مغان آئی و اسرار نہان بینی

[2] مرزا غالب کہتے ہیں:-

ہم موحد ہیں ہمارا کیش ہے ترک رسوم — ملتیں جب مٹ گئیں اجزائے ایمان ہو گئیں

دل کسی غنچہ لب کو تم نے دیا ۔۔۔ اے ظفر تم جو رہتے ہو چپ چپ

جس کو سناؤں دردِ دل آئے نہ اسکو تاب ۔۔۔ سنتے ہی یہ کہے کہ بس اے دردمند بس

اتنی زبان دراز نہ ہویان بھی ہو زبان ۔۔۔ بس آگے کیجیے زبان اپنی بند بس

میری نگاہ ہے وہ غضب دیکھکر جسے ۔۔۔ خنجر تو الحفیظ کہے الامان تیغ

ہون وہ مشکل زلف برہم اور یہان ۔۔۔ ان کی زلفون کی بلائین لون تجھ خوش

آؤ گھر میرے اے صنم آؤ ۔۔۔ تمھیں اللہ کی قسم آؤ

قاصدو لاؤ جلد خط کا جواب ۔۔۔ ایک دم جاؤ ایک دم آؤ

اے بتو میرے خانۂ دل کو ۔۔۔ دیر تم سمجھو یا حرم آؤ

میری گریہ سے ہے اگر منظور ۔۔۔ سیر آبِ روان ادھر آؤ

اتنی تاثیر ہے کہان کہ جو تم ۔۔۔ سن کے میری فغان ادھر آؤ

آگئی میری جان ہونٹون پہ ۔۔۔ اب تو اے میری جان ادھر آؤ

جاؤ تنہا نہ تم تمھارے ساتھ ۔۔۔ جائے گی میری جان کھڑے تو رہو

ہے پڑی دل جلون کی آہ جہان ۔۔۔ تاب کیا تم وہان کھڑے تو رہو

قد پہ نازان ہے اپنے سرو چمن ۔۔۔ اک ذرا تم بھی ہان کھڑے تو رہو

شکایت کس سے کی مین نے بلا تو سامنے اسکو ۔۔۔ کرون گا شکوہ مین تیرا معاذ اللہ معاذ اللہ

قد جانان کو دو تشبیہ کیونکر نخل طوبیٰ سے ۔۔۔ کہان وہ قد کہان طوبیٰ معاذ اللہ معاذ اللہ

جو کہ عاشق کو جلائے جون شمع ۔۔۔ وہ بھی جلتا رہے، آمین اللہ

اپنے مرنے کی دعا مانگون ۔۔۔ وہ ستمگر کہے آمین اللہ

جو ستاتا ہے تجھے ان کو بھی ظفر ۔۔۔ عوض اس کا ملے آمین اللہ

ترا ابرو کہاں ہلال کہاں | مہ جبین پر ہلال اوری ہے

سہل ممتنع کی مثال ملاحظہ ہو:-

وہ دل اپنا صنم | کیوں نہ ہم تجھ سے کہیں
چپ رہا جاتا نہیں | کب تلک چپکے رہیں
بھر رہا ہے دل مرا | کیوں نہ پھر آنسو بہیں
چشم و دل دونوں ہے | ہم بھلا کس کو کہیں
یہ ترے جور و ستم | یار ہم کب تک سہیں
اس غزل پر سب ظفر | آفریں تجھکو کہیں

ظفر کی شاعری کا بڑا حصہ اسی سادگی کا مکمل نمونہ ہے، ہر جگہ طرزِ بیان صاف، سادہ اور سہل ہی، بھاری اور گران لفظ بہت ہی کم ہیں، ظفر نے اس قسم کا طرز جانکر اختیار کیا، خود کہہ گیا ہے،

اے ظفر چاہیے ہاں لطف سخن میں ایسا | کہ جسے سن کے ہوں سب عالم و جاہل محظوظ

چنانچہ بعض اوقات یہ سادگی اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اس کی شاعری روزمرہ کی گفتگو معلوم ہونے لگتی ہے، مثلاً:

مر گیا بیمار اس کے نرگسِ بیمار کا | دوستو اچھا ہوا اچھا ہوا اچھا ہوا
خیر تجھے کیا ہوا بگڑی کہیں اس یار سے | آج کیوں تو اے ظفر پھرتا ہے گھبرایا ہوا

ساتھ میرے چلے چلو چپ چپ | راہ میں تم نہ کچھ کہو چپ چپ
گھر میں چل کر شکایتیں کرنا | یاں نہ مجھ سے گلہ کرو چپ چپ
میرے جاتے ہی ان کی غیروں کو | پھر لگی ہونے گفتگو چپ چپ
ابھی صیاد کی لگی ہے آنکھ | نہ کرو شور بلبلو چپ چپ

زیرِ خنجر ترے بسمل جو یہ دم توڑتے ہین
کوچۂ غم مین پھر آنے کی قسم توڑتے ہین

دل مرا ایسے جو وہ سنگِ ستم توڑتے ہین
کیا ستم کرتے ہین کیون ساغرِ جم توڑتے ہین

ہر قدم پر ترے دیوانے سرِ دشتِ جنون
سیکڑون خار سدا زیرِ قدم توڑتے ہین

ابرِ مژگان سے بندھی رہتی ہے اشکون کی جھڑی
تار رونے کا نہین دیدۂ نم توڑتے ہین

جام مل دیتے ہین تو کرتا ہے تامل ساقی
تو بہ ہم آج ترے سر کی قسم توڑتے ہین

ہین یہین سبحہ و زنار برابر دونون
نہ ہم یہ جوڑتے ہین اور نہ یہ ہم توڑتے ہین

تے ہین پھر سر کاوش کبھی حضرتِ عشق
سیکڑون دل مین مرے نشترِ غم توڑتے ہین

نفسِ سرکش کو ظفر توڑتے ہین جو اپنے
میرے نزدیک بڑا ہی وہ صنم توڑتے ہین

اسی طرح اڑ جانا سے خبر اڑ جانا، رونق اڑ جانا، نیند اڑ جانا، رنگ اڑ جانا، تاب اڑ جانا، ے اڑ جانا وغیرہ محاورے مستعمل ہوتے ہین۔ ان کو بھی ظفر نے اپنے اشعار کی لڑیون مین پرو دیا ہے۔

جب چمن مین اسکے آنیکی خبر اڑ جائیگی
گل کی رونق دم مین لے بادِ سحر اڑ جائیگی

آپ کا کیا جائیگا گر خواب مین آ نگے تم
نیند آنکھون سے ہماری رات بھر اڑ جائیگی

خون کو مل لیگا میرے تو کفِ پا سے ترے
سرخی رنگِ حنا اے فتنہ گر اڑ جائیگی

تئے گا وہ مہ وش لے دل تو شبنم کی طرح
تاب و طاقت میری اسکو دیکھکر اڑ جائیگی

یہ صبا سے کوئی پوچھے تیرے کیا آئیگا ہاتھ
خاک میری اس کے کوچے سے اگر اڑ جائیگی

شعلۂ رخسارِ ساقی گر ہوا پرتو فگن
مے جو ہے ساغر مین تیرے لے ظفر اڑ جائیگی

بلا ڈال دینا، مصیبت ڈال دینا، زنجیر ڈال دینا، شمشیر ڈال دینا، قلم ڈال دینا، دریا میں ڈال دینا، جدائی ڈال دینا، آگ ڈال دینا، تاثیر ڈال دینا جیسے محاورات پر ظفر کی طبع آزمائی سنیے۔

محبت کے یہ معنی ہیں کہ ہیں نے | وہی چاہا کہ جو کچھ تو نے چاہا
فقیروں سے جو پوچھو لذتِ عشق | ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا ہا

اس بے تکلف طرز بیان اور انداز گفتگو کو سن کر اگر اہلِ سخن ظفر ہی کی زبان سے یہ کہیں کہ ان ع

اشعار کے تصدق اس گفتگو کے صدقے

تو شاید حق بجانب ہوں گے،

محاورات | اس سادگی کے باوجود ظفر کو زبان پر اتنی قدرت ہے، کہ بادشاہ سخن بن کر زبان اور الفاظ پہ فرمانروائی کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ قلعہ معلیٰ بلکہ اردو زبان کا کوئی محاورہ ایسا نہیں جو اس کے دیوان ہیں موجود نہ ہو، اور ان محاورات کو اس خوبی اور صفائی سے اپنے اشعار ہیں باندھ جاتا ہے، کہ اشعار کی روانی ہیں کہیں فرق نہیں آنے پاتا، مثلاً چرانا ہے، اب اس مصدر سے جو ممکن اور مروج محاورے تھے، ان سب کو ظفر نے اپنی ایک غزل ہیں استعمال کیا ہے، ملاحظہ ہو:-

محبت کی کوئی اب آنکھ تجھ سی ہم چراتے ہیں | علم ہوں گرچہ سو شمشیر کیں کب دم چراتے ہیں
نہیں شمشیر سے بجلی پہ چمکتی آنکھ میدان ہیں | نظر وہ دیکھ تیر ابروے پر خم چراتے ہیں
نہ ڈر کون کب تلک اشکوں کو اور ڈر کون تو ڈر ہے | کہ پانی زخم دل ملے دیدۂ پرنم چراتے ہیں
یہ طفل اشک ہیں وہ جو رباندھے چور مژگاں پہ | کہ آنکھوں ہیں سے کاجل دیکھو تو یہ ہم چراتے ہیں
ظفر سر عشق کو سر باز دیتے ہیں محبت ہیں | وگرنہ جان اپنی یاں بڑے رستم چراتے ہیں

یا مثلاً توڑنا ہے، دم توڑنا، قسم توڑنا، ستم توڑنا، قدم توڑنا، توبہ توڑنا، نشتر غم توڑنا، نفس سرکش کو توڑنا، اتنے محاورے کو ظفر نے جس طرح استعمال کیا ہے، ان کو بھی دیکھئے،

سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنے کو الفاظ کا تابع نہیں بناتا ہے، بلکہ الفاظ کو اپنا تابع بناتا ہے، اسی لیے وہ الفاظ کے ساتھ کھیلتا ہے، اور اسی تفریح اور کھیل مین زبان اور بیان مین ایک خاص لطف اور چاشنی پیدا کر دیتا ہے۔

صنایع لفظی۔ اس کا کلام لفظی صناعی سے جو متاخرین کے کلام کا زیور ہے خالی نہیں اپنے مصرع کے لفظون کو الٹ پلٹ کر دیکھیے کیسے دوسرا مصرع بنا لیتا ہے۔

یہی ایک غم ہے یہی اک الم ہے — یہی اک الم ہے یہی ایک غم ہے
مری چشم نم ہے اسی رنج و غم مین — اسی رنج و غم مین مری چشم نم ہے
خدا کی قسم ہے یہ کہتا ہون سچ مین — یہ کہتا ہون سچ مین خدا کی قسم ہے
کیا کب ستم ہے، کوئی شکوہ مین نے — کوئی شکوہ مین نے کیا کب ستم ہے
ظفر کیا ستم ہے، ہوا دوست دشمن — ہوا دوست دشمن ظفر کیا ستم ہے

آیا سحاب ساقی تو لا شراب ساقی — تو لا شراب ساقی آیا سحاب ساقی
ہے پیچ و تاب ساقی زلفون سے تیرے دل کو — زلفون سے تیرے دل کو ہے پیچ و تاب ساقی
کیا مست خواب ساقی آنکھین ہین آج تیری — آنکھین ہین آج تیری کیا مست خواب ساقی
ہے آفتاب ساقی ہر ہم خنک لون کو — ہے ہم خنک لون کو ہر آفتاب ساقی
مت کر خراب ساقی تو بزم میکشان کو — تو بزم میکشان کو مت کر خراب ساقی
جام حباب ساقی دریا مین کس نے الٹا — دریا مین کس نے الٹا جام حباب ساقی
ہے یہ عذاب ساقی تو بے ظفر سے بدتر — تو ہے ظفر سے بدتر ہے یہ عذاب ساقی

بدیع کی اصطلاح مین اس کو "عکس" کہتے ہین، یہ صنعت اردو کے کسی اور شاعر کے یہان میری نظر سے نہین گذری، البتہ قدیم فارسی شعرا کے یہان پائی جاتی ہے، اس کے علاوہ دوسری لفظی صنعتین

دل پر بلائے زلفِ گرہ گیر ڈالدی
تو نے مصیبت اے مری تقدیر ڈالدی

جب روبرو وہ آئے تو پائے نگاہ مین
موجِ سرشکِ چشم نے زنجیر ڈالدی

اپنی بھوین بنا کے دکھائین جو یار نے
شمشیر گرتے ہاتھ سے شمشیر ڈالدی

لکھا جو ہم نے اپنی سرافگندگی کا حال
گردن قلم نے بھی دمِ تحریر ڈالدی

جب ہم سمجھ گئے کہ ہے تقدیر کیمیا
دریا مین ہم نے جیسی تھی اکسیر ڈالدی

چرخِ مہر و مہ بہم ہوئے دو بار گرد روز
تو نے جدائی اے فلکِ پیر ڈالدی

کیا خاک دل مرا ہو خالی کر اور بھی
تو نے نہ آگ نالۂ شب گیر ڈالدی

مانی دکھا کے اپنا مرقع خجل ہوا
جب اس کے سامنے تری تصویر ڈالدی

کیونکر نہ ہو اثر دلِ عالم مین اے ظفر
ترے سخن مین عشق نے تاثیر ڈالدی

کھینچنا کے مختلف محاورات بھی سن لیجیے :-

جو خنجرِ گل نے عندلیب زار پر کھینچا
تو قمری کو بھی ہے سروِ چمن نے دار پر کھینچا

کھڑا ہون محوِ حیرت یون لگا دیوار سے تیرے
کسی نے نقش ہو جیسے کوئی دیوار پر کھینچا

وفا کا کر کے تو اقرار ہم سے ہو گیا منکر
تری الفت سے ہم نے ہاتھ اس انکار پر کھینچا

جلا دیگا جہان کو دیکھ لینا یہ دلِ سوزان
جو نالہ اس نے اور اک آہ آتشبار پر کھینچا

خطِ رخسار کو تیرے جو دیکھا اے گلستان رو
قلم سب خوشنویسون نے خطِ گلزار پر کھینچا

ہوئی کچھ تو دلِ بسمل کی اپنی صورتِ تسکین
تری تصویر کو جب سینۂ افگار پر کھینچا

دلِ زخمی سے اپنے ناوکِ دلدوز کو اسکے
اگرچہ کھینچنا تھا اے ظفر دشوار پر کھینچا

ظفر کے دیوان مین محاورہ بندی کی سیکڑون مثالین ملین گی، ہم نے طوالت سے بچنے کے لیے صرف چند مثالون پر اکتفا کیا ہے، لیکن انہی سے اندازہ ہوا ہوگا کہ ظفر کو زبان پر کتنی قدرت ہے۔

پھپھولے دل پہ جو دس بیس داغ ہین دو تین   تو قمقمے ہین بہت اور چراغ ہین دو تین

۴۔ تلمیع یعنی کلام مین ایک حصہ دوسری زبان کا لانا، جیسے

جلوۂ شبنم و گل پر ہے رولاتی مجکو   دم گلگشت چمن یاد رخ پر عرقے

کچھ عوض دل کے وہ تکرار سہو دیتا ہو تو کیا   الے برالے یا قتلقے برتقے

رخ گلگون پہ ہے اس گل کے زنگ کی تحریر   جلوۂ صبح بہاران و بہار شفقے

اے ظفر تم کو ہے منظور اگر رد حسود   تو پڑھا کیجیے قل اعوذ برب الفلقے

۵۔ حسن التکریر، اس کی مثالین تو ظفر کے یہان کثرت سے ہین، ہم صرف چند اشعار پیش کرین گے۔

مجھ مین اور گل اس مین باہم گفتگو تھی صاف صاف   بات کی لغزش نہ تھی واللہ جو تھی صاف صاف

نکہت گل لے گئی دل کو ہمارے باغ مین   تیری ہی سی لے سراپا ناز و بو تھی صاف صاف

شمع کی طرح سے ہم رات کو روتے روتے   بہ گئے آنسوؤن مین صبح کے ہوتے ہوتے

موت یار آئی تو غفلت سے ہون یون ہم ہشیار   ڈر کے جون خواب مین چونکے کوئی سوتے سوتے

آگاہ تو کیا مجھے لذت سے عشق کی   زخمون مین اس نے میری نمک گر بھرا بھرا

کیا بھر دیے ہین کان خدا جانے غیر نے   غصے مین جو بھرے ہے وہ کافر بھرا بھرا

گہ یاس و گہ امید و گہے رنج و گہے خوشی   مہمان سرائے دل مین ہین مہمان عجب عجب

اے چشم یار بار نہ ہو دیکھ اشک بار   ہر بار تجھ سے اٹھتے ہین طوفان عجب عجب

گل جو چمن مین ہین ہزار دیکھ ظفر ہر کیا بہار   سب کا ہے رنگ جدا جدا سب کی ہے بو الگ الگ

تجھے دے ہے چن چن کے گلہائے تازہ   مرا دیدۂ خون چکان اچھے اچھے

گر آہ و نالہ دونون پیدا ہون ایک دل سے   لیکن الگ الگ ہے تاثیر اپنی اپنی

بھی ظفر کی شاعری مین پائی جاتی ہین، مثلاً

۱۔ تنسیق الصفات یعنی کسی موصوف کی پے در پے صفتون کا لانا، جیسے

شوخ چشمے خوش نگاہے بیوفے بدگمانے — دلفریبے دلنوازے دلربائے دلستانے

مست نازے فتنہ سازے تند خوے جنگجوے — ظلم کیشے ظلم کوشے ظلم خواہے ظلم رانے

کج کلاہے کج ادائے پرفریبے پرد غائے — بدطریقے بدشعارے بدمزاجے بدزبانے

خوش نگاہے خوبروئے بذلہ سنجے نغز گوئے — ہوشیارے حرف گیرے نکتہ طبعے نکتہ دانے

خودپرستے خودنمائے خودپسندے خودستائے — خودسرے ناآشنائے سرکشے نامہربانے

ہم ظفر ہین اس پہ مفتون خوار و رسوا از جنون — وہ یہ مانے یا نہ مانے وہ یہ جانے یا نہ جانے

۲۔ لزوم مالایلزم یعنی قافیہ کے آخری حرف (روی) کے پہلے کسی خاص حرف کا التزام کر لینا جیسے

توبہ اے ساقی نہین پینے کا مین جام شراب — مجھ کو اپنی بادۂ وحدت کی مستی خوب ہے

جس طرح مژگان بھی ہے مین بندھے اشکون کے تار — اس طرح بدلی نہین کوئی برستی خوب ہے

خواب مین جلوہ دکھا دیتا ہے وہ مہوش کبھی — چشم میری دیکھنے کو جب ترستی خوب ہے

راہ بہتر ہے وہ ہموار رہرو کے لیے — نہ بلندی ہو بہت اچھی نہ پستی خوب ہے

خودپرستی چھوڑ دو یہ بت پرستی ہو صریح — غافلو حق مین تمھارے حق پرستی خوب ہے

۳۔ سیاق الاعداد یعنی کلام مین اعداد کا لانا جیسے

چلنا مریض غم کو ترے آٹھ نو قدم — معلوم ہوئے ضعف سے دس بیس سو قدم

پہلے تھا ایک تم پھر ہوئے ایک کے دو — دو کے پھر چار ہوئے ہو گئے اب چار کے چھ

چار بار آٹھ پہر مین ہین وہ ان سے ملتے — ان سے ملنے کی ہین معلوم جنھین گھاتین چار

ناخن کرین ہین زخمون کو دو دو ملا کے ایک — تھے آٹھ دس سو ہو گئے اب چھل کے چار پانچ

دکھا دے کان کے بالے میں اسکو زلف الجھا کر
نہ دیکھا جس نے ہو مارِ سیہ سے لڑتے بچھو کو

کہتا ہوں دل کو زلف کی ناگن سے کر حذر
جاتی پلٹ ہے دیکھ یہ بدذات کاٹ کے

زلف آ گئی صبا سے وہ خالِ دہن کے پاس
مارِ سیاہ کھیلے ہے کیا اپنے من کے پاس

ناگن سی باغ میں کوئی لہرا رہی ہے یہ
یا زلف تیرے چہرہ پہ کھائے ہے بل پڑی

ہوا سے یوں جو تیری زلف عنبریں اٹھی
کسی کو ڈسکے یہ ناگن نہ ہو کہیں اٹھی

یار کی زلف کو سنبل سے تشبیہ دینا عام بات ہے، مگر دیکھیے کہ ظرفا نے اسی ایک تشبیہ ذرا ذرا رنگ بدل کر کس کس طرح ادا کیا ہے،

مجھے آئے نہ رونا دیکھ کر کیوں سنبل تر کو
کہ بھر جاتی ہے اسکی زلف کی یاد آنکھوں میں

سنبل کی طرح سے نہ رہے پھر ہمیں مطلب
یکدست جو تم کاکلِ خمدار دکھا دو

سنبل ہی کیا پریشان ہو دیکھ زلف تیری
موجِ نسیم کو بھی ہے پیچ و تاب ساقی

تا حشر نہ ہو خواہشِ نظارۂ سنبل
تم ہم کو اگر زلفِ گرہ گیر دکھا دو

مرے مزار پہ روئیدہ کیوں نہ ہو سنبل
کہ تیری زلف سے ہے دل کو پیچ و تاب ہنوز

تری زلف کے سامنے آب کیا
کہ بل باغ میں شاخِ سنبل کرے

سنبل چمن میں کیونکر نہ ہو غرقِ آبِ شرم
منہ دھو کے وہ بال سنوارے علی الصباح

اگر ہو عکس افگن یار کی کاکل سمندر میں
تو پیدا جائے موجِ آب ہو سنبل سمندر میں

انھیں ہے رشک سے اس زلفِ پرشکن کی عجب
کہ شاخِ سنبلِ تر کھا کے پیچ و خم ٹوٹے

بیاں کیونکر بھلا ہوئے حدیث اس زلف پیچاں کی
نہ جب تک چل کے کیجیے سیر سنبلستاں کی

زلف اسکی پرشکن سے کیا بلا کرتی ہے بل
دیکھ کھا گئی شکستیں شاخِ سنبل باغ میں

سنبل بجان اگے کیونکر نہ اسکی خاک سے
مر گیا جو دیکھ کر اس زلفِ عنبر بو کے بل

خالی نہین جہان مین تمنا سے کوئی دل | ہر ایک مین ہے گرچہ تمنا جدا جدا

ایک ہی تشبیہ کو طرح طرح کو ادا کرنا

ظفر کے یہان ایک چیز اور ہے، جس سے اس کی قدرتِ کلام کا حال معلوم ہوتا ہے، زلف اور سانپ کی تشبیہ معمولی چیز ہے، مگر دیکھیے کہ ظفر اس معمولی چیز مین اپنی جدتِ طبع سے کیسی کیسی ندرتین پیدا کرتا ہے،

نہین اس رخ پہ زلف او زیرِ زلف اس زلف کا شانہ | چمن مین ناگ سا لڑتا ہوا ناگن سے نکلنے مین

دیکھ کر آئینے مین وہ زلف کو کہنے لگا | بند پانی مین پڑا طرفہ کہین کا سانپ ہو

چاند پر دوڑتا ہے مارِ سیاہِ شبِ تار | رخِ روشن پہ ترے زلف کے بل کھانے سے

زلف یون رخِ عرق آلودہ پہ لہرائے ہے | صبح جون ناگن گلون پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یون چہرے پہ ہلتی ہے ہوا سے اسکے | جس طرح مارِ سیہ کھائے ہے بل باؤ کے بل

جس طرح مارِ سیہ گل سے لپٹ جاتا ہے | زلف یون تیری گئی ہے گلِ رخسار سے مل

جون شانہ اسکو لے دلِ صد چاک تو چھیڑ | مارِ سیہ سے کم نہین ہرگز گزندِ زلف

ناگنی زلفِ بتان کی یہ عجب کافر ہے | کاٹ کے بیٹھی ہے جہان ہو کے دوتا او طرف

کیا تماشا ہے تری زلف کا عکس آئینہ مین | سانپ کی طرح سے لہرائے ہے تالاب مین موج

نچوڑے زلف نہا کر جو وہ تو قطرۂ آب | دہان پہ مارِ سیہ کا لعاب ہے خالص

حلقہ ہے بلا زلف کا اے پنجۂ شانہ | دیکھو کہیں انگلی نہ سیہ مار کے منہ مین

اڑ کر بھی زلفِ یار سے ناگن نہ بچ سکی | جس وقت اس کے منہ پر چڑھی مار کھا گئی

سوچتا ہی مین ہون اس زلف دو گوش کو دیکھ | سانپ کو پکڑون کہ مین سانپ کے منکو پکڑون

نہین اس یار کے رخِ عرق آلودہ پہ زلف | اس کو چاٹتا ہے سانپ یہ پیاسا کالا

کیون سوتے سوتے چونک اٹھے خواب مین ظفر | وہ مارِ زلف دیکھ کے شاید ڈرے سے ہو

جیسے ہیں چین اس ابروئے پرخم پہ خوشنما — جوہر کہیں بھی ایسے نہ شمشیر پہ کھلے

ابرو ہلی جو اس کی عجب سیر ہو گئی — تلوار چلتے چلتے رہی خیر ہو گئی

معشوق کی مست آنکھون کا نقشہ کس کس طرح کھینچتا ہے ۔

یاد چشم مست میں اس کی یہ کیفیت رہی — ہوش باطن مین رہا ظاہر مجھے غفلت رہی

ہم نہ کہتے تھے کہ نرگس کو دکھا مت چشم مست — نیند اس کی آنکھ سے لے مست خواب اڑجائیگی

کردیا اک نگاہ مین بے خود — چشم کا فن ہے کیا خدا جانے

تری آنکھوں نے خدا جانے کیا کیا جادو — ہم بھی دانا تھے پر اب پھرتے ہیں دیوانے سے

ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر سے — یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو ،

سو فتنۂ خوابیدہ بیدار ہون اک پل مین — گر خواب مین بھی دیکھے اس نرگس فتان کو

مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی — وہ چشم مست ساقی جام جم ہے ،

مین مستی مین جو تو اپنی دکھلائے آنکھ — شرم سے نرگس کی گلشن مین نہ کیون جھک جائے آنکھ

اشک آنکھون مین اپنی کیون نہ بھر کر — ساغر مے دیکھ کر جس کو تری یاد آئے آنکھ

اپنی چشم مست کی گردش نہ اے ساقی دکھا — دیکھ چکر مین ابھی جام شراب آجائے گا

بھرا ہوا ہے تری چشم مست مین یون ناز — کہ جس طرح سے مئے ناب ہو ایاغ کے بیچ

اٹھا کے آنکھ نہ دیکھا چمن مین نرگس نے — رہا جو اس کو تری چشم پر حیا کا لحاظ

کرے ہے فتنہ ترے چشم فتنہ زا کا لحاظ — یہ وہ بلا ہے بلا کو ہے اس بلا کا لحاظ

کشتہ ہون چشم مست کا میرے مزار پر — لازم ہے جام بادۂ انگور کا چراغ

روشن ہو چشم مست کے کشتے کی گور پر — روغن کی جائے بادۂ انگور سے چراغ

کیفیت اپنی چشم سیہ مست کی نہ پوچھ — صوفی تمام دیکھ کے میخوار بنگئے

ہے نہ قربان ہی رخ قاتل خونریز پہ گل　　کھاتی سنبل بھی ہے اس لعبت لاویز پہ گل

سنبل پہ گئی اوس سی پڑ جب کہ دم غسل　　پانی تری اس زلف گرہ گیر سے ٹپکا

یار کے ابرو کو شمشیر سے تشبیہ ہر شاعر نے دی ہے، مگر دیکھیے کہ ظفر نے اس تلوار کے کیسے کیسے ہاتھ دکھائے ہیں،

جب ہو گئی وہ ابروے خمدار سامنے　　دی پھینک اپنے ہاتھ سے تلوار سامنے

کون ہمسر ہو سکے اس ابروے خمدار سے　　دم زدن اتنا تیغ میں، اسنے اس قدر خنجر میں ہے

کون منت کش شمشیر اجل ہو ترا قتل　　طاق تیرا خم ابرو بھی ہے خونخواری مین

قتل کرین اک عالم کو وہ ابرو کے خم ایسے ہین　　ان شمشیرون کے ہین مقابل دیکھو بانہم ایسے ہین

کس نے دیکھا خم ابرو کو ہے پیمانے مین　　چل رہی آج جو تلوار ہے میخانے مین

نہین شمشیر سے جن کی جھپکتی آنکھ میدان مین　　نظر وہ دیکھ تیرا ابروے پرخم چراتے ہین

ہے طرفہ طلسم ابرؤون مین تیرے جو ٹیکے　　اک قبضہ تلوار مین ہین عربدہ گر دو

کیا لائے اس ابرو کی بھلا تاب دم تیغ　　ہو جائے اسے دیکھتے ہی آب دم تیغ

جب جنبش ابروے تری قتل ہو عالم　　پھر شرم سے ہو جائے نہ کیون آب دم تیغ

جلاد دکھا اپنی تو شمشیر تو مجھ کو　　کشتہ ہون مین ابرو کا جو ہے آب دم تیغ

تیغ ابرو سے ہین جانباز ظفر سینہ سپر　　بے اجل پڑتا نہین دھار سے تلوار کے خط

ابرو پہ اس کے چین کا عالم ظفر ہے اور　　جوہر نہان ہین یہ کسی شمشیر مین غلط

ابرو کو اسکی کہتے ہین سب تیغ اصفہان　　ہے اصفہانیون مین کمان ایسا خم دو تیغ

کہان ہے دل مین گنجائش تری تیغ دو ابرو کی　　میان کب اک میان مین دو ہم شمشیر ہوتی ہین

جہان کو جنبش ابرو سے اس نے قتل کیا　　الٰہی اسکی یہ شمشیر چل گئی تھی کیون

ترے بیمار غم کا حال ہے یہ ناتوانی سے ۔ کہ اُس نے آج بستر پر ذرا کروٹ نہین بدلی

بقیہ قافیے ۔ کھٹ کھٹ نہین بدلی، پٹ پٹ نہین بدلی، چوکھٹ نہین بدلی، جھٹ پٹ نہین لی، اٹ سٹ نہین بدلی، وغیرہ،

دل جل گیا ہمارا جگر بھن گیا تمام ۔ الفت تمھاری شعلہ رخو بھاڑ مین پڑے

کھڑکا ڑمین پڑے، تاڑ مین پڑے، چوپاڑ مین پڑے، ہڑواڑ مین پڑے، بوچھاڑ مین پڑے، دھاڑ مین پڑے وغیرہ

یہ خانہ باغ ہے موجود سینہ پر داغ ۔ جو سیر دیکھے تو وہ دل کی شہ نشین پہ ٹکے

زمین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، آتشین پہ ٹکے، مہ جبین پہ ٹکے، نگین پہ ٹکے، یاسمین پہ ٹکے وغیرہ،

اسیطرح مختلف سنگلاخ زمینون مین ظفر نے جو زور طبع دکھایا ہے، وہ خاص اسی کا حصہ ہے، وہ نئی نئی زمینین نکالتا تھا، اور ان مین شعر کہکر اپنی مشکل پسندی کا اظہار کرتا تھا، اس کے معترف مولانا محمد حسین آزاد بھی ہین، جو ظفر کے تمام کلام کو ذوق کے خوان شاعری کی محض زلہ ربائی سمجھتے ہین، وہ بادل ناخواستہ رقم طراز ہین کہ ظفر شاعری مین طبیعت اور ایجاد کا بادشاہ تھا، اس کی ان جدتون کے نمونے بھی اس قدر زیادہ ہین، کہ ان کا ایک ایک شعر بھی نقل کرنا طوالت کا باعث ہوگا، کچھ نمونے ملاحظہ ہون، خط کشیدہ قوافی مین پوری پوری غزلین ہین،

جو درد ہوتا تو غل مچاتا جو سایہ ہوتا تو سر ہلاتا ۔ الہٰی دل کو مرض یہ کیا ہے نہ منہ سے بولے نہ سر کھیلے

ہم اپنا عشق چمکائین تم اپنا حسن چمکاؤ ۔ کہ حیران دیکھکر عالم ہمین بھی ہو تمھین بھی ہو

زبان مین ہو اثر میری تو شاید دل بھرے اس سے ۔ اگر ناصح دعا دل کو کوئی یون ہو تو یون بھی ہو

بجز رونے کے ہان چشم عنایت ہو تو کیونکر ہو ۔ کہ بے اشک ندامت جوش رحمت ہو تو کیونکر ہو

رباب و چنگ ہو بزم طرب ہو اور مطرب ہو ۔ دف ٹنے ہو وہان ہو جیکر تو جلین ہون تماشا ہو

منظور ہے ظفر کو لکھے وصف چشم یار | نرگس کے قط قلم کوئی اے ہمنشین تراش

چشم مست اسکی ہے ہی جائے ہے ہو ش | گرچہ ہم ہو شیار رہتے ہین

چشم اس کی خود ہے سحر نگاہین ہین | حاجت نہین ہے سرمہ جادو کی آنکھ مین

کاسۂ چشم تصور چھوڑ کر اپنا کبھی | اے ظفر محو تماشا ہین جام جم مین ہون

بغیر بادہ کبھی اس شوخ خود پرست کی آنکھ | نشے مین حسن کے ایسی ہے جیسے مست کی آنکھ

مشکل بندی | گر ظفر کا زور طبع اور کمال فن اس وقت نظر آتا ہے، جب وہ نہایت مشکل اور سنگلاخ ردیف اور قافیے اختیار کرتا ہے، اس کی مثالین اس کے دیوان مین اس کثرت سے ہین کہ اس کتاب کے محدود صفحے ان کے متحمل نہ ہوسکین گے، گو سخن شناسی کا تقاضا تو یہی تھا، کہ اس نے جتنے مشکل قوافی مین طبع آزمائی کی ہے، اور جن سنگلاخ زمینون مین جولانیان دکھائی ہین، ان سب کی داد دل کھول کر دی جاتی، مگر ہم تھوڑے سے اشعار پر اکتفا کرتے ہین، قوافی کی مثالین :-

بادۂ ساغر و شیشہ نہین ابرک کے ورق | ساقیا کیونکر کہون شیشے کو عینک کے ورق

یون ہین لخت دل پیاہم مرے اشک کے ساتھ | جیسے قرآن سے ہوا تھا مین کو وک کے ورق

اس غزل مین چونک کے ورق، زردک کے ورق، چشمک کے ورق، مشک کے ورق، بابک کے ورق وغیرہ بھی قافیے ہین،

دیکھے خاک بہ دلہائے پاش پاش کے بھینک | جو پھینکے بھی تو سرِ راہ اپنی کاش کے بھینک

ہلال عید فلک پر ہو منفعل کیا کیا | زمین پر ناخن پا تو جو سے تراش کے بھینک

ماش کے بھینک، تلاش کے بھینک، خراش کے بھینک، معاش کے بھینک، قماش کے بھینک کو بھی استعمال کیا ہے،

میرؔ — فائدہ مصر میں یوسف رہے زندان کے بیچ — بھیج دے کیوں نہ زلیخا سی کنعان کے بیچ

ظفرؔ — دم میں دم ہے یہ نہیں جان نہیں جان کے بیچ — زلف کیا کہتی ہے جھک جھک کے ترے کان کے بیچ

دردؔ — دیکھیے جس کو یہاں اس سے اور ہی کچھ دماغ ہے — کہ یک شب چراغ بھی گوہر شب چراغ ہے

ظفرؔ — دیتا فروغ دل میں محبت کا داغ ہے — رہتا بغیر داغ یہ گھر بے چراغ ہے

انشاءؔ — بنا کے چھوڑ دیں جو افیوں کا شراب میں سانپ — تو صاف آوے نظر جرم آفتاب میں سانپ

ظفرؔ — اگر شراب کی موجیں نہیں شراب میں سانپ — خط شعاع سے لہریں آفتاب میں سانپ

مصحفیؔ — سر مشک کا ہے تیرا تو کافور کی گردن — نے موئے پری ایسے نہ یہ حور کی گردن

ظفرؔ — دیکھے جو ہمارے بت مغرور کی گردن — غلمان کے تن سے ہو جدا حور کی گردن

آتشؔ — ذرہ خورشید ہو پہنچے جو در یار کے پاس — سایہ بن جائے ہما لوٹ کے دیوار کے پاس

ظفرؔ — آبلہ سینہ پہ ہے میرے دل زار کے پاس — یا کہ شیشہ سا دھرا ساقی سرشار کے پاس

ناسخؔ — ایک شب جو تیری محفل میں نہ پائے بار شمع — صبح ہوتے ہوتے ہو مانند رشتہ زار شمع

ظفرؔ — دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع — تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

شیفتہؔ — دن سے یہاں آنے کی تدبیر ہے — کیا اثر نالۂ شب گیر ہے

ظفرؔ — شوق خار دشت دامن گیر ہے — اور مجنوں پائے در زنجیر ہے

غالبؔ کا طرز بیان اور ان کی نکتہ آفرینیاں اپنی جگہ پر، لیکن ایک ہی قافیہ اور ردیف میں ظفرؔ نے اپنے استاد کی تقلید میں جو اشعار کہے ہیں، وہ بھی ذرا سن لیجیے:

غالب	ظفر
ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو	کیا ذکر کچھ کلام میں واعظ کے ہو مزا
بنتی نہیں ہے بادہ و ساغر کہے بغیر	محفل میں وصف بادہ و ساغر کہے بغیر

کس سے انھوں نے مہر و فا کی جس سے لیا دل اس سے دغا کی — ان سے ہو کیا امید کرم یہ کس کے ہوئے اور کس کے ہوں گے

شرارہ سے کہتے تھے شعلے شب کو نالوں کے — کہ چمکے چرخ پہ اختر نہ ہم جیسے نہ تم جیسے

نہیں گل تن پہ عشق دلربا میں پھول کھلے ہیں — تماشا ہم نے یہ رنج و بلا میں پھول کھلے ہیں

غم نہیں مٹنے نہ ہونے کا کہ بے پروا ہیں ہم — ہے تو ہے سب کچھ میسر کچھ نہیں تو کچھ نہیں

خالی نہیں خلش سے محبت کے کوئی بھی — یارو کھٹکتی جان میں یہ گل کی پھانس ہے

ظفر کی طبیعت کو مشکل زمینوں میں جولانی دکھانے میں خاص مناسبت تھی۔ وہ خود کہہ گیا ہے کہ

دل اپنا فکر غزل میں ظفر نہیں لگتا — زمین غزل کی نہ ہوئے اگر انوکھی سی

اور اس مشکل بندی کو وہ اپنا امتیاز سمجھتا ہے،

زمین سہل میں تو ہیں سبھی کچھ شعر کہہ لیتے — ظفر کہتے غزل جو ایسی مشکل میں تو آپ ہی ہیں

ایک دوسری جگہ کہتا ہے،

ظفر مشکل پسندی تیری سی اب کس کو آتی ہے — سخنور دیکھ کر یہ طرز مشکل ہاتھ ملتا ہے.

ایک جگہ تو چیلنج دیتا ہے،

ظفر ان قافیوں میں کہہ نہیں سکتا غزل کوئی — اگر کہتا بھی ہو تو تجھ سے اصلاح غزل لیجے

ظفر کی یہ تعلی ایک حد تک بجا ہے۔ اس کے ہمعصر شعرا میں سے کسی نے بھی ایسے سنگلاخ قافیوں ردیفوں، اور زمینوں میں غزل نہیں لکھی ہے۔ انشا اور شاہ نصیر کے یہاں اس کی مثالیں ملتی ہیں، مگر اتنی نہیں

ظفر اور اساتذۂ سخن ظفر کا زور طبع اسی پر ختم نہیں ہوتا، بلکہ ریختہ کے جتنے با کمال شعرا گذرے ہیں ان کی غزلوں پر غزلیں کہی ہیں، ان کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں:-

بلکہ صرف اس قدر دکھانا مقصود ہے کہ

ظفر کہتے ہین ہم بھی وضع استادانہ رکھتے ہین

ظفر و میر | اوپر غزلون مین ظاہری حیثیت سے باکمال شعراء کے کلام کے مقابلہ مین ظفر کا زور طبع دکھایا گیا ہے، معنوی حیثیت سے بھی اس کے کلام مین مختلف اساتذہ کا رنگ پایا جاتا ہے، میر کے رنگ مین کہتا ہے :

تیرے جس دن سے خاک پا ہین ہم　　خاک مین لیک کیمیا ہین ہم
تیرہ بختی مین ہین پہ بخت سفید　　کیا مگر سایۂ ہما ہین ہم
ہم ہین جون زلف و عارض خوبان　　گو پریشان ہین خوشنما ہین ہم[1]

یہ کراہا تیرا بیمار الم درد کے ساتھ　　کسی ہمسایہ کو بیمار نے سونے نہ دیا
مین وہ مجنون ہون کہ زندان مین نگہبانون کو　　میری زنجیر کی جھنکار نے سونے نہ دیا

بالین پہ اس کے شور مچاؤ نہ ہمدمو　　نازک بہت ہے عشق کے بیمار کا دماغ

یہان تلک روئے جدائی مین ترے دن رات ہم　　اشک کی جا چشم سے لخت جگر پیدا ہوا

میر کے طرز پر چھوٹی بحرون مین بھی غزلین لکھی ہین مثلاً

گور، کنج فراغ ہے اپنا　　داغ اپنا چراغ ہے اپنا
کون کنج حزن مین ہو دمساز　　ایک دل سوز داغ ہے اپنا

درد دل درد آشنا جانے　　اور بے درد کوئی کیا جانے

---

[1] اسی قافیہ اور ردیف مین میر کی ایک غزل کا مطلع ہے؛

گرچہ آوارہ جون صبا ہین ہم　　لیک لگ چلنے مین بلا ہین ہم

میر کی اس غزل پر ظفر نے مخمس بھی لکھا ہے، جو اس کے دیوان جلد اول صفحہ ۱۹۳ پر ملاحظہ ہو،

غالب

سب کہاں کچھ لالہ و گل میں نمایاں ہو گئیں
خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں

وہ نگاہیں کیوں ہوئی جاتی ہیں یا رب دل کے پار
جو مری کوتاہیٔ قسمت سے مژگاں ہو گئیں

نیند اسکی ہے، دماغ اسکا ہے، راتیں اسکی ہیں
تیری زلفیں جس کے بازو پر پریشاں ہو گئیں

ظفر

واہ اس صورت کدہ میں دیکھتے ہی دیکھتے
صورتیں کیا کیا نظر سے اپنے پنہاں ہو گئیں

جس سے چار آنکھیں تری اے آفت جاں ہو گئیں
تیر سی اس کے جگر کے پار مژگاں ہو گئیں

اے ظفر دل کی پریشانی کا ہے میرے اثر
یہ جو اس کافر کی زلفیں ہیں پریشاں ہو گئیں

اللہ رے ذوق دشت نوردی کہ بعد مرگ
ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

یہاں تک ہے ذوق دشت نوردی کہ دوں نکال
ہیں اپنے بعد مرگ بھی باہر کفن کے پاؤں

مومن کی ایک غزل کا مطلع ہے۔

نامہ رونے میں جو لکھا تو یہ بھیگا کاغذ
کہ بنا ہم گہر صفحۂ دریا کاغذ

ظفر نے قافیہ کے تغیر کے ساتھ اسی ردیف میں کئی غزلیں کہی ہیں:

جوش گریہ کا برا ہو کہ ترے نامہ کو
دیا آنکھوں سے بھی ہم کو نہ لگانے کاغذ

دل بیتاب کو تسکین ہو کیا قاصد کی باتوں سے
نہ آئے جب تلک اس یار کی تحریر کا کاغذ

ظفر سے متقدم یا اس کے معاصر شعراء کی غزلوں کے مقابلہ میں جو اس کی غزلیں نقل کی گئی ہیں، اس کا ہرگز یہ منشا نہیں کہ

ظفر ترے سخن کے دبدبے کا سخن پہ جھکے
سخن کی تاب و طاقت ہی نہیں رہتی سخنداں میں

یا:-

سخنوری میں ظفر کون تم سے ہو ہمسر
خدا نے سب سے تمہیں دل و دماغ دیا

اللہ رے شرم، آئے جو وہ شب کو خواب مین — پہنا دیا حجاب سے منہ کو نقاب مین

کبھی افسوس وہ اور ہم نہ محفل مین ہم بیٹھے — جو ہم اٹھے تو وہ بیٹھے جو وہ اٹھے تو ہم اٹھے

وصل کی رات نہ باتون مین گذارو ساری — بس گلے ہو چلے گر ہین تو سحر پر رکھو

جس کو سمجھے لب پان خوردۂ مالیدہ مسی — وہ دہان دیکھیے پھولی وہ کہین شام نہ ہو

ہے دوپٹہ سرخ جو وہ رشک گل اوڑھے ہوئے — باغ مین گل برقع خجلت مین گل اوڑھے ہوئے

گلون کے ہوگئے گریبان چاک گلشن مین — رہین گے بند قبا تیرے گر کھلے کے کھلے

نہیں ہے سرخ دوپٹہ جبین شکین پر — بغور دیکھ ظفر ہے بہار شام شفق

جھلک رخسار آتشناک کی بجلی سی کوندی ہے — ہوا کے جھونکے اس غنچہ نے جب چلمن ہلائے ہین

یہ معاملہ بندی جس طرح ناسخ کے یہان اعتدال سے بڑھ کر رکیک و سخیف بن گئی ہے، اسی طرح ظفر کے یہان بعض اوقات بہت ہی مبتذل ہو گئی ہے، مگر اس قسم کے خارجی مضامین مین ناسخ کے ساتھ طبع آزمائی کر کے ظفر اپنی تخییل نگاری اور مضمون بندی کا ثبوت دیتا ہے، مثلاً:-

ناسخ — کیا اثر پھیلا ہے تیرے رخ آتشناک کا — صورت مجمر ہے دیوارون کے ہر روزن مین آگ

ظفر — حلقۂ زلف مین ہے اس کا رخ آتشناک — بحر حسن کی روشن ہوئی گرداب مین آگ

ناسخ — اسقدر سوزش ہے اے جراح میرے زخم مین — لگ اٹھیگی دم مین تنکے کی طرح سوزن مین آگ

ظفر — ہے شرار اشک گرم سے چشم طوفان زا مین آگ — عشق کی گرمی سے دیکھو لگ گئی دریا مین آگ

ناسخ — میری آنکھون سے اگر لخت دل سوزان گرے — بولے ہمدم دیکھیے ہے آب کے دامان مین آگ

ظفر — تیرے دیوانے کی آنکھون سے جو ٹپکے اشک گرم — کیا تعجب گر لگادے دامن صحرا مین آگ

آتش و ظفر | اسی طرح آتش کے ساتھ طبع آزمائی کرتا ہے،

ہو نمک سود گر نہ زخمِ جگر   دل محبت کا کیا مزا جانے

میراور ظفر کے ملتے جلتے ہوئے مضامین،

میر   کیا عشق خانہ سوز کے دل مین چھپی ہے آگ   اک سارے تن بدن مین مرے پھک رہی ہے آگ

ظفر   داغ دل مین آگ تخت دل مین چشم تر مین آگ   عشق کی سوزش سے ہے پھیلی ہوئی گھر گھر مین آگ

میر   جل جل کے سب عمارت دل خاک ہو گئی   کیسے نگر کو آہ محبت نے دی ہے آگ

ظفر   ہو گیا مین خاک جل کر پر وہی ہے سوز دل   اپنے دامن کو بچائے ہیے خاکستر مین آگ

میر   یارب ہمیشہ جلتی ہی رہتی ہین چھاتیان   یہ کیسے عاشقون کے دلون مین رکھی ہے آگ

ظفر   جی جلائین کیون نہ میرا یہ بتان سنگدل   دل ظفر ان کا ہے پتھر اور ہے پتھر مین آگ

میر   اللہ ری عندلیب کی آواز دلخراش   جی ہی نکل گیا جو کہا ان نے ہائے گل

ظفر   آجائے گر ہوائے گلستان قفس تلک   بلبل کا دم ہوا ہو یہ کہکر کہ ہائے گل

میر   تیری ہی جستجو مین گم ہوا ہے کہ کہان کھو یا   جگر خون گشتہ دل آزردہ میرا اس خانہ ویران کو

ظفر   تجھے دل دے کے ہین لے کا فرے مہر کھو بیٹھا   خرد کو ہوش کو طاقت کو جی کو دین و ایمان کو

ظفر میر کے رنگ مین خود میر صاحب کی روح سے خراج تحسین حاصل کرتا ہے۔

یہ غزل پڑھتے اگر بزم سخندان مین ظفر   کیونکہ تحسین کے لیے پھر نہ سر میر ہلے

ناسخ و ظفر

ظفر کی قادر الکلامی کا یہ عالم ہے کہ وہ متضاد رنگ مین کامیاب طبع آزمائی کرتا ہے، ناسخ اور میر کا اختلاف ذوق ظاہر ہے۔ مگر میر کے بعد جب وہ ناسخ کے رنگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو وہ رند مشرب عاشق بن جاتا ہے، اور اس کوچہ کا بھی ویسا ہی کامیاب رہ نورد نظر آتا ہے، مثلاً :-

کرتا ہے قتل وقت جواب سخن مجھے   ہنس دینا ان کا اور نہ کہنا حجاب سے

آتش سوزش دل کا بیان کچھ کچھ کیا تھا رات کو موم ہو کر بہ گئی سن کر مرا افسانہ شمع

ظفر دریا بہائے گر مژہ اشک بار شمع تو بھی بجھے نہ سوز دل داغدار شمع

آتش داغ دل کی روشنی کافی ہے آتش گور میں غم نہیں اس کا نہ ہوا پنے سر مدفن چراغ

ظفر اس دل جلے کو چاہیے کیا گور کا چراغ ہے داغ دل ہی کشتہ رنجور کا چراغ

آتش کٹواتی ہے سر شمع جو ثابت قدمی سے آنسو بھی نہ اندیشۂ گلگیر سے ٹپکے

ظفر ہر اک آنسو کا قطرہ ہے جو دانہ کہربا کا سا دم گریہ جگر کے آبلے کیا پھوٹ کر ٹپکے

آتش جوش جنون نے گو کہ مجھے زرد کر دیا چہرے کو میرے رکھتے ہیں لڑکونکے رنگ سرخ

ظفر ہے میرے اشک خون سے ظفر راہ عشق میں ہر سنگ ریزہ صورت لعل خوش آب سرخ

سراپانگاری سراپا نگاری کا جتنا مکمل نمونہ ظفر کے یہان ہے، وہ کسی اور شاعر کے یہان نہین، معشوق کے اوصاف و لوازم کی تصویر کھینچنے مین تو اس نے پوری پوری غزلین کہی ہین، جن مین زیادہ تر رنگ ناسخ و آتش کا ہے، لیکن بعض اوقات زبان کی سادگی، بیان کی بے تکلفی اور خیالات کی برجستگی مین ظفر ناسخ و آتش سے بھی بڑھ جاتا ہے، مثلاً ظفر زلف یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دیتا ہے۔

کھول کر زلف سیہ اس نے جو دیکھا آئینہ صاف دریا پر نظر کالی گھٹا سی آگئی

کھول دی اس نے عرق افشان جو زلف دراز کیا زمین سے جھوم کر بدلی برسنے لگ گئی

زلف کو کھول کے آئینہ جو دیکھا تو نے رنگ بدلی نے بھی کیا کیا لب جیحون بدلے

ڈھانپے منہ کو قمر سے دہین دامان سحاب میرے عارض پہ اگر زلف گرہگیر ہلے

زلف اس رخ سے جو سرکی تو یہ سوجھا شب کو اے ظفر مہ نکل آیا جو گئی ہٹ بدلی

آتش اور ناسخ نے بھی زلف یار کو کالی گھٹا سے تشبیہ دی ہے، مگر ان کے یہان صرف

آتش — مے نے کیو عذارِ بتِ شوخ و شنگ سرخ — کندن کا اور آگ میں ہوتا ہے رنگ سرخ

ظفر — کب چشمِ سرمہ سا ہے تری مست خواب سرخ — اس جامِ نیلگون میں ہے رنگِ شراب سرخ

آتش — دل دوستیِ بت کا نہ پابند ہو یارب — دشمن کا بھی دب جائے نہ پتھر کے تلے ہاتھ

ظفر — فرہاد سر آتا ہے اس عشق کے شیرین — پر کیا کرے جو دب گیا پتھر کے تلے ہاتھ

آتش — تبدیل شبِ وصل سے ہو روزِ جدائی — بالش کے عوض ہو سرِ دلبر کے تلے ہاتھ

ظفر — ہے جی میں تمنا یہ کہ سوتے ہیں تو گاہے — آجائے مرا عارضِ دلبر کے تلے ہاتھ

آتش — مستی میں طلبگار تو ساقی سے ہے مے کا — کانون گا میں کانپے کا جو ساغر کے تلے ہاتھ

ظفر — دل ہاتھ میں اس کا لیا پر ہے یہ ظفر حال — جنبش میں رہے جیسے کہ ساغر کے تلے ہاتھ

آتش — پاؤں کو ان کے چھوا میں نے تو ہنسکر بولے — کاٹے جاتے ہیں تو ایسے ہی گنہگار کے ہاتھ

ظفر — میں نے چوری سے جو شب زلف کو چھیڑا تو کہا — کاٹنے چاہئے اس دزدِ سیہ کار کے ہاتھ

آتش — کرتا ہے تازہ وہ شہِ خوبان نئے نئے — آئین تازہ تازہ ہیں فرمان نئے نئے

ظفر — ناز و ادا و غمزہ تو ہیں شیوہ قدیم — انداز ان کے اور ہیں اکثر نئے نئے

آتش — رخسار خط نکالے گا اس شاہِ حسن کا — پیدا کرے گا مور سلیمان نئے نئے

ظفر — آغازِ خط سے کیا ہی نکالے ہیں دیکھنا — طوطیِ باغِ حسن نے یہ پر نئے نئے

آتش — خاک چھنوا رہی ہے کوچۂ قاتل کی تلاش — ساتھ اپنے خراب اپنی قضا پھرتی ہے

ظفر — دے کے دل قاتلِ بے رحم کو پھیرون کیونکر — کہ نہ تقدیر پھرے ہے نہ قضا پھرتی ہے

اور کہین کہین طرزِ بیان میں ظفر آتش سے سبقت لیجاتا ہے، مثلاً

آتش — پھوٹا لحد میں دل کا پھپھولا تو دیکھنا — ہو جائے گا مزار کا آتش کے رنگ سرخ

ظفر — خون جوش میں ہے جیسے شہید و نگاز یرِ خاک — نکلا زمین کے پیٹ سے جو آفتاب سرخ

خال اب نہ تہ زلف سیاہ فام دکھاؤ ۔۔۔ تارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

نہین رخسار پر اس مہ جبین کے خال کاجل کا ۔۔۔ خدا جانے کہ یہ کن تیرہ بختون کا ستارا ہے

خال رخ یار کا ہو کشتہ ہون ۔۔۔ لایا گردش مین ستارا مجھے

دیکھے ہے خال رخ یار کو یون طائر دل ۔۔۔ دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہواگیر کی آنکھ

سورہ صاد ہے چشم اس کی کہ جبین پہ ظفر ۔۔۔ خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

اے ظفر اس خال رخ پر بال لٹکتے نہین ۔۔۔ من سیہ اپنے ہین یہ کالے لہر کھا کر کھیلتے

یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا ۔۔۔ ہے بیاض ماہ پر تحریر مین لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً

ناسخ ۔۔۔ کر دیا ہے یاد چشم و گردن جانان نے مست ۔۔۔ سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا

ظفر ۔۔۔ ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر ہے ۔۔۔ یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

ناسخ ۔۔۔ چشم ساقی سے نہ کیون عشق ہو میرے دل کو ۔۔۔ کون شیشہ ہے بھلا جس کو نہین جام سے کام

ظفر ۔۔۔ مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی ۔۔۔ وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامت یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینون نے طبع آزمائی کی ہے،

ناسخ ۔۔۔ کون ہے جو نہین مرتا ہے تری قامت پہ ۔۔۔ کیون نہ ہو سرو چمن قالب بیجان ہوتا

آتش ۔۔۔ سرو گر جائین گے گل خاک مین مل جائینگے ۔۔۔ باغ مین دیکھے تو چمن مین وہ سرافراز اپنا

ظفر ۔۔۔ صدقے اے رشک چمن اس قد موزون کے ترے ۔۔۔ سیدھا ایسا کوئی سرو چمنی ہووے تو ہو

نزاکت یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخییل دیکھیے،

آتش ۔۔۔ وہ نازنین یہ نزاکت مین کچھ یگانہ ہوا ۔۔۔ جو پہنی پھولون کی بدھی تو درد شانہ ہوا

ظفر ۔۔۔ کیا نزاکت ہے کہ گل عکس در گوش سے آہ ۔۔۔ یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے مین

ایک ایک شعر ملا،

آتش — کم نہین کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ — دیکھ لے طاؤس کا فر کو تو چلانے لگے

ناسخ — ہمیشہ رہتی ہین زلفین عذار تابان پر — عجب ہے چاند کہ ہوتا نہین سحاب جدا

زلف یار کی ناگن، سنبل اور زنجیر سے تشبیہین آتش، ناسخ، اور ظفر کے یہان بکثرت ہین، مگر مندرجۂ ذیل اشعار ظفر کی ندرت تخئیل اور جدت طبع کا نمونہ ہین، جو ناسخ اور آتش کے یہان نہین،

زلف یون روے عرق آلود پر لہرا ئے ہے — صبح جون ناگن گلون پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یون چہرے پہ رہتی ہو ہوا سے اسکے — جس طرح مار سیہ کھائے ہو بل باؤ کے بل

رخ گلنار پر تیرے کہان ہے زلف خم گشتہ — ہم نے بحر خوبی حلقہ گرداب آتش ہے

اسکی زلف پر عرق گر ابر تر بن جائے گی — برق تو میری بھی آہ پر شرر بن جائے گی

ہٹا دو زلف کو تم مصحف رخ سے غضب یہ ہے — کہ پھیلے سوے قرآن پاؤن اس بحر طبع کا فر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سحر دلکو — کہ یہ سیدھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس روے کتابی پر ظفر — سورۂ واللیل ہے قرآن مین

مصحف رخسار پر کافر ترے گیسو ہین دو — ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہین دو

لکھی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف — ایسا خط تعلیق مین بھی لام نہ پایا

خال رخ یار پر ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہان نہین مثلاً

بہ چشم مست بت مے نوش پہ یہ خال نہین — نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالہ چشم فسون گر کے تلے — نیلوفر کا پھول ہو یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب یان سر بسر چسپیدہ ہے — شاخ سنبل نیلوفر پہ یہ مگر چسپیدہ ہے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین؟

سخن دان و سخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین ظفر پر ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی

بے شبہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے:-

آج کس اہل سخن کو دسترس مقدور ہے کر سکے جو اے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج و الم اور اندوہ و غم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو اسکا احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلیٰ معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلّی کرتا ہے۔

جنھین سخن کا ہے دعویٰ ذرا کہو ان سے کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے،

کوئی غزل پڑھ بھی جو نازان آگے تیری غزل کے ہو شعر سنا دے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اس مین کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدر دان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش | نہ زیر نزاکت پری مین دیکھی نہ حور مین نزاکت | جو ہار پھولون کا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر | چہ قصہ الفضہ رے نزاکت کا اگر زلف کا عکس | بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف، تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہے کہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد | کیون نہ قائل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ

ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہو رہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا رد عمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور پر ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر | چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا، جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سر تا پا" ذوق کی طرف منسوب کر دیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے، لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا، اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبون کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قادر الکلامی کا دائرہ تنگ بھی نہین، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلی نمونہ پیش کیا، قلعہ معلی کی زبان اور

شہزادے

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ
آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باربل، فاروق، شاہ رخ اور احمد
جن مین موخر الذکر پانچ کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہوگیا لیکن ہمایون، کامران، عسکری
اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اس کی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے
فیضیاب ہوئے، اس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اس کی شجاعت،
اولوالعزمی اور جوانمردی ہی نہین، بلکہ علم وہنر کا شوق اور شعروشاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران

بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی
تعلیم کے لیے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لیے اپنی تزک اسکے
مطالعہ مین دی، اس کے ذوق شعری کو فروغ دینے کے لیے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے
اشعار تحفے مین بھیجے، اور پھر علم وہنر کی چاشنی کیلیے جہان جہان گیا، وہان کے کتب خانون سے
اس کے پاس کتابین بھیجین، چنانچہ بابر کی کوششین رائگان نہین گئین، مرزا کامران
سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا،

اس کا ایک **دیوان** زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہین کیسے کتب خانہ خدا بخش خان پٹنہ
مین محفوظ رہ گیا ہے، اس مین مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہین، ترکی مین ۳۰ غزلین، تین قطعے
پچیس رباعیان چودہ مثنویان اور کچھ مفردات ہین، اسی طرح فارسی مین ۲۳ غزلین

دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کرکے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحب ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہوجائے تو یہ کہنے مین تامل نہ ہوگا کہ

پرُوے تو نے کیا تارِ سخن مین گوہرِ معنی — ظفرؔ تحسین کنان محفل مین اب سارے سخندان ہین

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک — رہین گے اسکے ظفرؔ طبع نکتہ دان پہ مزے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین ؟

سخن دان و سخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین ظفر پر ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی

بے شبہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے:-

آج کس اہل سخن کو مقدور ہے کر سکے جو نے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج و الم اور اندوہ و غم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو یہ احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلی معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلی کرتا ہے۔

جنھین سخن کا ہے دعوی ذرا کہو ان سے کہ ایسی جلد تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے،

کوئی غزل پڑھی جو نازان آگے تیری غزل کے ہو شعر سنا دے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اس مین کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدردان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش — نہ نزاکت پری مین دیکھی نہ حور مین یہ نزاکت آتش — جو ہار پھولونکا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر — چہ خدا اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس — بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہو کہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد — کیون نہ قائل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ — ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہو رہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا رد عمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور پر ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے، حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر — چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد خاک

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سرتاپا" ذوق کی طرف منسوب کر دیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے، لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا، اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبون کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قادر الکلامی کا دائرہ تنگ بھی نہین، جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلی نمونہ پیش کیا، قلعہ معلی کی زبان اور

خال اب نہ تہ زلف سیاہ فام دکھاؤ — تارا مجھے مت ایک سر شام دکھاؤ

نہین رخسار پر اس مہرجبین کے خال کا جن کا — خدا جانے کہ یہ کس تیرہ بختون کا ستارا ہے

خال رخ یار کا گشتہ ہون — لایا گردش مین ستارا مجھے

دیکھے ہے خال رخ یار کو یون طائر دل — دانہ پر جیسے پڑے مرغ ہوا گیر کی آنکھ

سویدا صاد ہے چشم اس کی کہ جبین پہ ظفر — خال سے کاتب قدرت نے بنایا مطلق

اے ظفر اس خال رخ پر یان نقوش کیے نہین — سن کہ دانے ہین یہ کالے اہر کھا کر کھیلتے

یہ سیاہی سے لکھا مضمون خال رخ ترا — ہے بیاض ماہ پہ تحریر مین لکھا ہوا

چشم یار کو ناسخ اور ظفر جام سے تشبیہ دیتے ہین، مثلاً

ناسخ — کر دیا ہے یاد چشم و گردن جانان نے مست — سامنے سے ساقیا اب شیشہ و ساغر اٹھا

ظفر — ہم کو اس دور مین ہو کیون طلب ساغر سے — یہ تو جب ہو کہ تری نرگس مخمور نہ ہو

ناسخ — چشم ساقی سے نہ کیون عشق ہو میخوارون کو — کون شیشہ ہے بھلا جس کو نہین جام سے کام

ظفر — مجھے سوجھے ہے کیفیت جہان کی — وہ چشم مست ساقی جام جم ہے

قامت یار پر ناسخ، آتش اور ظفر تینون نے طبع آزمائی کی ہے،

ناسخ — کون ہے جو نہین مرتا ہے تری قامت پہ — کیون نہ ہو سرو چمن قالب بیجان ہوتا

آتش — سرو گڑ جائین گے گل خاک مین مل جائینگے — پانون رکھے تو چمن مین وہ سرافراز اپنا

ظفر — صدقے اے رشک چمن اس قد موزون کے ترے — سیدھا ایسا کوئی سرو چمنی ہووے تو ہو

نزاکت یار پر آتش و ظفر کی شاعرانہ تخئیل دیکھیے،

آتش — وہ نازنین یہ نزاکت مین کچھ یگانہ ہوا — جو پہنی پھولون کی بدھی تو درد شانہ ہوا

ظفر — کیا نزاکت ہے کہ گل عکس در گوش سے آہ — یہ پڑا بوجھ کہ درد اس کے ہوا شانے مین

ایک ایک شعر ملا،

آتش — کم نہین کالی گھٹا سے یار کی زلف سیاہ — دیکھ لے طاؤس کافر کو تو چلانے لگے

ناسخ — ہمیشہ رہتی ہین زلفین عذار تابان پر — عجب ہے چاند کہ ہوتا نہین سحاب جدا

زلف یار کی ناگن، سنبل اور زنجیر سے تشبیہین آتش، ناسخ، اور ظفر کے یہان بکثرت ہین، مگر مندرجۂ ذیل اشعار ظفر کی ندرت تخئیل اور جدت طبع کا نمونہ ہین، جو ناسخ اور آتش کے یہان نہین،

زلف یون روے عرق آلود پر لہرائے ہے — صبح جون ناگن گھٹون پر چاٹنے اوس آئے ہے

زلف یون چہرے پہ رہتی ہو ہوا سے اسکے — جس طرح مار سیہ کھائے ہو بل پاؤ کے بل

رخ گلنار پر تیرے کہان ہے زلف خم گشتہ — بھنور ہے بحر خوبی حلقۂ گرداب آتش ہے

اسکی زلف پر عرق گرد پر تر بن جائے گی — برق تو میری بھی آہ پر شرر بن جائے گی

ہشیار و زلف کو تم مصحف رخ سے عجب کیا ہے — کہ پھیلے سوئے قرآن پاؤن اس کج طبع کافر کے

خدا محفوظ رکھے اس صنم کی زلف سودا کو — کہ یہ سید ھا مسلمان اور وہ کج طبع کافر ہے

زلف اس رو سے کتابی پہ ظفر — سورۂ والیل ہے قرآن مین

مصحف رخسار پر کافر ترے گیسو ہین دو — ہے تماشا حافظ قرآن ہوئے ہندو ہین دو

لٹکی عجب انداز سے ہے رخ پہ تری زلف — ایسا خط تعلیق مین بھی لام نہ پایا

"خال رخ یار" پر ظفر نے جو مضمون بندی کی ہے، وہ بھی آتش اور ناسخ کے یہان نہین مثلاً

ہے چشم مست می نوش پہ یہ خال نہین — نیلوفر کا ہے دھرا ساغر لبریز پہ گل

خال ہے دنبالۂ چشم فسون گر کے تلے — نیلوفر کا پھول ہے یا شاخ عنبر کے تلے

خال رخ پر زلف کب ہان سر پسر جنبیدہ ہے — شاخ سنبل نیلوفر پر یہ گر جنبیدہ ہے

محاورات کو اپنی شاعری مین محفوظ کیا، اور اپنے زور طبع سے پرانے اساتذۂ فن کی یاد تازہ کی، کیا اس کو ہم ایک قادر الکلام شاعر اور استاد نہین کہہ سکتے ہین؟

سخن دان و سخن گو یون تو دنیا مین ہزارون ہین
ظفر پر ہم نے تیری سی سخنگوئی نہین دیکھی

بے شبہ اس کی شاعری معائب سے خالی نہین، گو وہ خود تو یہ کہہ گیا ہے:-

آج کس اہل سخن کو مقدور ہے
کر سکے جو نے ظفر تیرے سخن پر اعتراض

تاہم جس نے بیس ہزار اشعار کہے ہون، ظاہر ہے کہ وہ سب اچھے نہ ہون گے، خصوصاً جب وہ اپنے رنج و الم اور اندوہ و غم کو بھول کر تفریح طبع کے لیے اشعار کہتا ہے تو اکثر ان کا رنگ بہت ہی شوخ ہو جاتا ہے، اور ان کے مضامین جرأت کی معاملہ بندی سے بھی گر جاتے ہین، یا جب وہ محض مشکل قوافی اور سنگلاخ زمینون کی خاطر اشعار کہتا ہے تو وہ بھی بہت ہی معمولی درجہ کے ہوتے ہین اور خود اسکو بڑا احساس تھا کہ مشکل قوافی اور زمینون مین اعلی معیار کا شعر کہنا مشکل ہے۔

ظفر ہے تری غزل کی وہ سنگلاخ زمین
کہ تیغ فکر سخنور کی دھار گر جائے

پھر بھی صرف اپنی قادر الکلامی کے اظہار کے لیے غزلین لکھتا ہے، اور اپنی جدت اور ذہانت پر تعلی کرتا ہے۔

جنھین سخن کا ہے دعویٰ ذرا کہو ان سے
کہ ایسی جلد رقم تم کوئی غزل تو کرو

لیکن ظفر کے پورے دیوان پر خود اسی کا ایک شعر بہت ہی جامع تبصرہ ہو سکتا ہے۔

کوئی غزل پڑ ہی جو ناز ان آگے تیری غزل کے ہو
شعر سنادے اسکو ظفر اک اس مین کا اک اسمین کا

یعنی ظفر خود اس کا خواہان تھا کہ اس کے دیوان کا انتخاب ہو، مگر اس کو نہ خود اتنی فرصت نصیب ہوئی، اور نہ کوئی اس کا قدر دان پیدا ہوا، کہ میر اور غالب کی طرح اس کے

آتش — نہ زیر نزاکت پری مین دیکھی نہ حورمین نزاکت آتش — جو ہار پھولونکا اس نے پہنا تو بوجھ اٹھایا ہزار من کا

ظفر — چہ شد اللہ رے نزاکت کہ اگر زلف کا عکس — بوجھ ڈالے تو لچکتی وہ کمر اور بھی ہے

ناسخ اور آتش اپنی اپنی جگہ پر مسلم الثبوت استاد ہین، لیکن ظفر کے اشعار مین نمایان خصوصیت یہ ہے کہ اس کے طرز بیان مین تکلف تصنع اور آورد نہین، شاید اسی وجہ سے کہہ گیا ہو کہ

اے ظفر ایک ہے تو فن سخن مین استاد — کیون نہ قایل ہون ترے ناسخ و آتش دونون

خاتمہ — ظفر کی شاعری پر میری طویل خامہ فرسائی ناظرین کے لیے بار خاطر ہورہی ہو گی، مگر یہ طوالت شاید اس کا ردعمل ہے، کہ ظفر جس نے ہزارون اشعار لکھکر اپنے خون جگر کو کاغذ کے صفحون پر بہایا ہے اسکو یا تو عام طور کا ادنی درجہ کا شاعر یا ذوق کے خوان ادب کا محض زلہ ربا سمجھا جاتا ہے حالانکہ

انصاف ہی جب اہل سخن مین نہ ہو ظفر — چاہے سخن کی اپنی کوئی ان سے داد کیا

اس کی شہرت کو سب سے زیادہ نقصان مولانا محمد حسین آزاد سے پہنچا جنھون نے اس کے کلام کے مجموعون کو "سرتاپا" ذوق کی طرف منسوب کردیا اور ایک زمانہ تک اہل نظر بھی اس کی شاعری کو ذوق کی کمائی سمجھکر قابل التفات نہین سمجھتے تھے لیکن ارباب نظر نے اصل حقیقت کو دکھا کر اس غلط فہمی کو دور کیا اور ظفر ایک مستقل شاعر مانا گیا مگر پھر بھی غالب، مومن اور ذوق کے آوازۂ شہرت کے سامنے اس کی شاعری دب گئی، اس کے علاوہ اہل ذوق کی طبیعتین بھی بدل گئین، غالب کی فلسفہ طرازی، مومن کی بلند پروازی، اور دونون کی دلنشین فارسی ترکیبون کے سامنے ظفر کی شاعری پھیکی اور بے مزہ ہو گئی،

ظفر کی شاعری مین غالب اور مومن کی معجز طرازیان گو نہ سہی لیکن قادر الکلامی کا دائرہ تنگ بھی نہین جس نے سوز و گداز اور حزن و ملال کا صحیح مرقع کھینچا، اخلاقی مسائل اور صوفیانہ نکات کو عام فہم بنایا، سادگی اور سلاست بیان کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا، قلعہ معلی کی زبان اور

شہزادے

ہندوستان مین تیموری سلطنت کے بانی یعنی بابر کی اولاد نرینہ مین ہمایون کے علاوہ آٹھ اور لڑکے پیدا ہوئے، کامران، عسکری، ہندال، الور، باربل، فاروق، شاہ رخ اور احمد جن مین موخر الذکر پانچ کا انتقال اسی کی زندگی ہی مین ہوگیا لیکن ہمایون، کامران، عسکری اور ہندال اس کے سامنے پروان چڑھے، اور اس کی علم پرور صحبت مین تعلیم و تادیب سے فیضیاب ہوئے، اس کی موت کے بعد اس کے لڑکون کو وراثت مین تنہا اس کی شجاعت، اولالعزمی او پامردی ہی نہین، بلکہ علم و ہنر کا شوق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی ملا،

مرزا کامران بابر نے اپنی ہنگامہ پرور زندگی کے باوجود کامران کی مذہبی اور اخلاقی تعلیم کے لیے اپنی مشہور مثنوی مبین لکھی، اور اس کے ادبی مذاق کے لیے اپنی تزک اسکے مطالعہ مین دی، اس کے ذوق شعری کو فروغ دینے کے لیے اپنا منظوم رسالہ والدیہ اور اپنے اشعار تحفے مین بھیجے، اور پھر علم و ہنر کی چاشنی کیلیے جہان جہان گیا، وہان کے کتب خانون سے اس کے پاس کتابین بھیجین، چنانچہ بابر کی کوششین رائگان نہین گیٔین، مرزا کامران سخن گوئی و سخن وری کا مالک بنا،

اس کا ایک **دیوان** زمانہ کی دستبرد سے معلوم نہین کیسے کتب خانہ خدابخش خان پٹنہ مین محفوظ رہ گیا ہے، اس مین مرزا کے ترکی و فارسی کلام ہین، ترکی مین ۳۰ غزلین، تین قطعے، پچیس رباعیان، چودہ مثنویان اور کچھ مفردات ہین، اسی طرح فارسی مین ۲۳ غزلین

دیوان سے بھی اچھے اور عمدہ اشعار منتخب کر کے ایک مجموعہ تیار کرتا، اب بھی اگر کسی صاحب ذوق کی کوشش سے اس کے دیوان کا انتخاب شائع ہو جائے تو یہ کہنے مین تامل نہ ہوگا کہ

پرُوئے تو نے کیا تارِ سخن مین گوہرِ معنی
ظفرؔ تحسین کنان محفل مین آب جائے سخندان ہین

اور شاید یہ بھی کہ

ترا سخن وہ مزے دار ہے کہ حشر تلک
رہین گے اسکے ظفرؔ طبع نکتہ دان پہ فدے

گفتی کہ زمنست دانم گر خوانم و گر رانم — من بندۂ فرمانم ہر نوع کہ فرمائی

گر دیر نشین سازد در رہبر دین سازد — ما را بخود یارا او راست توانائی

سودے کسی دارد باز این بحر بیسامان — جائے ہوسے دارد باز این دل ہرجائی

مرزا کے کلام میں اس قسم کے صوفیانہ جذبات کی کمی نہیں، دیوان کا آغاز تو ایک ایسی غزل سے ہوا ہے جس میں شروع سے آخر تک صوفیانہ احساسات اور معتقدات ہیں،

چون بمقصود نشد ہیچ کسے رہبر ما — بعد ازین خاک در پیر مغان و سر ما

کار ما چون زدر بستۂ زاہد نکشود — بو کزین پس زخرابات کشاید در ما

بارگی سست و شب تیرہ و رہزن بکمین — وائی گر ہادی لطفت نشود رہبر ما

خو گرفتیم بدرد و غم عشقت، بفرست — دم بدم درد و غمے بر دل غم پرور ما

دہ کہ از شوق دلم می طپد و مضطربم — می رسد مژدۂ وصلی مگر از دلبر ما

کامران سوختم از آتش ہجران کسے — کہ بکویش نرسد ذرۂ خاکستر ما

ایک رباعی میں بھی یہی خیالات موجزن ہیں،

یا رب نہ کرم دری بر ویم بکشای — زنگ غیر از دل حزینم بزدای

پیوند من از جملہ علائق بگسل — از ہر دو جہان سوی خودم راہ نمای

ایک قطعہ میں کچھ پند و موعظت بھی ہے،

اے برادر ز من شنو سخنے — کہ ازان بہرہ ور شوی شاید

دل بکار جہان منہ کہ ازان — بار غم بر دل تو افزاید

کار عقبی بساز ورنہ ترا — کار و بار جہان چہ کار آید

کامران کی ہنگامہ خیز زندگی اور اس کا دردناک انجام نظر کے سامنے ہو تو یہ قطعہ

تین قطعے، چار رباعیاں، چار چھوٹی مثنویاں، اور ایک ساقی نامہ ہے، فارسی کلام کو پروفیسر محفوظ الحق صاحب مدظلہٗ (پریزیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کرکے ایک پر مغز مقدمہ کے ساتھ معارف پریس میں چھپوا کر شائع بھی کر دیا ہے، جو اس وقت میرے پیش نظر ہے۔

مرزا کے کلام میں گو مضامین کی جدت اور خیالات کی بلندی نہیں، لیکن تغزل کا پورا رنگ موجود ہے، مثلاً :-

با رقیبان ہمدم و ہمراز دیدم یار را — یارب آسان کن بمن این حالت دشوار را

رہ چہ باشد بے قراران را دہد صبر و قرار — آنکہ می بخشد خرام آن سرو خوش رفتار را

در تکلم لعل او زینسان کہ می ریزد گہر — چون نگہ دارم ز گریہ چشم گوہر بار را

غیر جانان در جہان چیزی نبیند از دگر — ہر کہ بردارد ز پیش این پردۂ پندار را

کامران ماندم اگرچہ دوست چیزے در نظر — تا بکام خویش دیدم دولت دیدار را

اے قد رعنائے تو سرو گلستان حسن — روی دلآرای تو لالہ بستان حسن

روی خوش مہوشت تازہ گل باغ لطف — سرو قد دلکشت نخل گلستان حسن

شمس و قمر را نماند، ماہ رخا رد نقی — تا تو برآوردۂ سر ز گریبان حسن

مرزا جب عشق مجازی کے بجائے عشق حقیقی کی کیفیات منظوم کرتا ہے، تو اس کا کلام نسبتہً موثر ہو جاتا ہے، مثلاً

زنیا کہ جمال خود آراستہ می آئی — در زہد شکست آری در عشق بیفزائی

چون چہرہ بیارائی رخسارہ برافروزی — خود گوئی کجا ماند آئین شکیبائی

گہ سر بگریبانم در ناظرہ بانم — در سینہ تو پنہانی در دیدہ تو پیدائی

از صفحہ رخسارت صد نکتہ بیاد آید — لے وائے از ان لوزی کان را لحظ آرائی

ہر غباری کز راہت خیزد	کحل چشم من محزون بادا
خاک کو از رہ لیلیٰ خیزد	جاے او دیدۂ مجنون بادا
بندۂ حلقہ بگوش تو چو من	صد چو دارا و فریدون بادا
ہر کہ گرد تو چو پرکار نگشت	او ازین دایرہ بیرون بادا
کامران تا کہ جہان راست بقا	خسرو دہر ھمایون بادا

ہمایون نے اس غزل کے صلہ مین کامران کو حصار فیروزہ انعام دیا،[1]

مگر دونون بھائیون کی باہمی شفقت و محبت بہت دنون تک قائم نہ رہی، اپنے اپنے مصالح کی بنا پر دونون ایک دوسرے سے برسر پیکار رہے، اور آپس کے نفاق سے دونون کو بُرے دن دیکھنے نصیب ہوئے، ہمایون کو اپنے باپ کی سلطنت سنبھالنی تھی، وہ چارون طرف سے دشمنون کے نرغہ مین گھرا ہوا تھا، اسے دشمنون کو پسپا کرنا، ان کے ملکون کو تسخیر کرنا اور تیموری سلطنت کی بنیاد رکھنی تھی، اسکو امید تھی کہ اسکے بھائی اس مصیبت مین اس کی غمگساری اور رفاقت

---

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۱۲۵، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی، پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے تذکرہ ہفت اقلیم کے استناد سے لکھا ہے، کہ مذکورۂ بالا غزل کے علاوہ یہ غزل بھی اس موقع پر بھیجی تھی،

چشم بر راہ تو داریم شد ایامے چند	وقت آن شد کہ نہی جانب ما گامے چند
آنکہ ہرگز نفرست سوی ما پیغامے چند	چہ شود گر کندم شاد بدشنامے چند
تا کے میل دلم را برخت بے نبرد	دولت وصل تو خواہم ولارامے چند
بہر صید دل ما دانۂ خال تو بس است	ہردم از زلف منہ بر سر ما دامے چند
ما خراباتی و رندیم تو با ما منشین	حیف باشد کہ نشینی تو بدنامے چند
کامران این غزل تو بہمایون بفرست	باشد ارسال کند سوے تو انعامے چند

کتنا موثر اور عبرت انگیز ہو جاتا ہے، ایک مثنوی کی تمہید میں تو اس نے شاید اپنی زندگی کا مرقع ہی کھینچ دیا ہے،

تا چہ سازد جہان بے سر و بن | غافل از مکر آسمانِ کہن
رفت کارم ز دست و دست از کار | نیست کارم بغیر نالۂ زار
نے ز نخلِ امید من ثمرے | نے ز تخم نشاط و عیش برے
بکشاید دلم ز باغ و بہار | نیست مقصود من ز جملۂ نگار

اس کی تمنا تھی کہ

بیا ساقی آن مے کہ خامی دہد | ز دنیا و عقبیٰ خلاصی دہد

اور یہ پوری ہوئی، وہ دنیا کے ہنگاموں اور آلودگیوں سے کنارہ کش ہو کر ساقی حقیقی کے اصلی میخانہ مین مخمور اور سرشار ہو کر جان بحق ہوا، یعنی اسکی وفات مکہ میں ایام حج مین ہوئی، مرزا کی شعر گوئی محض اس کی ذہانت و ذکاوت کا نتیجہ تھی، وہ حالات سے متاثر ہو کر شعر موزون کرتا، اور کبھی کبھی فی البدیہہ اور برجستہ کہتا تھا، چند مثالین ملاحظہ ہون،

باپ کے مرنے کے بعد زمانہ کی عام روش کے مطابق وہ بھی تخت و تاج کا خواہان ہوا، بابر نے اپنی زندگی مین اس کو قندھار کی مملکت عطا کی تھی، لیکن اس کے مرنے کے ساتھ ہی سلطنت کی ہوس مین اس نے لاہور پر بھی قبضہ کر لیا، ہمایون نے اپنے باپ کی وصیت اور کچھ اپنے مصالح کی خاطر کامران کے خلاف کوئی جارحانہ تدبیر نہ کی، بلکہ ایک فرمان لکھکر اس کو کابل اور قندھار کے علاوہ پنجاب کا بھی مالک بنا دیا، کامران نے متاثر ہو کر شکریہ مین ہمایون کی خدمت مین مندرجۂ ذیل غزل پیش کی،

حسنِ تو دمبدم افزون بادا | طالعت فرخ و میمون بادا

لیکن یہان اس کی امید بر نہ آئی اور اس کو ہر قسم کی ذلتین اٹھانی پڑین، سلیم شاہ نے پہلے اسکی علمیت کو نیچا دکھانے کی کوشش کی، تاریخ داؤدی ہے،

مرزا کامران ہمایون شاہ کے یہان سے بھاگ کر سلیم شاہ کے یہان پناہ گزین ہوا پہلی مجلس مین سلیم شاہ نے کامران مرزا کے امتحان طبع کے لیے تین شعر جن مین ایک اہل عراق کا، دوسرا فضلاے ہندوستان کا، اور تیسرا افغانستان کا تھا، پیش کر کے کہا کہ یہ اشعار کیسے ہین؟ کامران مرزا نے کہا کہ آپ شعر کی خوبی کے متعلق سوال کرتے ہین یا یہ پوچھتے ہین کہ یہ کس کے اشعار ہین؟ سلیم نے کہا کہ مین یہ جاننا چاہتا ہون کہ یہ تینون شعر کس کے ہین؟ کامران نے کہا کہ پہلا شعر جو آپنے پڑھا وہ عراق کے مغل کا، دوسرا شعر اہل ہند کا، اور تیسرا افغانی کا ہے، سلیم شاہ اور تمام حاضرین مجلس نے مرزا کامران کے فہم و فراست کی تعریف کی،

پھر بھی سلیم شاہ کے درباری اس سے تمسخر کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ اپنی ذہانت اور قوت گویائی سے ان کو خاموش رکھتا تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین:

سلیم شاہ کبھی مرزا کو بلا کر مشورہ کرتا تھا، اور یہ صحبت بے لطفی سے گذرتی تھی، مرزا ان تکلفات اور تواضعات سے بہت تنگ آکر زندگی سے بیزار ہو گیا تھا، اور بھاگنے کا موقع ڈھونڈھتا تھا، افغانی ہندی زبان مین اس کا مذاق اڑاتے تھے، اور جب وہ دربار مین آتا تو وہ کہتے کہ مورو (مرغ) آرہا ہے، مرزا نے سلیم شاہ کے سامنے ایک مقرب درباری سے پوچھا کہ مورو کس کو کہتے ہین، درباری نے جواب دیا کہ قلیل العقل انسان کو کہتے ہین، مرزا نے کہا کہ اگر ایسا ہے تو سلیم شاہ بڑا مورو ہے اور شیر شاہ اس سے بھی زیادہ، (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۳۹۰)

کرین گے۔ لیکن کامران جس نے باپ کی ہمت مردانہ اور جوش عمل وراثت مین پایا تھا، باپ کے تخت و تاج کے حصول کیلئے کیونکر قسمت آزمائی نہ کرتا، چنانچہ وہ ہمایون سے الگ ہوکر اس کا حریف بن گیا، ہمایون نے شیر شاہ سے پے درپے شکستین کھائین تو کامران نے ان شکستون سے فائدہ اٹھانا چاہا، لیکن اپنی قسمت کے لکھے ہوئے کو کیونکر مٹا سکتا تھا، ہمایون جب تیرہ سال کی آوارہ گردی کے بعد اپنی کھوئی ہوئی سلطنت کی بازیابی کے لیے لوٹا، تو پہلے اس نے اپنے بھائیون کے خلاف جنگ کی، کامران اس وقت کابل مین تھا، دونون بھائیون مین سخت جنگ ہوئی، کامران قلعہ مین محصور ہوگیا، مگر ہونوں تک جنگ جاری رہی، جب لڑائی طول کھینچی تو ہمایون نے بھائی کو ایک رقعہ لکھا، جس کو ابوالفضل نے اس طرح درج کیا ہے

اے برادر بدخو واے عزیز جنگ جو از تدبیر این کار در گذر باعث کار زار و موجب قتل و آزار مردم بیشمار (است) باز آئی۔ و بر مردم شہرے و لشکرے رحم نمائے، امروز این ہمہ مردم کہ کشتہ می شود فردائے قیامت،

بود خون آن قوم در گردنت	بود دوست آن جمعہ در دامنت
ہمان بہ کہ بر صلح رائے آوری	طریق مروت بجائے آوری

مگر کامران نے اپنی اولوالعزمی اور بلند حوصلگی مین سرشار ہوکر یہ شعر لکھ بھیجا،

عروس ملک کسے در کنار گیرد چست	کہ بوسہ بر لب شمشیر آبدار دہد[1]

اس جنگ مین کامران کو شکست ہوئی لیکن وہ شکست ماننے کو تیار نہ تھا، موقع موقع سے وہ ہمایون کے خلاف جنگ کرتا رہا، لیکن قسمت نے اس کا کبھی ساتھ نہ دیا، ایک بار شکست کھاکر سلیم شاہ سوری کے دربار مین پہونچا، وہان اس کو امید تھی کہ ہمایون کے خلاف اس کو امداد ملے گی

[1] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۲۸

زقدر و شوکت سلطان نگشت چیزے کم | ز التفات بہ مہمان سرائے دہقانی
کلاہ گوشۂ دہقان بآفتاب رسید | کہ سایہ بر سرش افگند چو تو سلطانی

ان کو سن کر ہمایون پر گریہ طاری ہو گیا،[1]

کامران کے لیے دنیا اور اسکی نیرنگیون مین اب کوئی دلچسپی باقی نہین رہی تھی، ہمایون جب کابل جا رہا تھا تو اس نے سندھ کے قریب حج بیت اللہ کی اجازت مانگی جو ملگئی، بھائی کو رخصت کرنے کے لیے ہمایون جب اس کے خیمے مین آیا، تو کامران کی زبان پر بھیر دو چبھتے ہوئے شعر تھے،

کلاہ گوشۂ درویش بر فلک ساید | کہ سایہ ہمچو تو شاہے فگند بر سر او
بر جانم از تو ہر چہ رسد جائے منت است | گر ناوک جفا است وگر خنجر ستم

ان اشعار کی خلش ابو الفضل نے بھی محسوس کی، وہ لکھتا ہے،

اگر چہ بیت ثانی جانب شکوہ دارد، اما سخن شناس در یابد کہ از شکایت ابریز است آنحضرت (کہ جہان مردی و مہربانی بودند) اینہا منظور نداشتہ رقتہا فرمودند"[2]

کامران اپنے بچون کو ہمایون کے حوالہ کر کے اپنی بیوی چوچک بیگم کے ساتھ حج کو چلا گیا، اور وہین زندگی کے بقیہ دن گذارے، تین بار حج کی سعادت سے مشرف ہوا، آخری بار جب حج کا فریضہ ادا کر رہا تھا، کہ منٰی کے میدان مین ۱۱ ذی الحجہ ۹۶۴ھ مین اپنے مالک حقیقی سے جاملا، کامران کی موت پر قطعۂ تاریخ متعدد شعراء نے لکھا ہے،[3] مگر ملا بدایونی کو کامران کی ذات

---

[1] فرشتہ ص۲۴۶ نولکشور پریس، [2] اکبر نامہ جلد اول ص۳۳۳ [3] مولانا قاسم کاہی نے مندرجہ ذیل قطعہ لکھا،

کامران آنکہ بادشاہی را | کس زبود ست ہمچو او در خورد
شد ز کابل بکعبہ و آنجا | جان بحق داد و تن بخاک سپرد

(باقی حاشیہ ص۳۸۴)

ایک موقع پر سلیم شاہ نے کامران کو اپنا شعر سنانے کو کہا، کامران نے جل کر برجستہ یہ شعر پڑھا،

گردش گردون گردان گردنان را گرد کرد   بر سر اہل تمیزان ناقصان را مرد کرد

سلیم شاہ بہت خفیف ہوا، ملا بدایونی لکھتے ہین کہ

"سلیم شاہ فحوائے کلام را دانستہ و این ادا را فرو بردہ بعد ازان بپنہانی حکم فرمود تا مرزا را چشم بند نگاہ دارند"[1]

کامران یہان سے نکلا تو ادہر ادہر بھٹکتا رہا، کابل جا رہا تھا کہ ہمایون کے آدمیون کے ہاتھون گرفتار ہوا، کامران نے بے بس ہو کر ایک عرضداشت لکھ بھیجی[2] لیکن اس کے دن پورے ہو چکے تھے، اس کا وہی حشر ہوا جو تیموری سلطنت کے ہزیمت خوردہ دعویدارون کا ہوا یعنی اس کی آنکھون کی روشنی زائل کر دی گئی، جب اس نعمت سے وہ محروم ہو گیا تو اس کا محبوب غلام بیگ ملوک اس کے پاس آیا، وہ اس کے ہاتھون کو اپنی آنکھون سے لگاتا اور یہ شعر پڑھتا تھا،

ہرچند کہ چشم بخت پردہ کشیدہ است   بیناست بچشمی کہ بروی تو دیدہ است

کتنا حسرتناک شعر ہے، فرشتہ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمایون بھی اس کا عبرتناک انجام دیکھنے آیا، وہ جب اس کے پاس پہنچا تو کامران نے استقبال مین یہ شعر پڑھے،

---

[1] منتخب التواریخ ج ا ص ۳۹۰ ۔ [2] پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مسٹر بیورج کے ایک مضمون (جرنل آف رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن بابتہ ۱۹۰۲ء ص ۱۳۲ - ۱۱۵) کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس عرضداشت کے ساتھ کامران نے معذرت مین ایک غزل بھی بھیجی تھی مسٹر بیورج کو یہ غزل اکبر نامہ کے ایک قلمی نسخہ بلگرام مین ملی تھی لیکن افسوس ہے کہ مسٹر بیورج نے اس غزل کو اپنے مضمون مین نقل نہین کیا، اور نہ یہ غزل اکبر نامہ کے مطبوعہ نسخہ مین موجود ہے،

صاحب ہفت اقلیم کہتا ہے:۔

مرزا کامران در مضمار شاعری بر دو مرکب سواری نمودہ"

نواب حسین قلی خان عشق مؤلف تذکرہ نشتر عشق نے لکھا ہے:

"طبع لطیف و معنی یاب داشت"

اس کے بعد مرزا کی موت پر جو قطعۂ تاریخ درج کیا ہے، اس مین بھی اسکی شعر گوئی کے سلیقہ کی داد ہے۔

اختر برج سخن آن نکتہ دان	وہ چہ شام ازین جہان شد بگرائے
از سر جاہش بگفتم سال فوت	کامران آسودہ در فردوس ہائے

مجمع النفائس کے مؤلف نے مرزا کامران کے حسب ذیل اشعار کو خاص طور سے پسند کیا ہے:

بازو امانِ خود آن شہر یالا زدہ است	کس بدامانش نگر دستِ تمنا زدہ است
عیب ما چند کنی قصہ صنعان بشنو	کہ بیک جلوہ رہش دختر ترسا زدہ است
سوئے مقصد نشد از ہیچ کسے رہبر ما	بعد ازین خاک در پیر مغان و سر ما

صاحب مخزن الغرائب لکھتے ہین

وے طبع موزون داشتہ و شعری چون در مکنون

صبح گلشن مین ہے:

طبع مستقیمش لطائف سخن را پشت و پناہ

دیوان کامران کے مرتب پروفیسر محفوظ الحق صاحب رقمطراز ہین:

مرزا واقعی غزل گو ہے۔ اور جو کچھ اس نے کہا تھا، اس کے کلام مین صفائی او

سے شاید بڑی دلچسپی تھی، انھون نے خاقانی کے رنگ مین اس کا ماتم کیا ہے،

ہرگز بباغ عہد گیاہے وفا نکرد — ہرگز زشست چرخ خدنگے خطا نکرد

خیاط روزگار ببالاے ہیچ کس — پیراہنے ندوخت کہ آنرا قبا نکرد

نقدے نداد دور کز آنرا بدل نشد — زرے نیاخت دہر کہ آن را دغا نکرد

گردون در آفتاب سلامت کرا نشاند — کورا چو صبح روشن اندک بقا نکرد

خاقانیا بچشم جہان خاک در فگن — کو در دو چشم دیدہ ترا و دوا نکرد[1]

مرزا کی شعرگوئی کی تعریف ہر زمانہ کے مورخون اور تذکرہ نویسون نے کی ہے،

بدایونی نے لکھا ہے

"ہمیشہ با علماء و فضلا صحبت می داشت و اشعار او مشہور است[2]"

داؤدی مین ہے۔

مرزا کامران در شعر آرائی و سخن فہمی طبیعت درست داشت

بقیہ حاشیہ صفحہ[3] گفت تاریخ او چنین کاہی — بادشہ کامران بحج مرد

ویسی نے کہا

شہ کامران خسرو نامدار — کہ در سلطنت سر بکیوان رساند

مجاور شد اندر حرم چار سال — بکلی دل از قید عالم رہاند

ز بعد وقوف حج چارمین — باحرام حج جان بجانان فشاند

چو در خواب ویسی در آمد شبے — عنایت نمود و سوی خویش خواند

بگفت از پیٔ سنہ فوت ما — بگو شاہ مرحوم در مکہ ماند

[1] بدایونی ج ۱ صفحہ ۴۵۳ ایضاً

قتل کر دیا گیا، فرشتہ کی روایت ہے کہ قتل کے وقت اس کی زبان پر یہ شعر تھا،

فلک بکشتن من این قدر شتاب مکن　　　بخواہم از تمت مرو اضطراب مکن[1]

اس کے بعد مرزا کامران کی کوئی اولاد نرینہ نہ رہی، اس لیے کسی نے اس کی وفات کا قطعۂ تاریخ کہا،

نماند از کامران نام و نشانی[2]

عسکری و ہندال معاصر مورخوں نے عسکری و ہندال کا ذکر شعراء کی حیثیت سے نہیں کیا ہے، لیکن بعض تذکروں میں ان دونوں کے نام شاعروں کی فہرست میں داخل ہیں مخزن الغرائب میں ہندال کی ایک رباعی ہے، جو ندرت کے لحاظ سے خوب ہے،

زان قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری　　　از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری

تابر رخ گل چکاند از رشک پری　　　حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری

اسی میں عسکری کے مندرجۂ ذیل اشعار منقول ہیں،

چنان بجور شدم از دوری آن گلعذار امشب　　　کہ ہر دم گریہ ام و میدہد بے اختیار امشب

چنین کہ خوئے گرفتم بآشنائی تو　　　ہلاک می کندم آن قدر جدائی تو

گوشۂ میخانہ جائے دلکشائی بودہ است　　　بے تکلف گوشۂ میخانہ جائے بودہ است

اے عسکری ار مست مدامی خوش باش　　　در معتقد بادہ و جامی خوش باش

گفتی بخرابات نباشم بے او　　　با یار اگر درین مقامی خوش باش

شاہ ابو المعالی ہمایون کی اولاد نرینہ میں اکبر کے علاوہ حکیم مرزا بھی تھا، اس شہزادہ کے ذوق علم کا ذکر معاصر مورخوں نے نہیں کیا ہے، لیکن ہمایون کا ایک داماد یعنی جوجک بیگم

---

[1] فرشتہ صفحہ ۲۳۲ نولکشور پریس [2] ریاض الشعراء

سلاست کافی حد تک ہے، گو خیالات میں کوئی ندرت نہیں، اور نہ کلام میں چندان پختگی معلوم ہوتی ہے، لیکن طرز ادا قابل ستایش و داد ہے، کلام برجستہ و بے تکلف اور نمکین ہے، اور بعض اشعار میں تصوف کی بھی چاشنی ہے"[1]

مرزا ابوالقاسم شوکتی مرزا کامران کی اولاد نرینہ میں مرزا ابوالقاسم بھی باپ کی طرح شاعر ہوا، شوکتی تخلص رکھتا تھا، ہفت اقلیم کا مؤلف اس کو فطین و ذکی بتاتا ہے، اس کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

"مرزا ابوالقاسم در غایت فطنت و ذکا، در نہایت ملاحت و صفا ......

بشعر گفتن میلی تمام داشتہ و سخن نیک می رسید، و شوکتی تخلص می کرد، این دو بیت مر اوراست"

یار ہر شانہ کہ در زلف سمن سا زدہ است　　نشتر غم بدل غم زدہ ما زدہ است

قصد کشتن من این قدر شتاب مکن　　بخواہم از ہمت مردانہ اضطراب مکن[2]

ریاض الشعراء کا مصنف لکھتا ہے کہ

"رخسارۂ حالش بزیور دانش و کمال آراستہ و پیراستہ بود"[3]

صبح گلشن میں ہے،

در بزم و رزم بہیبت و شوکت قدم می گذاشت[4]

مرزا ابوالقاسم اکبر کے حکم سے قلعہ گوالیار میں مقید رہا اور آخر میں اس کے حکم سے

---

[1] دیوان مرزا کامران مرتبہ پروفیسر محفوظ الحق صاحب۔ (مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ)

[2] ہفت اقلیم قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی [3] ریاض الشعراء قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی۔ [4] صبح گلشن ص ۲۳۹

لگے. نوعی تخلص رکھا. اشعار خواص و عوام مین مقبول ہونے لگے.

رفتہ رفتہ بہ تقریبے بسمع مبارک شاہزادہ عالی جاہ شاہزادہ دان (یعنی دانیال)

شاہ رسید آن قدردان نکتہ سنجان از روے خواہش نوعی را از مرزا یوسف خان

گرفتہ داخل بساط بوسان محفل حشمت و شوکت خود گردانید.......... چون

داخل مداحان آن شہزادہ عالی مقدار گردید. قصائد غرا در مدح آن جوان بخت

عالی تبار گفت [1]،

مآثر رحیمی کا مولف لکھتا ہے،

بیت

شاہزادہ موسی الیہ (یعنی دانیال) را صحبت مولائی مذکور پسند افتادہ در ترقی وتر

ورا کوشیدہ ندو سر بے نیازی اورا فرق فرقد سای گردانیدند [2]"

دانیال کی فرمایش پر ملا نوعی نے ایک مثنوی "سوز و گداز" لکھی جس مین ایک ہندو

عروس کے عشق کا قصہ رقوم ہے، عورت کا شوہر بیاہ کے دن ایک چھت کے گر جانے سے

دبکر مر گیا، وہ ستی ہونے چلی، تو اکبر نے اس کو روکنا چاہا، لیکن شوہر کے عشق مین وہ آگ

مین کود پڑی، اسی واقعہ کو نوعی نے دانیال کی فرمایش سے منظوم کیا ہے،

نوعی کا قابل فخر کارنامہ "ساقی نامہ" ہے، جس کے صلہ مین مرزا عبدالرحیم خانخانان نے

اس کو دس ہزار روپے اور ہاتھی گھوڑے عنایت کیے تھے، اس ساقی نامہ مین سات سو شعر

تھے، ابتدائی حصے ملاحظہ ہون،

ترا ای اولین پیر میخانہا | بیاد تو شبگیر پیمانہا
زمامت کر رنگ لب دلبر ست | لب لعل پیمانہ لبیک گر ست

---

[1] میخانہ مولفہ ملا عبدالنبی مرتبہ پروفیسر محمد شفیع [2] مآثر رحیمی جلد ۳ صفحہ ۶۳،

کی لڑکی اور مرزا حکیم کی بہن فخر النسا کا شوہر میر شاہ ابو المعالی ایک خوش مذاق شاعر تھا، اور شہیدی تخلص کرتا تھا، ماثر الامرا میں ہے،

"شاہ ابو المعالی خوش طبع و سلیقہ بشعر موافق داشت"[1]

مرزا دانیال اکبر کے تین لڑکے تھے، سلیم، دانیال اور مراد، جن میں دانیال فارسی اور ہندی کا شاعر تھا، اس کے ذوق شعری کا ذکر کرکے جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے کہ

"بہ تفنگ و شکارے کہ بہ تفنگ کنند میل تمام داشت، یکے از تفنگہائے خود را یکہ و جنازہ نام نہادہ بود، این بیت را خود گرفتہ فرمودہ کہ بر آن نقش کنند"

از شوق شکارے تو شود جان تر و تازہ ⁂ بر ہر کہ خورد تیر تو یکہ و جنازہ

اس کی ہندی شاعری کے بارے میں وہ رقم طراز ہے.

"بہ نغمۂ ہندی مائل بود، گاہے بزبان اہل ہند و باصطلاح ایشان شعرے می گفت بد نبودے"[2]

دانیال کے دربار میں شاعروں کا ایک مجمع رہتا تھا، انہی میں ملا محمد رضا نوعی (المتوفی سنہ ۱۰۱۹ھ) اور میر حسین کفری تھے،

ملا رضا **نوعی** خبوشان (خراسان) کے رہنے والے تھے، صغر سنی میں باپ کے ساتھ ہندوستان آئے، مگر تھوڑے دنوں کے بعد وطن واپس چلے گئے، باپ کی وفات کے بعد پھر ہندوستان آئے، اور مرزا یوسف خان کے دربار میں ملازم ہوئے، اس کے ساتھ کشمیر گئے تو وہاں کی بہشت زار میں ان کی طبیعت میں بھی رنگ و بو پیدا ہوا، اور طبع آزمائی کرنے

[1] ماثر الامرا میں جلد سوم ص ۱۵۱ و ۱۸۶، نیز حالات کے لیے دیکھو اکبر نامہ ج ۲ ص ۱۹۸ و ۲۰۰، طبقات اکبری جلد ۲ ص ۶۹ و ۱۶۵، منتخب التواریخ جلد ۲ ص ۴۳-۵۰، [2] تزک جہانگیری ص ۱۷، نولکشور پریس

دلاویز انداز مین اس طرح پیش کرتے ہین ،

"حج سے واپس آکر اس نے مراد کے دربار مین رسائی حاصل کی، اکبر نے شہزادہ مراد کو دکن کی مہم پر بھیجا تھا، وہ ان اطراف مین فوجین لیے ہوئے پڑا تھا، نظیری چلتا پھرتا اس طرف جا نکلا، دربار مین جانا چاہتا تھا کہ راہ مین ایک قدردان سخن کی نظر پڑ گئی، اس نے بڑھ کر کہا کہ خوب موقع پر آئے، نوروز کا جشن ہے قصیدہ لکھکر پیش کیجیے، خود جاکر شہزادہ سے تقریب کی، چوبدار آکر لوا گیا، دربار مین سجدہ بجا لانے کا دستور تھا، لیکن دربار کی شان و شوکت دیکھکر نظیری کے حواس جاتے رہے، اس لیے آداب اور آئین سب بھول گیا، نقیبون نے بازپرس کی تو جواب دیا کہ مین نے آجتک یہ شان و شوکت نہین دیکھی تھی، اس لیے حواس ٹھکانے نہ رہے، یہ تمام واقعات نظیری نے خود قصیدہ مدحیہ مین لکھے ہین" (شعر العجم جلد سوم ص۳۱)

اس قصیدہ کے خاص خاص اشعار یہ ہین

دران بساط کہ بر خود مرا شعور نبود
زدور دیدۂ دانا دلے بمن افتاد

بمن گفت کہ اے زیب بخش مجمع انس
بیا بیا کہ بوقت آمدی مبارکباد

بساط مجلس دآئین جشن فرودیست
تو نیز جلوۂ آئین نظم خواہی داد

ہمین و دید و بگفت و ہنوز پیدا بود
کہ تند غرید کزین قطرہ کرد دریا یاد

چنان بپایۂ دولت قدم شتاب زدم
کہ چند بار سرم در مقام پا افتاد

زبسکہ تیز بر آن بارگاہ در رفتم
ادب زپایۂ خود پاے برفراز نہاد

زدلفریبی آئین و فر سلطانی
نگاہ تہنیتم رسم سجدہ رفت از یاد

چو خوب رسم ادب را بجا نیاوردم
ندا رسید کہ اے روستاہی مادرزاد

بیا بوس نام تو در انجمن — کند شیشہ را می زبان در دہن
ز نامت کہ پیمانۂ ہر لبست — صراحی زمی پای تا سر لبست
بجوزی کہ منظور ہر محفل است — ز بزم تو بوی کباب دلست
صبوح چمن کا زین خوان تست — شکر خندۂ بزم مستان تست
تو ای مجلس آرای ہشیار و مست — چو گل بر سر و ہم چو ساغر بدست
ز بزمت کہ شد صبح دل شام او — چراغیست خور کرد گل نام او
گل و بادہ انشا گر راز تست — شب و روز زیر و بم ساز تست

میر حسن کفری خراسان کا رہنے والا تھا، تیموریوں کی علم نوازی کا شہرہ سنکر ہندوستان آیا اور شاہزادہ دانیال کے سایۂ عاطفت مین پناہ لی، مآثر رحیمی مین ہے،

مدتے ملازم شہزادہ خورشید لوا شاہزادہ دانیال شد، در ملازمت آن شاہزادہ بختیار کمال تقرب و نزدیکی بہم رسانید و قصائد غرا مدح آن شاہزادہ گفتہ۔

شاہزادہ کی وفات کے بعد عبد الرحیم خانخانان کی زر پاشیوں سے متمتع ہوا،[1] عبد الرحیم خانخانان کی شان مین بہت سے قصیدے اور رباعیان لکھین، ان مین سے ایک ذیل مین درج کی جاتی ہے، جس سے اس کے کلام کا اندازہ ہوگا،

اے گوہر خور ز آئینہ بار گہت — وین ظلمت شب نشان گرد رہت
یعقوب ز مصر و موسی از طور نیافت — آن بہرہ کہ من یافتم از خاک رہت

مراد اکبر کے چھوٹے لڑکے شہزادہ مراد کے دربار مین بھی شعر و سخن کا چرچا رہا، نظیری نیشاپوری کی رسائی جب اس کی محفل مین ہوئی، تو اس کی تصویر مولانا شبلی اپنے

[1] مآثر رحیمی ص ۱۰۰۸ جلد سوم

ولد شاہ قلی سلطان بدخشی شکیل، جمیل، متواضع، اور خاکسار ہونے کے علاوہ شعر و شاعری اور تاریخ و سیر سے بھی ذوق رکھتا تھا، ملا عبد القادر بدایونی کو اس سے بڑی محبت تھی اور اس کے حسب ذیل شعر کو خاص طور سے پسند کیا ہے۔

برہگذار تو چون خاک رہ شدم ترسم | کز نگذری بمن و بگذری براہ دگر[1]

پرویز جہانگیر کے لڑکوں میں شہزادہ پرویز نے بھی شعر و شاعری اور علم و فن کی محفل سجائی، اس کے دربار کے بعض شعراء و فضلا حسب ذیل تھے۔

حکیم فغفوری گیلانی، نام محمد حسین، مولد لاہجان تھا، اس لیے فغفوری لاہجی بھی کہلاتا تھا، پہلے، تمی پھر فغفوری تخلص رکھا،[2] ہندوستان آیا تو پرویز کے دربار کو اپنے فضل و کمال سے رونق بخشی اور اس کی شان میں بہت سے قصائد کہے، طب، ریاضی، موسیقی، اور شاعری میں "یکتائے روزگار" سمجھا جاتا تھا، میخانہ میں ہے:

حکیم فغفوری یگانۂ سخن سرایان دہر و نادرۂ صیرفیان این عصر است .... از اکثر ناظمان نامی این عہد ممتاز در شعر فہمی و تازہ گوئی بے انباز بود" (ص ۳۳)

اس دیوان میں قریب پانچ ہزار اشعار تھے، ساقی نامہ کے طرز پر ایک ترجیع بند لکھا ہے، جس کی ابتدا میں اپنے زور بیان کا مظاہرہ اس طرح کیا ہے،

ساقی بدہ آن بادہ کہ خورشید شرار است	چون آتش گل ریز بدامان بہار است
آن آتش بے دود کہ موسیش مجوسیت	و آن نور فروزندہ کہ سوزندۂ نار است
چون غنچہ جامش زدم شیشہ بخندد	گوئی کہ لبالب ومنبش ز لب یار است
آنجا کہ رسن تاب شود گیسوی ناکش	ہر دست چو منصور بخمیازہ دار است

[1] بدایونی جلد سوم ص ۳۳۲، [2] مخزن الغرائب،

بساط عرش و تجبر، ترا چه پیش آمد | حریم کعبه و غفلت، ترا چه حال افتاد
جواب دادم و گفتم بجرم معذورم | کہ تا سخن بچنین درد مے نگشتم شاد

نظیری کو شہزادہ مراد سے بڑا قلبی تعلق تھا، شہزادہ کی موت پر اس نے بڑی دلسوزی کے ساتھ مرثیہ لکھا ہے،

اے بزم تیرہ رخ چون ارغوان کجا است | نے رزم در ہمہ شہر گیتی ستان کجا است
شوق سجود و حرمت تعظیم کمتر است | آن ناز صدر و سرکشی آستان کجا است
برگ و شگوفہ ریخت، ثمر از کجا خورم | بشکست شاخ برگ، مرا آشیان کجا است
کس را سرود درخور این تعزیت بنود | پیدا کنید کا دل این داستان کجا است
حلقے بہ شیون اند، و نگوئید حال چیست | صبر سخن شنیدن و تاب بیان کجا است

آفاق در مصیبت او ممتحن شدہ
این مرگ باعث الم مردمن شدہ

غم خاست، در پیالۂ مے از ساغر افگنید | شد بزم تیرہ پردہ ازان رخ بر افگنید
شمعے کہ دہر روشن ازو بود، مردہ است | پروانہ را بہ دیدہ و بجا گستر افگنید
در بزم او ز حلقہ ماتم خرام نیست | این حلقہ را ز صحن سرا بر در افگنید
ریحان جلوہ، یاسمن عشوہ، ریختہ | پرچینید دہم بران قد جان پرور افگنید
رفت آن کسے کہ تاج بدو سرفراز بود | بر سر کنید خاک و کلاہ از سر افگنید

خیزید تا بہ آن سر تابوت دم زنیم
عرضی کنیم و کار و داعش بہم زنیم

نظیری نیشاپوری کے علاوہ مراد کے دربار سے مرزا لعلی بھی وابستہ تھا، مرزا لعل بیگ لعلی

اور رحیم مرزا کے خوان کرم کی ریزہ چینی کرنے کے بعد پٹنہ میں شہزادہ پرویز کے سایۂ عاطفت میں پناہ لی۔ اور کچھ مدحیہ اشعار کے ساتھ ایک ساقی نامہ اس کی خدمت میں پیش کیا جس کو اس کی مجلس کے تمام شرکاء نے بہت پسند کیا، شہزادہ نے میخانہ کے مولف ملا عبد النبی قزوینی کو اس ساقی نامہ کو میخانہ میں درج کرنے کے لیے خاص طور پر فرمایش کی، اس کے ابتدائی اشعار ملاحظہ ہوں۔

دلا مژدہ کام دز نو روز ماست	مے ارغوانی دل افروز ماست
شدہ رشک جنت گلستان ما	بہشت برین گشتہ بستان ما
نخواہیم جائے بجز جام مے	نجوئیم نامے بجز نام مے
چہ می؟ آنکہ میخانہ اش جان بود	چہ مے آنکہ ...... مستان بود
بمن دہ کہ ہمرنگ مستان شوم	چو آتش سراپا گلستان شوم[1]

خود میخانہ کا مولف ملا عبد النبی فخر الزمانی قزوینی بھی شہزادہ پرویز کی علم نوازی کا معترف تھا، ملا عبد النبی ملازم تو مرزا امان اللہ امانی، مرزا نظامی اور سردار خان کے رہے۔ لیکن وہ اپنے ولی نعمت مرزا نظامی کے قیام پٹنہ کے زمانہ میں شہزادہ پرویز کی شعر و شاعری کی مجلسوں میں بھی شریک ہوتے تھے، چنانچہ اپنی تصنیف میخانہ میں شہزادہ کی جا بجا مداحی کی ہے:

شہی کز مہر او دلہاست لبریز	پناہ بے پناہا شاہ پرویز[2]
فخر ملکان و شاہ شاہان	سلطان زمانہ شاہ پرویز[3]

ملا عبد النبی کی سب سے اہم تصنیف میخانہ ہے جس میں شعرائے متقدمین و متاخرین کے حالات کے ساتھ ان کے ساقی نامے درج ہیں، ہندوستان

---

[1] میخانہ ص ۴۰۴۔ [2] ایضاً ص ۳۳۵۔ [3] ایضاً ص ۳۶۴

موج قدحش دل بُرد از دست حریفان | چون طرّهٔ پرتاب کہ بر روی نگار است
خم کوی صلاحت می آتش زدہ در دی | نے خشت بود بر سر خم سنگ مزار است
آن روز کہ از مشرق خم مست صبوحیم | روزش نشماریم اگر روز شمار است
آن را کہ نظر نیست بر آئینہ جامش | بر آئینہ دیدۂ او نور غبار است
برخاست دل ما زجہان تا بمئے افتاد | از غوطۂ این بحر دو عالم بکنار است

ما دجلۂ کشتی یادگر فتیم ز استاد

ما را خط بغداد بداز خطۂ بغداد

ریاضی مین اس کی ایک مفید تالیف "رسالہ اصابع" ہے،[1]

میر ملکی قزوینی، اس کا باپ میر ظہیر الدین ابراہیم قزوین کے معزز لوگون مین سے تھا، ملکی قزوینی اکبر کے جود و سخا کی شہرت سنکر ہندوستان آیا، اور شاہی دربار سے وابستہ ہوا، اکبر کی وفات پر اس نے جو مرثیہ لکھا تھا، وہ بہت مقبول ہوا، اس کے کچھ اشعار یہ ہین:

واداے روزگار و مدار زمانہ رفت | امروز کہ خدای جہان از میانہ رفت
آئینہ دار دیدۂ اہل نظر گذشت | رونق فزای دفتر این کارخانہ رفت
سنگی رسید و شیشۂ اہل وفا شکست | دردا کہ باعث سخن عارفانہ رفت
شایستۂ شہی و سزاوار سروری | مسند نشین انجمن اکبرانہ رفت

زد سکہ بر سر زر خورشید خاوری

بر چرخ بردِ سکہ، اللہ اکبری

اکبر کی وفات کے بعد جہانگیر پھر اس کے بعد امرا میر معز الملک، مہابت خان، خان جہان

---

[1] فہرست کتبخانۂ شاہ اودھ، اسپرنگر ۱۰۳ ۔

علمی کمالات پر روشنی ڈالنے کی کوشش کرین گے،[۱] مگر اس کی تصانیف کی تاریخ وار ترتیب سے ناظرین کو خود اندازہ ہو جائے گا، کہ وہ کس طرح رفتہ رفتہ صحیح اور خالص اسلام سے ہٹ کر عامیانہ تصوف اور پھر ہندو مذہب کی طرف مائل ہو گیا،

۱۔ سفینۃ الاولیاء دارا کی یہ پہلی تصنیف ہے کہ جو اس نے اپنی عمر کے پچیسوین سال ۱۰۴۹ھ مین لکھی، اس کتاب کے شروع مین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مبارک ہے، اور پھر خلفائے راشدین، حضرت حسن وحسین رضی اللہ عنہم اور ان کے بعد کے ائمہ کے مناقب ہین، اس کے بعد اولیاء اللہ کے احوال ہین، جن مین قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، کبرویہ اور سہروردیہ سلاسل کا ذکر خاص طور پر ہے، ایک باب مین متفرق سلسلون کے صوفیائے کرام کے بھی کچھ حالات ہین، آخر مین ازواج مطہرات، اور بنات طاہرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان خواتین کا ذکر ہے، جنھون نے راہ سلوک مین کمال حاصل کیا، یہ کتاب مختلف مطبعون مین چھپ گئی ہے، ۱۸۵۳ء مین مطبع مدرسہ آگرہ سے ایک انگریز مسٹر بیل کے اہتمام مین جو نسخہ شائع ہوا تھا، اس کے صفحات کی تعداد ۲۳۰ ہے،

دارا شکوہ، نفحات الانس، کشف المحجوب، تذکرۃ الاولیاء، اور طبقات سلطانی وغیرہ جیسے تذکرون سے مطمئن نہ تھا، کیونکہ اس کے خیال مین ان کتابون مین صوفیائے کرام کے حالات سلسلہ بہ سلسلہ علحدہ علحدہ منقول نہ تھے، اور نہ ان کی پیدائش اور وفات کی تاریخ کی تفصیل بھی اطمینان بخش تھی، اس لیے ان خامیون کو سفینۃ الاولیاء لکھکر دور کیا،[۲] تمام تذکرون

---

[۱] دارا شکوہ کی ایک تصنیف مجمع البحرین کو پروفیسر محفوظ الحق (پریسیڈنسی کالج کلکتہ) نے اڈٹ کیا ہے، اور اس کے دیباچہ مین دارا کی تصنیفات، اور تراجم پر بڑی محنت و کاوش سے ایک انگریزی مقالہ لکھا ہے، جناب سید نجیب اشرف صاحب ندوی سابق رفیق دار المصنفین نے بھی مقدمہ رقعات عالمگیر مین دارا کی تصانیف پر بحث کی ہے، [۲] سفینۃ الاولیاء مطبع مدرسہ آگرہ ۱۸۵۳ء دیباچہ

کے مایۂ ناز اہل علم جناب محمد شفیع صاحب (سابق پرنسپل اورنٹیل کالج لاہور) نے بڑی محنت سے اسکوایڈٹ کرکے شائع کیا ہے

ملا عبدالنبی کی دو اور کتابین بھی ہین، ایک دستور الفصحا، جو قصہ گوئی کے آداب پر قصہ خوانون کے لیے

ایک دستور العمل ہے، دوسری نوادر الحکایات یا بحر النوادر جس مین کچھ قصے تھے،

علما، و فضلا، مین مرزا عبداللہ اور مرزا محمد قاسم گیلانی پرویز کے دربار سے وابستہ تھے،

مرزا عبداللہ نیشاپور سے ہندوستان آئے، مرزا محمد قاسم معقولات و منقولات کے عالم تھے، ہندوستان

آکر پہلے عادل شاہی دربار کے امیر الامرا شاہنواز خان شیرازی کے یہان رہے، پھر عبد الرحیم

خانخانان کی فیاضیون سے متمتع ہوئے، شہزادہ پرویز نے بھی ان کو اپنے یہان بلاکر رکھا، اور

ان کو انعام و اکرام سے سرفراز کرتا رہا[1]، جہانگیر کے دربار مین بھی ملازم رہے جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے،

شہریار جہانگیر کا لڑکا شہزادہ شہریار بھی شاعر تھا جنگ جانشینی مین جب اس کو شکست

ہوئی، اور اس کی آنکھون کی بصارت زائل کردی گئی، تو قید خانہ مین اسنے اپنے حسب حال

یہ دو شعر کہے، جس سے اس واقعہ کی تاریخ بھی نکلتی ہے،

زنرگس گلاب ار چہ نتوان کشید کشیدند از نرگس من گلاب

چو پرسد کسے از تو تاریخ من بگو کور شد دیدہ آفتاب[2]

داراشکوہ علمی حیثیت سے تیموری شہزادون کا گل سرسبد داراشکوہ تھا، وہ

ایک باکمال مصنف، شاعر، اور خطاط تھا، اس کو شروع مین تصوف اور بعد مین ہندو

مذہب سے گہرا شغف ہوگیا تھا، نثر مین اس کی تصانیف ان ہی دو موضوعون پر ہین

ان تصانیف سے داراشکوہ کے جن مذہبی اعتقادات اور صوفیانہ خیالات کا اظہار ہوتا ہے

ان پر بحث کرکے ہم ناظرین کو اس کی جانب سے بدظن کرنا نہین چاہتے، بلکہ صرف اس کے

---

[1] مزید حالات کے لیے دیکھو مآثر رحیمی جلد سوم صفحہ ۳۹، [2] ید بیضا، ورق ۱۰۱

دارا نے راہ سلوک کی منزلین جسطرح طے کین، اس کا حال اس طرح لکھتا ہے:

"جمعرات کے روز چوبیس سال کی عمر مین خواب مین فرشتہ نے مجھے آواز دی اور چار مرتبہ کہا "تجھے اللہ تعالیٰ ایسی چیز عنایت کرے گا، جو روئے زمین پر کسی بادشاہ کو نصیب نہین ہوئی"۔ نیند سے بیدار ہو کر مین نے اپنے دل مین سوچا کہ اس قسم کی سعادت البتہ عرفان ہوگی، اور بے شک اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے مجھے یہ دولت بخش دے گا، ان اللہ غفور رحیم، مین ہمیشہ اس دولت عظمیٰ کا طالب رہا، یہان تک کہ ۲۹ ماہ ذی الحجہ ۱۰۴۹ھ کو ایک دوستِ خدا کی صحبت مین پہنچا، وہ مجھپر نہایت مہربان ہوا، حجابات دوسرے لوگون کو ایک مہینہ مین حاصل ہوتی تھی، وہ مجھے پہلی رات مین مل گئی، اور جو کچھ دوسرے ایک سال مین حاصل کرتے تھے، مجھے ایک مہینہ مین حاصل ہوگئی، جہان اور کوئی طالب سالہا سال کے مجاہدون اور ریاضتون سے پہنچتا، مین محض اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے بغیر ریاضت یکبارگی پہنچ گیا، دونون جہان کی محبت میرے دل سے اٹھ گئی اور فضل ورحمت کے دروازے میرے دل پر کھل گئے، اور جو مین چاہتا تھا وہ مجھے مل گیا۔" (ایضاً)

گو ہم دارا کے صوفیانہ عقائد سے بحث کرنا نہین چاہتے، لیکن یہ کہنا نامناسب معلوم نہین ہوتا، کہ دارا نے جس عجلت اور تیزی سے راہ سلوک کی منزلین طے کین، وہ ہندوستان کے صوفیائے کرام مین کسی اور نے نہین کین، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے بیس سال تک اپنے مرشد کے پاس رہ کر ریاضت کی، اور برسون سمرقند، بغداد، ہمدان، تبریز، استرآباد، سبزوار، حصار، بلخ اور ہندوستان وغیرہ کی بادیہ پیمائی کرنے کے بعد راہ سلوک کی منزلین طے کر سکے، حضرت بختیار کاکیؒ بیس برس تک رات کو مطلق نہ سوئے، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ نے اتنے مجاہدے کیے کہ ایک بار حضرت معین الدین چشتی ان کے حجرے مین تشریف لائے

نے اس کو ایک مستند تذکرہ قرار دیا ہے، سفینۃ الاولیا، کی تحریر کے وقت دارا شکوہ حنفی المشرب تھا، اور تصوف میں سلسلۂ قادریہ سے متوسل تھا، مگر آگے چل کر اس کے عقائد میں اسلامی تصوف کی شان بالکل مفقود ہو گئی،

اس کتاب کے ادب و انشار کے متعلق دارا خود لکھتا ہے:

واگرچہ عبارت این کتاب راست پراست است و در عبارت آرائی مقید نشدہ و فارسی سادہ عام فہم نوشتہ لیکن بعضے جا اقتدار بعبارت نفحات الانس قطب الاولیا، قدوۃ الاتقیا، نیر آسمان عرفان خورشید فلک، ایقان حضرت مولای نور امامت والدین عبد الرحمن جامی قدس سرہٗ انشاے کرکمال فصاحت ومتانت دارد وایشاں را استاد خود می دانند کردہ در زبان روزمرہ خود را نیز ترک ساختہ"[1]

۲- سکینۃ الاولیا:- دارا نے یہ کتاب اپنی عمر کے اٹھائیسویں سال ۱۰۵۲ھ میں لکھی اس میں اس نے اپنے پیر لسان اللہ ملا شاہ محمد یا محمد شاہ بدخشانی اور پیر کے مرشد میاں میر (ملاجیو) کے حالات، ملفوظات، کرامات اور ان کے خاندان اور خلفاء کے احوال کی تفصیلات لکھی ہیں،

اس کتاب کی وجہ تصنیف یہ بتائی ہے:

سکینۃ الاولیا...... اور کتابوں کی طرح اولیائے حق کے معتقدوں اور مخلصوں کے لیے بطور یادگار ہے، اور معلوم ہو جائے کہ کوئی زمانہ اس عالی گروہ سے خالی نہیں رہا، اور نیز یہ کہ اس زمانے میں بھی جب کہ ۱۰۵۲ھ ہے، اس قسم کے لوگ ہیں اور تھے،[2]

---

[1] سفینۃ الاولیا، ص ۴۰۲ [2] مجھکو سکینۃ الاولیا، کا فارسی نسخہ نہیں مل سکا، اس کا اردو ترجمہ جو فضل الدین ملک چنن الدین گگے زئی تاجران کتب قومی منزل نقشبندیہ کشمیری بازار لاہور نے شائع کیا ہے، میرے پیش نظر ہے،

کی ہمشیرہ بی بی جمال خاتون کے احوال و کرامات بھی درج ہین، اور اس کے بعد ملا جیو کے خلفاء کا ذکر ہے، دارا نے ان خلفاء کے اشعار کے انتخابات بھی اس کتاب مین دیے ہین، کتاب مین جا بجا کشف المحجوب، نفحات الانس، نخبۃ الطالبین، تفسیر عرائس، تفسیر قشیری، فصل الخطاب، بحر الحقائق تفسیر حسینی، صحیح مسلم، مشکوٰۃ، معجم البلدان وغیرہ کے حوالے ہین، جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کتابین دارا کے زیر مطالعہ رہین۔

۲- رسالہ حق نما:- میری نظر سے نہین گذرا،

۳- حسنات العارفین یا شطحیات:- دارا اس کتاب کی تمہید مین لکھتا ہے، کہ وجد و ذوق "کی حالت مین اس کے منہ سے ایسے کلمات بلند حقائق" نکل جاتے تھے، جن کو سن کر "پست فطرت"، "دون ہمت" اور "زاہد خشک" نے اپنی کوتاہ بینی سے اس پر تکفیر کے فتاوی صادر کئے، اس تکفیر سے بچنے کے لیے اس نے مذکورۂ بالا کتاب تالیف کی جس مین بہت سے صوفیاے کرام اور علماے عظام بلکہ رسول اللہ صلعم اور خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے ایسے کلمات اور اقوال نقل کئے ہین جو اس کے خیال مین شطحیات ہین، ان اقوال سے وہ یہ ظاہر کرنا چاہتا ہے، کہ توحید و معرفت کے منازل و مدارج مین ایک ایسا مقام بھی آتا ہے جب ایک سالک شریعت و طریقت، کفر و ایمان، خیر و شر اور عبد و معبود سے بالکل بے نیاز ہو جاتا ہے، اور بے خودی مین اس کی زبان سے ایسے کلمات نکلتے ہین، جو بظاہر مذہب و ایمان کے منافی ہوتے ہین، لیکن وہ قابل مواخذہ نہین ہوتے، چنانچہ دارا یہ بتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ سلوک مین ایسے ہی مقام پر پہنچ کر اس کی زبان سے شطحیات صادر ہوئین، اور اسی مقام کے وجد و ذوق مین وہ صوم و صلوٰۃ سے مستغنی ہو گیا،

دارا نے جتنے کلمات و اقوال نقل کیے ہین، ان پر مفصل بحث کرکے یہ دکھایا جا سکتا ہے کہ

تو وہ ضعف سے ان کی تنظیم کے لیے کھڑے نہ ہو سکے، حضرت شرف الدین یحییٰ منیریؒ نے، ۳۰ سال تک جنگلوں میں عبادت کی، اس لیے دارا کا یہ لکھنا کہ اس نے یکبارگی "سب کچھ" حاصل کر لیا، مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے۔

دارا کو اپنے مرشد ملا جیو سے والہانہ عقیدت تھی، وہ ایک قصبہ "باری" میں عزلت نشین تھے، اس لیے دارا ان کو باری تعالیٰ کہتا تھا، (حسنات العارفین ص۳۰)، ملا جیو نے خواب میں اس کو مشاہدہ اور مراقبہ کرنا سکھایا اور خواب ہی میں اپنے سینہ کی امانت اس کے سینے میں منتقل کی، جس کے بعد دارا شکوہ کو سلوک میں فتح پر فتح حاصل ہوئی، (ص۳۴)

ملا جیو کو بھی اپنے مرید سے غیر معمولی شیفتگی تھی، وہ اپنے "یاروں" اور "مریدوں" سے کہا کرتے تھے کہ جس طرح میں دارا کے حال کی طرف متوجہ رہتا ہوں، تم بھی رہا کرو، اگر تم اس کی طرف متوجہ نہ ہوگے، تو خدا سے پھر جاؤ گے۔" (ص۳۴) (العیاذ باللہ) وہ اپنے مریدوں کو دارا شکوہ ہی کی صورت کا مراقبہ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔ (ص۳۴)

لسان اللہ شاہ محمد دارا کے اصلی مرشد کو بھی دارا سے بڑی محبت تھی، انھوں نے اس کی شان میں ایک غزل کہی تھی، لیکن یہ اس قدر غلط اور بے معنی یا اتنی مسخ چھپی ہے کہ بالکل مہمل ہو گئی ہے، ایک شعر جس کے کچھ معنی سمجھ میں آتے ہیں، یہ ہے:-

اے بے خبر ز عالم راز نہان دل روزے شود کہ تو بشوی ہمزبان دل

ملا شاہ محمد کو دارا شکوہ سے یہ امید تھی، کہ وہ ہندوستان میں طریقۂ قادری کو رواج دیگا، لیکن ان کی یہ امید بر نہ آئی، (ص۵۰)

دارا شکوہ نے اپنے مرشد کے خوارق و کرامات کی بہت سی تفصیلات لکھی ہیں، اور انہی کے ذریعہ سے ان کی روحانی عظمت کو ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے، آخر میں اس کے مرشد

۲۔ سِرِّ اکبر:۔ یہ اوپنشد کے پچاس ابواب کا فارسی ترجمہ ہے، جو داراشکوہ نے ۱۰۶۷ھ میں بنارس کے پنڈتوں کی مدد سے کیا، اس کتاب میں بسم اللہ کے بجائے گنیش جی کی تصویر دی ہے، اور دیباچہ میں لکھا ہے کہ اصل قرآن مجید یہی ہے، (نعوذ باللہ) اس کی وجہ تصنیف کے متعلق وہ خود لکھتا ہے، (نقل کفر کفر نباشد)

جب یہ فقیر بے اندوہ محمد داراشکوہ ۱۰۵۰ھ میں کشمیر جنت نظیر گیا تھا، تو میں نے عنایتِ الٰہی اور اس کے فضلِ نامتناہی سے کاملوں کے کامل، عارفوں کے خلاصہ، استادوں کے استاد، پیشواؤں کے پیشوا، اور حقائق آگاہ کے معتقد یعنی حضرت ملا شاہ سلمہ اللہ سے سیادت اور ارادت حاصل کی، مجھکو ہر گروہ کے عارفوں کو دیکھنے اور توحید کے متعلق عالی باتیں سننے کا ذوق تھا، اور تصوف کی بہت سی کتابیں نظر سے گذر چکی تھیں، اور کچھ رسالے بھی تصنیف کیے تھے، لیکن طلب توحید میں جو ایک بحر بیکران ہے، اور بھی تشنگی ہر وقت بڑھتی گئی، دقیق مسائل ذہن میں آتے تھے، جن کا حل بجز کلام الٰہی اور استاذ ذات نامتناہی کے ممکن نہ تھا، چونکہ قرآن مجید وعظیم اور فرقان کریم کی اکثر باتیں رمز کی ہیں، اور آج کل انکے جاننے والے کم ہیں، اس لیے میں نے چاہا کہ تمام آسمانی کتابوں کو پڑھوں، کیونکہ کلام الٰہی اپنی تفسیر آپ ہے، یعنی جو بات مجمل ہوگی دوسری کتابوں میں مفصل پائی جائیگی، اس تفصیل سے اجمال معلوم ہو جائے گا، میں نے توریت، انجیل، زبور اور دوسری کتابیں پڑھیں، لیکن ان میں توحید کا بیان مجمل اور اشارات میں تھا، اور ان آسان ترجموں سے جن کو اہل غرض نے کیا تھا، مطلب معلوم نہیں ہوتا تھا، اسلیے اس بات کی فکر میں ہوا کہ ہندوستان وحدت عیان میں توحید کی گفتگو کیوں بہت زیادہ ہے، اور قدیم ہند کے ظاہری اور باطنی علماء کو وحدت سے انکار اور موحدوں پر کوئی اعتراض نہیں، بلکہ ان پر اعتبار ہے، برخلاف اس کے جہلائے وقت

ان کلمات کی نسبت غیر معتبر، مشکوک اور مجہول الروایت ہے، اور بعض اقوال کی تشریح و توضیح صحت سے دور ہے، مگر اس مضمون میں ہم اس قسم کی بحث سے قصداً پرہیز کرنا چاہتے ہیں، اس میں شک نہیں کہ بعض شطحیات ایسی ضرور ہیں، جو بعض صوفیائے کرام کی زبانوں سے غیر اختیاری طور پر نکلیں، لیکن وہ خود کسی حال میں بھی دارا کی طرح ان کے جواز کے قائل نہ تھے، کیونکہ اسلامی تصوف شریعت کے دائرے سے الگ نہیں ہے، اور شطحیات کو علما و صوفیہ میں سے کسی نے بھی روا نہیں رکھا ہے، چنانچہ ہندوستان کے اکابر مشائخ اور صوفیہ کا عمل اسی پر رہا ہے، ان کے افعال و اقوال اس کے شاہد ہیں۔

۵ **مجمع البحرین** :- یہ کتاب دارا نے اپنی عمر کے ۴۲ ویں سال میں لکھی، اس میں اسلام اور ہندو مذہب کو ایک ہی سمندر کے دو دھارے بتایا ہے، اور ان دونوں کو ملانے کی کوشش کی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ اسلامی تصوف اور فلسفۂ ویدانت میں لفظی اختلاف کے سوا کوئی اور فرق نہیں، توحید کے شیدائی ان دونوں میں سے جس کی بھی تقلید کریں حقانیت کی منزل تک پہنچ سکتے ہیں اس کتاب کی اشاعت پر دارا کو مرتد اور ملحد قرار دیا گیا، اور آگے چل کر اس کے یہی عقائد اسکے زوال اور موت کا سبب بنے، یہ کتاب اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلی اور آخری تصنیف ہے[1]

دارا کی تصانیف یہی پانچ ہیں، اس کے بعد اس نے زیادہ تر ہندو مذہب کی کتابوں کے ترجمے کئے یا کرائے، ان ترجموں کی تمہید میں دارا نے اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے، ان سے پتہ چلتا ہے کہ وہ حنفی المشرب اور سلسلۂ قادریہ کا پیرو ہونے کے بجائے رفتہ رفتہ ہندو ہونے کی کوشش کر رہا تھا، یا کم از کم وہ اپنے عقائد کو ایسے سانچے میں ڈھال رہا تھا، کہ ہندو اس کی طرف مائل ہو کر تخت و تاج کے حصول میں اس کے معاون اور مددگار ہوں،

---

[1] پروفیسر محفوظ الحق کلکتہ نے مجمع البحرین کو بہت ہی دقت نظر کے ساتھ اڈٹ کر کے اس کے انگریزی ترجمہ کے ساتھ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ سے شائع کیا ہے،

انه لقرآن کریم فی کتٰب مکنون لا یمسه الا المطھرون تنزیل من رب العٰلمین

یعنی قرآن کریم ایسی کتاب میں ہے، جو پوشیدہ ہے، اور اس کو نہیں چھوتے ہیں، مگر وہ جو کہ پاک ہیں، وہ نازل ہوئی ہے خداوند عالم کی طرف سے تعیین طور سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیت توریت اور انجیل کے حق میں نہیں، لفظ تنزیل سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ لوح محفوظ کے حق میں ہے، چونکہ اپنکہت کہ ایک مخفی راز ہے، اصل و ماخذ ہے، اور قرآن مجید کی آیتیں بعینہ اس میں پائی جاتی ہیں البتہ تحقیق کہ چھپی ہوئی کتاب یہی کتاب قدیم ہے، اس فقیر کا جس نے بے جانی ہوئی چیز کو جان لیا، اور بے سمجھی ہوئی چیز کو سمجھ لیا، اس ترجمہ کے کرنے میں اس کے سوا کوئی مطلب اور مقصد نہ تھا، کہ وہ اور اس کی اولاد، اس کے دوست اور حق کے طلبگار فائدہ اٹھائیں"

مولانا شبلی مرحوم نے سراکبر کے نسخہ کو ۱۹۰۶ء میں ندوۃ العلماء کے سالانہ اجلاس منعقدہ بنارس کی علمی نمائش گاہ میں دیکھا تھا اس کتاب کے دیباچہ کو پڑھ کر ان پر جو اثرات طاری ہوئے ان کا اظہار اس طرح کرتے ہیں "عالمگیر نے داراشکوہ کے مقابلہ کا جب قصد کیا تو اس کا یہ سبب ظاہر کیا کہ داراشکوہ بدعقیدہ اور بددین ہے، اس لیے اگر وہ ہندوستان کا فرمانروا ہوا تو ملک میں بددینی پھیل جائے گی، عام مورخوں کا خیال ہے، کہ یہ محض ایک فریب تھا، نہ داراشکوہ بے دین تھا اور نہ عالمگیر کی مخالفت کا یہ سبب تھا، دلوں کا حال خدا کو معلوم لیکن اس کتاب کے دیباچہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ بالکل ہندو بن گیا تھا، اور کچھ شبہ نہیں کہ اگر وہ تخت شاہی پر تمکن ہوتا تو اسلامی شعار اور خصوصیات بالکل مٹ جاتے" (مقالات شبلی ج ہفتم ص۱۰)

علمی حیثیت سے اس ترجمے یہ فائدہ ہوا کہ برہمنوں کا علمی بخل جاتا رہا، اور اب تک ان کے جو علوم محض رازہائے سربستہ تھے، وہ بالکل فاش ہو گئے، اور اس فارسی ترجمہ کے ترجمے یورپ کی

خداشناسون اور موحدون کے قتل، کفر اور انکار مین مشغول ہین، اور توحید کی تمام باتون کو جو کلام پاک اور صحیح احادیث نبوی سے ظاہر ہین، رد کرتے ہین، وہ خدا کے رستے کے راہزن ہین، ان باتون کی تحقیق کے بعد معلوم ہوا، کہ اس قوم قدیم (یعنی ہندوؤن) کے درمیان تمام آسمانی کتابون سے پہلے چار آسمانی کتابین تھین، رگ بید، سام بید، اتھربن بید ...... اور اس وقت کے سب سے بڑے نبی برہما یعنی آدم صفی اللہ پر یہ تمام احکام نازل ہوئے، اور یہ باتین ان کتابون سے ظاہر ہین ...... اور محض توحید کے اشغال اس مین درج ہین، جس کا نام اپنکھت ہے، اس زمانہ کے انبیاء نے ان کو علحدہ کر کے ان پر شرح و بسط کے ساتھ تفسیرین لکھی ہین، اور ہمیشہ ان کو بہترین عبادت سمجھکر پڑھتے ہین، اس خاکسار کی نظر چونکہ وحدت ذات کی اصل پر تھی نہ کہ عربی، سریانی، عراقی، اور سنسکرت زبان پر، اس لیے چاہا کہ ان اپنکھت کو جو کہ توحید کا خزانہ ہے اور جس کے جاننے والے اس قوم مین بھی کم رہ گئے ہین، فارسی زبان مین بغیر کسی کمی اور بیشی اور نفسانی غرض کے لفظ بلفظ بالمقابل ترجمہ کر کے سمجھون کہ یہ جماعت اس کو اہل اسلام سے پوشیدہ اور پنہان رکھتی ہے، اس کا کیا بھید ہے؟ شہر بنارس جو اس قوم کا دار العلم ہے، اور جہان پنڈت اور سنیاسی جو کہ سرآمد وقت اور بید اور اپنکھت کے جاننے والے تھے ...... اس خاکسار سے تعلق رکھتا تھا ...... ۱۰۶۷ھ مین بے غرضی کے ساتھ اس کا ترجمہ کیا، اور توحید کے متعلق ہر قسم کی مشکل اور اعلی باتین جن کا مین طلب گار تھا، لیکن حل نہین پاتا تھا، اس قدیم کتاب کے ذریعہ سے معلوم ہوئین، جو بلاشک و شبہہ پہلی آسمانی کتاب ہے، اور بحر توحید کا سرچشمہ ہے اور **قدیم** ہے، اور **قرآن مجید کی آیت بلکہ تفسیر** ہے، اور صراحۃً ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بعینہٖ اس کتاب آسمانی سرچشمۂ بحر توحید اور قدیم کے حق مین ہے۔

عمدہ طباعت کے ساتھ ایک صاحب نے بھگوت گیتا شائع کیا ہے جس کو فیضی کا ترجمہ بتایا گیا ہے اکبری عہد کے مختلف تراجم کی فہرست معاصر تاریخون مین درج ہے، اس مین میری نظر سے کہین یہ نہیں گزرا کہ فیضی نے بھگوت گیتا کا منظوم ترجمہ کیا تھا،

انڈیا آفس کے فہرست نگار نے ایک اور کتاب **نادر النکات** دارا شکوہ کی طرف منسوب کی ہے، مگر اس کا نام صرف سفینۃ الاولیا کے سلسلہ مین آگیا ہے، فہرست نگار نے اس کی کوئی تفصیل نہین لکھی ہے، پروفیسر محفوظ الحق کا خیال ہے کہ یہ کتاب شاید رسالۂ حق نما یا مکالمہ بابا لال و دارا شکوہ کا دوسرا نام ہو، کیونکہ خدا بخش خان لائبریری پٹنہ مین جو آخر الذکر نسخہ ہے، اسکا دوسرا نام مخزن نکات بھی ہے،

خزینۃ الاصفیار کے مصنف دارا شکوہ کے تذکرہ مین لکھتے ہین :-

از تصانیف مشہورہ وے کتاب سفینۃ الاولیار و سکینۃ الاولیا، و سرِ اکبر و دیوان اکسیر اعظم و رسالۂ معارف وغیرہ است "

رسالۂ **معارف** میری نظر سے نہین گذرا، دیوان اکسیر اعظم کا ذکر آگے آئیگا،

مخزن الغرائب کے مؤلف نے اپنے دیباچہ مین ان کتابون کی فہرست دی ہے جن سے انھون نے استفادہ کیا ہے، اس فہرست مین دارا شکوہ کی بیاض کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہے،

بیاض محمد دارا شکوہ ولی عہد شاہجہان بادشاہ قادری تخلص صاحب مجمع البحرین کہ باصطلاح صوفیہ ہند نوشتہ "

مگر اس بیاض کا ذکر کسی کتب خانہ کی فہرست میں نہین، ورنہ اس سے دارا کے شاعرانہ ذوق کا اندازہ ہو سکتا تھا، لیکن مخزن الغرائب کے ... دقیق النظر تذکرہ نگار کا اس بیاض سے استفادہ کرنا دارا شکوہ کے کمال شاعری کی سند ہے،

مختلف زبانوں میں ہوئے، اور کہا جاتا ہے کہ جرمنوں کو اپ نشد کے راز سر اکبر ہی کے ذریعہ معلوم ہوئے سر اکبر کا ایک خوش خط قلمی نسخہ دار المصنفین کے کتبخانہ میں ہے، گمان یہ ہے کہ اس نسخہ کا خط دارا شکوہ یا اس کے کسی منشی کے ہاتھ کا ہے، آخر کی عبارت یہ ہے۔

این ترجمۂ اپنکھتہائے ہر چہار وید کہ موسوم بسر اکبر است و تمام معرفت نور الانوار از فقیر بے اندوہ محمد دارا شکوہ خود بعبارت راست برابر است در مدت شش ماہ آخر روز دوشنبہ بست و ششم ماہ رمضان سنہ یکہزار و شصت و هفت در شہر دہلی، در منزل نگمبودہ باتمام رسانیدہ از گنج معرفت بہرہ دراز مستی موہوم خلاص گشتہ بہستی حق رسیدہ نظارہ جاوید گردید، تمام شد کتاب ترجمہ اپنکھہار موافق پیتر بید[۱]

۷- **بھگوت گیتا**:- اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں ہے، جس کے شروع میں یہ عبارت ہے

گیتا بزبان فارسی تصنیف شیخ ابو الفضل علامی از کتاب مہا بھارت از فن بخشش کم کردہ بحکم پرب گویند سری کرشن جیو ارجن سنباد

اس تحریر سے یہ ظاہر ہوتا ہے، کہ بھگوت گیتا کا فارسی ترجمہ شیخ ابو الفضل کا کیا ہوا ہے، لیکن برٹش میوزیم کے فہرست نگار نے اس کی بقیہ عبارت اور اس ترجمہ کی عبارت میں تطبیق نہیں پائی، جو اکبر کے عہد میں کیا گیا تھا[۲]، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے، اس کے فہرست نگار نے اس نسخہ کے ترجمہ کو دارا شکوہ کی طرف منسوب کیا ہے، اور یہ بھی واضح طور سے بتایا ہے کہ برٹش میوزیم کے نسخہ کو ابو الفضل کی طرف منسوب کرنا درست نہیں[۳]، لاہور سے آرٹ پیپر پر نہایت

---

[۱] معارف نمبر ۶ جلد ۱۴، میں سر اکبر کے موضوع پر ایک بہت ہی مفصل تبصرہ شائع ہوا ہے، جس کا مطالعہ ناظرین کے لیے مفید ثابت ہوگا [۲] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد اول ص ۵۹ [۳] انڈیا آفس کیٹلاگ جلد اول کالم ۱۰۸۹،

ایک مذہب کی ملکیت نہیں، اب سے بہت پہلے یہ رسالہ مع اردو ترجمہ کے مطبع مجیب ہند دریا گنج دہلی سے چھپ گیا ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ایک ہندو والا رجو نجی لال نے کیا ہے،

۲ جگ بششت : یہ سنسکرت کی مشہور کتاب "یوگ واسی ششت" کا فارسی ترجمہ ہے، جو دارا شکوہ کے حکم سے اس کے ایک درباری نے ۱۰۶۶ھ میں کیا، ترجمہ کی وجہ دارا نے یہ بتائی ہے:

اس کتاب کے انتخاب کا ترجمہ جو شیخ صوفی کے ساتھ منسوب ہے، ہم نے مطالعہ کیا تورات کو خواب میں دیکھا کہ دو بزرگ قبول صورت ایک اونچے پر اور دوسرے کسی قدر ان سے نیچے کھڑے معلوم ہوئے، جو اونچے پر کھڑے تھے، بششٹ تھے، اور دوسرے رام چندر ...... میں بے اختیار بششٹ کی خدمت میں حاضر ہوا، بششٹ نے نہایت مہربانی سے ہاتھ میری پیٹھ پر رکھا، اور فرمایا کہ اے رامچندر یہ سچا طالب ہے، اور سچی طلب میں تیرا بھائی ہے اس سے بغلگیر ہو، رامچندر کمال محبت کے ساتھ مجھ سے ملے، اس کے بعد بششٹ نے رامچندر کے ہاتھ میں مٹھائی دی، تاکہ مجھے کھلائے، میں نے وہ شیرینی کھائی، اس خواب کے دیکھنے پر ترجمہ کی خواہش از سر نو زیادہ ہوئی، اور دربار عالی کے حاضرین میں سے ایک شخص مقرر اس خدمت پر ہوا، اور ہندوستان کے پنڈتوں سے ...... اس کتاب کے لکھنے میں اہتمام وانصرام کیا،[1]

اس ترجمہ کا ایک نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے اس کا اردو ترجمہ منہاج السالکین کے نام سے مولوی ابوالحسن صاحب نے کیا ہے، جو نولکشور پریس لکھنؤ میں طبع ہوا ہے، اوپر کی عبارت سے معلوم ہوگا، کہ دارا ہندوؤں پر یہ ظاہر کرنا چاہتا تھا، کہ وہ بھی رامچندر

[1] بحوالہ مقدمہ رقعات عالمگیری مرتبہ نجیب اشرف ندوی رفیق دارالمصنفین،

پروفیسر محفوظ الحق صاحب نے مجمع البحرین کے دیباچہ میں مختلف ماخذوں سے دارا کی تین اور تالیفات کا ذکر کیا ہے، پیرس کے قومی کتب خانہ میں ایک مخطوط نگارستان منیر ہے، جس کے آخر میں ایک مرقع کا دیباچہ ہے، کتب خانۂ مذا کے فہرست نگار کا بیان ہے کہ اس دیباچہ کی تحریر دارا شکوہ کی ہے، پروفیسر صاحب کا خیال ہے کہ شاید دیباچہ اس مرقع کا ہو جو دارا نے اپنی محبوب بیوی نادرہ بیگم کو ۱۰۵۱ھ میں بطور تحفہ دیا تھا، مخزن ستمبر ۱۹۰۱ء میں دارا کی ایک فارسی مثنوی اور پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی جرنل (جلد دوم نمبر۱) میں دارا کی ایک تزک کا ذکر ہوا ہے، مگر ان کتابوں کے نام کسی تذکرہ اور تاریخ میں نہیں پائے جاتے،

ان تالیفات کے علاوہ حسب ذیل کتابیں دارا کے حکم سے لکھی گئیں،

۱۔ **مکالمۂ داراشکوہ و بابالال**، بابالال بیراگی ذات کا کھتری اور قصور کا باشندہ تھا، لیکن اس کا استھان دھیان پور (پنجاب) میں تھا، میاں جیو کا دوست تھا، اس لیے داراشکوہ کو بھی اس سے عقیدت تھی، اپنی کتاب شطحیات میں بابالال کے متعلق لکھتا ہے:

بابالال مندیہ کہ در کمال خرقہ است و در ہنود بفرمان و متانت وے کسے دیدہ نشدہ، مرا گفت، در ہر قومے عارف و کامل می باشند کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ بہ برکت او آن قوم رانجات می دہد، و تو منکر ہیچ قومے مباش۔" (ص۳۳ مطبع مجتبائی)

مجمع البحرین میں بابالال بیراگی کا نام مسلمان صوفیۂ کرام کے ساتھ آیا ہے، (ص۲۶) داراشکوہ ۱۰۶۳ھ میں قندھار کی مہم سے واپس آیا تو لاہور میں بابالال سے ملا، اور دونوں کی گفتگو سات مجلسوں میں ختم ہوئی، ان مکالموں کو داراشکوہ کے حکم سے اس کے میر منشی چندربھان برہمن نے قلمبند کر لیا تھا، مکالمے دلچسپ ہیں جن میں یہ دکھلایا گیا ہے کہ حق و صداقت کسی

دارا کا دیوان نایاب تھا، مگر کچھ دن ہوئے کہ خان بہادر ظفر الحسن صاحب (محکمۂ آثار قدیمہ) کو اس کے ایک دیوان کا نسخہ ملا ہے، موصوف نے بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک ماہانہ جلسہ (جولائی ۱۹۳۹ء) کے مضمون میں یہ بتایا ہے کہ اس دیوان میں دارا کی ۱۴۳ غزلیں اور ۲۸ رباعیاں ہیں، اور یہ نسخہ دارا کی زندگی ہی میں لکھا گیا تھا، اب تک شاید اس دیوان کی طباعت نہ ہو سکی ہے۔ مختلف تذکروں میں ہم کو دارا کے جو جستہ جستہ اشعار ملے ہیں، ان کو ناظرین کی دلچسپی کے لیے ذیل میں درج کرتے ہیں، اس سے دارا کے ذوق شعری کا اندازہ ہوگا۔

تذکرۂ سرخوش:۔

هر خم و پیچی که شد از تاب زلف یار شد — دام شد، زنجیر شد، تسبیح شد، زنار شد

خاطر نقاش در تصویر حسنش جمع بود — چون بزلف او رسید آخر پریشانی کشید

بشکست دل ابد از گردش پاکم — در کار من انجم گرہی بود که واشد

بقدر مال باشد سرگرانی — ز وزن زر فزاید بار دستار

بخیه بر فرقۂ فن کیشان — موج آب حیات را ماند

همه چیز تو خوب لیک این بد — کہ تو بسیار دیر می آئی

تا دست رسیدم چو از خویش گذشتیم — از خویش گذشتن چه مبارک سفری بود

مخزن الغرائب: رباعی

معروف شدم تا که بعرفان گشتم — عارف شدم و بخویش عریان گشتم

بیدا کردی مراد لیکن من هم — بیدا کردم ترا و قربان گشتم

دیگر

عارف دل و جان تو مزین سازد — خار یکه بود باشش گلشن سازد

کی طرح ایک اوتار ہے۔

۳- **تاریخ شمشیر خانی**: یہ شاہ نامہ کی گویا تلخیص ہے، جو دارا کے حکم سے کی گئی، دارا کے وسیلہ سے جو کتابین لکھی گئین، ان مین جناب پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی نے **قصص الانبیا** کا نام بھی گنایا ہے،

دارا کی علمی سرپرستی کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ بعض اہل قلم اپنی کتابین لکھ کر اس کے نام سے منسوب اور معنون کرتے تھے، نور الدین محمد بن عبد اللہ بن عین الملک نے ۱۰۵۶ھ مین طب پر ایک ضخیم کتاب لکھی، اور اس کا نام **طب دارا شکوہی** رکھا، پیرس کے قومی کتب خانہ کے فارسی مخطوطات کی فہرست مین اس کا نام **علاجات داراشکوہی** ہے، ابراہیم مسکین نے اپنی کتاب ترجمۂ **اقوال واسطی** مین ابو بکر بن محمد بن موسیٰ الواسطی کے اقوال کا فارسی ترجمہ کیا، اور اس کو داراشکوہ کے نام سے معنون کیا،

دارا نثر نگار ہونے کے علاوہ ایک ممتاز شاعر بھی تھا، اس کی شاعری کی داد اس کے مرشد نے "بے نظیر" اور "دلپذیر" کہکر دی تھی، کلمات الشعراء کے مصنف سرخوش نے لکھا ہے:

"طبع بلند و ذہنے رسا داشت، مطالب صوفیہ در رباعی و غزل منظوم می کرد و بحسب اعتقادی کہ بسلسلۂ عالیہ قادریہ داشت، قادری تخلص می کرد .... دیوان مختصر ازو جمع شدہ"

خزینۃ الاصفیا[1] کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے دیوان کا نام **اکسیر اعظم** تھا، اور وہ اس کی شاعری کی تعریف ان الفاظ مین کرتے ہین:

"تخلش دریائے توحید است کہ از زبان گوہر افشان او روان گشتہ و یا خورشید وحدت است کہ از افق بیان مطلع انوارش طلوع شدہ، مغزی باید کہ تخلش را بفہمد و دلی باید کہ معانی آن در وی امکان پذیرد" (خزینۃ الاصفیا صفحہ ۱۷۴ جلد اول)

[1] سکینۃ الاولیاء صفحہ ۱۳۴

گر بندہ کسے بود خدا او باشد — چون جملہ خداست خود نمائی نکند

توحید علم سے حاصل نہین ہوتی ہے لکھنا اور ہے اور ہوتا کچھ اور ہے،

خواہی کہ شوی داخل ارباب نظر — از قال بحال بایدت کرد گذر

از گفتن توحید موحد نشوی — شیرین نشود دہان ز نام شکر

عارف کسی کی پیروی نہین کرتے ہین۔

ہر دم برسد بعارفان ذوق جدید — خود مجتہد اند نے ز اہل تقلید

شیران نخورند جز شکار خود را — روباہ خورد فتادۂ لحم قدید

دنیا کی تمام چیزون کو معرفت حاصل ہے لیکن یہ راز صرف عارف کو معلوم ہوتا ہے،

توحید شناخت ہر کرا حالی نیست — در راہ طلب ہمت او عالی نیست

خوش آنکہ میان خویش حق را بشناخت — او در ہمہ جاست ہیچ جا خالی نیست

عرفان اپنے کو پہچاننے نہ کہ اپنے کو فنا کر دینے مین ہے۔

کے کار تو در شمار حق می آید — قطعے تو در اعتبار حق می آید

باید کہ تو عین خویش دانی حق را — فانی شدنت چہ کار حق می آید

بر عارف اطلاق مردن جائز نبود چہ جان بجانان پیوست آب آب شد و خاک خاک و

ہوا ہوا و آتش آتش،

بیرون و درون کوزہ پر بود ہوا — پیچید درون کوزہ آواز و صدا

کوزہ بشکست و گشت آواز آواز — بشکست حباب و گشت عین دریا

خدا کا نام لے کر ذکر کرنا غفلت کا باعث ہے۔

ہستی وجود خویشتن کردم رد — گردید مسا و یم ہمہ نیک و بد

کامل ہمہ را ز نقص بیرون آرد — یک شمع ہزار شمع روشن سازد

حسنات العارفین مین داراشکوہ نے شطحیات کی تائید وحمایت مین بکثرت اشعار نظمین اور رباعیان لکھی ہین، ان مین جو اشعار اور رباعیان اس نے اپنی طرف منسوب کی ہین ان کو ہم ذیل مین درج کرتے ہین، مثلاً وہ اس مضمون کو کہ ذاکر مذکور سے غافل ہو سکتا ہے، مگر اس کا غافل ہونا عوام کے غافل ہونے سے مختلف ہے، یون ادا کرتا ہے،

خوش گرچہ بیاد خود نشستن ہمہ وقت — این قید چہ لازم است بر من ہمہ وقت
غافل شدن خلق ز حق از حق ست — خود ما تعب است یاد کردن ہمہ وقت

یا توحید کی حقیقت خود توحید کو فراموش کرنا ہے.

توحید خموشی ست و فکر است مدام — بحث آمد و شد ز دست توحید تمام
یک گفتن تو بہ بین قوی ثابت کرد — توحید دو ز نقطہ چون گیری نام

ابو عبد اللہ خفیف سے پوچھا گیا کہ تصوف کیا ہے، تو فرمایا "غفلت را ہم وجود اللہ دانستن" دارا نے اس کو اس طرح ظاہر کرنے کی کوشش کی ہے.

ہر چند کہ خلق را گرفتہ کوبی — غفلت شدہ است بر ہمہ مستولی
مشغول بحق ست بغفلت شدہ — ہر کس کہ بہر چیز کند مشغولی

جو شخص خدا کے ساتھ مشغول ہے، اس کے لیے ایمان کا سوال باقی نہین رہتا،

کافر گفتی تو از پے آزارم — این حرف ترا راست ہمی پندارم
پستی و بلندی ہمہ شد ہموارم — من مذہب ہفتاد و دو ملت دارم

منصور نے صرف اپنے مین خدا کو دیکھا لیکن عارف ہر چیز مین خدا دیکھتا ہے

عارف بجز اطلاق خدائی نکند — از ذات لطیف خود جدائی نکند

شاہزادہ داراشکوہ ...... و برا تربیت کلی فرمودہ از باعث قدر دانی شہزادہ

نہایت عزت و شہرہ بہندیافت۔"

مراۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے، کہ رضی دانش کی مندرجۂ ذیل غزل پر دارانے

ایک لاکھ روپے بطور انعام دیے[1]

موسمے آن شد کہ ابر تر چمن پرور شود | نکہتِ گل مایۂ شور جنون در سر شود
تاک را سیراب سازے ابر نیسان در بہار | قطرہ تا مے میتواند شد چرا گوہر شود
نالۂ بلبل نہان در پردۂ برگ گل است | بید ماغم کاش ازین یک غنچہ نازک تر شود
ما بذوق گریۂ مستی درین بزم آمدیم | مے بدہ ساقی بقدر آنکہ چشم تر شود
راز پوشیدن نیاید دانش از بے تاب عشق | در میان انجمن پروانہ خاکستر شود

مراۃ الخیال میں ہے کہ دارا کو مطلع بہت پسند آیا، لیکن سرخوش رقمطراز ہے کہ اس کو دوسرا شعر مرغوب ہوا، چنانچہ اس شعر کو مصرع طرح بنا کر شعراء کو غزلیں لکھنے کی فرمائش کی، اس نے بھی اس پر ایک غزل کہی جس کا ایک شعر یہ ہے۔

سلطنت سہل است خود را آشنائے فقر کن | قطرہ تا دریا تواند شد چرا گوہر شود[2]

داراشکوہ اپنے میر منشی چندر بھان برہمن کی نثر و نظم کی سادگی کا بھی دلدادہ تھا، اور یہ مراۃ الخیال کے مولف کے لیے باعث تعجب ہے، چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"عجب کہ شاہزادہ باآن ہمہ مستعدان کہ در عرصۂ روزگار برنگ آمیزی الفاظ آبدار صفحۂ خاطر ارباب دانش را چون شگفتہائے موسم بہار بہزار رنگ متلون می ساختند خاطر مبارک بسخن سادہ اش فرود آوردہ بود، این معنی خالی از دو چیز نبودہ باشد، یا مذاق شاہزادہ

[1] مراۃ الخیال، کلکتہ اڈیشن ۱۸۳ [2] سرخوش مخطوطہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی،

اکنون نتوان نام خود و نامش برد	گر نام بگیرم ز من ا د می رنجد

فقیر اور عارف کا کوئی نام نہین ہوتا،

یک ذرہ ندیدیم ز خورشید سوا	ہر قطرۂ آب ہست عین دریا
حق را بچہ نام کس تواند خواندن	ہر نام کہ ہست ہست از اسمائے خدا

داراشاہ دلربا کو ایک رقعہ مین لکھتا ہے، کہ اس کے دل سے اسلام مجازی محو ہو گیا، اور اب کفر حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے، اور اس کفر حقیقی کی قدر معلوم کرنے کے بعد وہ زنار پوش، بت پرست بلکہ خود پرست اور دیر نشین ہو گیا ہے، اور اس کے لیے کسی چیز کے اقرار و انکار کا سوال باقی نہین رہا ہے،

مسلمان گر بدانستے کہ بت چیست	بدانستے کہ دین در بت پرستی است
اگر کافر ز اسلام مجازی گشت بیزار؟	کرا کفر حقیقی شد پدیدار،
درون ہر بتے جانیست پنہان	بزیر کفر ایمانیست پنہان
تبرسا زادہ دادم دل بیک بار	مجرد گشتم از اقرار و انکار[1]

داراشکوہ نہ صرف شاعر تھا، بلکہ شاعرون کا سرپرست اور مربی تھا، میر رضی دانش مشہد سے ہندوستان آیا تو دارا ہی کے دامن دولت سے وابستہ ہو کر درجۂ عروج پر پہنچا، مراۃ الخیال کا مولف میر رضی دانش کے ذکر مین لکھتا ہے:

"از تربیت کردہائے شاہ بلند اقبال سلطان دارشکوہ است و بدست یاری استعداد و بالمردی طالع بمحفل ہا یونش راہ دانست۔"

رضی دانش کے متعلق مخزن الغرائب مین ہے:

---

[1] رقعات عالمگیر مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی ص ۲۲۳۔

داراشکوہ فن خطاطی مین بھی ید طولیٰ رکھتا تھا، یہ فن اس نے شاہجہانی عہد کے مشہور استاذ آقا عبدالرشید دیلمی سے سیکھا، اور وہ اس کا بہت ہی محنتی اور لائق شاگرد تھا، تذکرۂ خوشنویسان مین ہے،

> داراشکوہ پسر شاہجہان بادشاہ شاگرد عبدالرشید آقاست باوجود اشتغال امور شاہزادگی و دیگر علوم، بروبہ آقا عبدالرشید شاید کسے مثل او نوشتہ باشد"[1]

دارا کو نستعلیق اور نسخ دونون مین کامل مہارت تھی، پروفیسر محفوظ الحق نے اس کی خطاطی کے بہت سے نمونون کا ذکر مجمع البحرین کے دیباچہ مین کیا ہے، مثلاً اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک کلام پاک عزیز باغ لائبریری حیدرآباد دکن مین ہے، جس کے حروف شروع سے آخر تک سنہرے ہین، ایک مطلا مجدولہ کا نسخہ بخط نسخ اور ایک "دہ پند ارسطو" کا نسخہ بخط نستعلیق وکٹوریہ میموریل ہال کلکتہ مین محفوظ ہین، آصفیہ لائبریری حیدرآباد مین اس کے خط کی دو کتابین ہین، رسالہ حکمت ارسطو اور شرح دیوان حافظ (فہرست کتب خانۂ آصفیہ جلد اول ص [illegible]) ان کے علاوہ اس کی لکھی ہوئی وصلیان مختلف جگہون مین پائی جاتی ہین، بعض کتابون پر اس کے دستخط اور مختصر تحریرین ہین، جو خطاطی کے نادر نمونے کہی جاسکتی ہین،

سپہر شکوہ

خزینۃ الاصفیا کے مصنف کا بیان ہے کہ داراشکوہ کے قتل کے بعد جب اس کا نو سالہ لڑکا اورنگزیب عالمگیر کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے اس بچہ کا حال پوچھا، بچے نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

بجرو ابر دل من کمتر از یعقوب نیست — او پسر گم کردہ بود و من پدر گم کردہ ام

عالمگیر یہ جواب پا کر رنجیدہ ہوا، اور بولا بھیڑیے کو مارنا اور اس کے بچہ کی پرورش کرنا عقلمندون

[1] تذکرۂ خوشنویسان، ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ص ۹۶

بہمان طرز آشنائی داشت، یا او بزور طالع بدین پایہ رسید“

دارا شکوہ کو برہمن کا یہ شعر بہت پسند تھا،

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندین بار   بکعبہ بردم و بازش برہمن آوردم

دارا شکوہ نے برہمن سے شاہجہان کے سامنے بھی یہ شعر پڑھوایا، شاہجہان سنکر برافروختہ ہوا لیکن افضل خان نے اس کا غصہ سعدی کا یہ شعر پڑھ کر ٹھنڈا کیا،

خر عیسی گرش بمکہ برند   چون بیاید ہنوز خر باشد [1]

چند رہجان برہمن کے علاوہ محمد علی ماہر اور بنوالی داس ولی بھی دارا شکوہ کے ساتھ کچھ دنون وابستہ رہے، محمد علی ماہر کا ذکر پہلے آچکا ہے، دارا شکوہ نے ان کو مرید خان کا خطاب دیا تھا، بنوالی داس [2] دارا کے منشیون مین سے تھا، ملا شاہ بدخشی کی صحبت مین فقر و درویشی سے متاثر ہوا، اور ترک و تجرید کی زندگی اختیار کر لی، اور دارا کی ملازمت سے کنارہ کش ہوگیا، دارا نے اس کنارہ کشی کو پسند نہین کیا، اور کچھ برہم ہوا، مگر ولی نے بطور معذرت یہ رباعی لکھ بھیجی،

بشنو ز ولی وفاے دنیاے شاہ   مغرور مشو بدولت و حشمت و جاہ

ہر چند چو در ہے نماید لکن   آن قطرۂ شبنم ست بر نوک گیاہ [3]

مگر برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست [4] سے یہ پتہ چلتا ہے کہ مذکورہ بالا رباعی بنوالی داس کی تاریخی تصنیف راجاولی کے آغاز مین مرقوم ہے، یہ تاریخ راجہ جدھشتر سے شاہجہان کے عہد تک کی ہے، بنوالی داس [5] نے کچھ مثنویان بھی لکھین، مثنوی ولی رام کا ذکر کتبخانہ شاہ اودھ کی فہرست مین ہے۔ (ص ۵۸۹)

---

[1] مراۃ الخیال صفحہ ۲۱۴، [2] روز روشن مین نوازی داس لکھا ہی مرقوم ہے، بعض جگہ بھوانی داس بھی ہے۔
[3] روز روشن ص ۸۲۰، [4] برٹش میوزیم کیٹلاگ جلد دوم ص ۵۵۰۔

کے فضل وکمال سے فیضیاب ہونا چاہتا تھا، اس لیے ان کو اپنے دربار میں آنے کی ان الفاظ میں دعوت دی جس سے اس کے دل میں ان کی عزت واحترام کا اندازہ ہوتا ہے،

"افادت وافاضت پناہ فضائل وکمالات دستگاہ ملا محمود بعنایت بے نہایت خسروانی ممتاز گشتہ بداند کہ چون بیامن برکات الٰہی خاطر فیض آثر ہموارہ متوجہ آن ست کہ ارباب علم و حکمت واصحاب دین وملت از قرب مان محفل فیض منزل بودہ، دقائق علمی وحکمی را بوقت عرض می رسانیدہ باشند وآنچہ بر ضمیر الہام پذیر ما کہ آئینۂ علوم غیبی وگنجینۂ اسرار لاریبی است پرتو انداختہ باشد، بآن جماعت می فرمودہ باشیم تا کار بارہ وفق احکام الٰہی وسنت نبوی بعمل می آمدہ باشد بنابران از روے مہربانی یاد آن دانش آگاہ حقائق انتباہ نمودہ طلب فرمودہ ایم بدو قدر الطاف سلطانی طریق سعادت پیمودہ خود را بشرف حضور تمام فیض سراسر سعادت معزز گرداند بعد از ان کہ شرف اندوز ملازمت گردد وچندے فیض ظاہر وباطن از حضور معلی برگیرد اگر خواہد بوطن معاودت نماید، اور امشمول عنایات وموردتوجہات فرمودہ رخصت انصراف ارزانی خواہیم داد، واگر خواہش بودن درین آستان سلطنت آشیان داشتہ باشد، بنوعے کہ باطمینان دل وذوق خاطر گذراند، درباب او توجہ میذدم خواہم داشت، باید کہ بمجرد وصول این منشور کرامت وافضال بے توقف روانہ شدہ روانہ عتبہ بوس گردد ودرعہدہ شناسد"[1]

فارسی سخنگویوں میں شیخ منعم لاہوری[2]، اور ہندی شعراء میں چنتامن ساکن کوڑہ جہان آباد شجاع کے مقربین خاص میں تھے، چنتامن اپنے عہد کا بہت ہی مشہور سنسکرت کا عالم تھا، اگی

---

[1] رقعات عالمگیری مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی [2] ان کی شاعری کے نمونے کے لیے دیکھو مخزن الغرائب قلمی نسخہ ص ۸۰۰ دار المصنفین اعظم گڑھ

کا کام نہین، چنانچہ اس بچہ کو مروا ڈالا۔ خزینۃ الاصفیاء[1] کے مصنف نے نوسالہ بچے کا نام نہین لکھا ہے مصنف موصوف کی مراد شاید سپہر شکوہ سے ہو، مگر یہ روایت صحیح نہین، کیونکہ عالمگیر نے اپنے سولھوین سال جلوس ۱۰۸۳ھ مین اپنی لڑکی نواب زبدۃ النساء بیگم کو شہزادہ سپہر شکوہ کے حبالۂ عقد مین دیا تھا[2]

شجاع و مراد شاہجہان کے لڑکون مین تخت و تاج کے لیے جو خونریز جنگ ہوئی، اس مین مورخین شجاع اور مراد کا عبرتناک انجام دکھانے مین اس قدر محو ہو گئے، کہ ان دونون کے علمی فضل و کمال کو بالکل نظرانداز کر دیا ہے، حالانکہ شاہجہان کے دو لڑکے دارا اور اورنگ زیب جس تعلیم و تربیت کی بدولت آسمان علم پر مہر و ماہ بن کر چمکے، ظاہر ہے کہ اس سے شجاع اور مراد بھی ضرور فیضیاب ہوئے ہون گے، مگر جس طرح وہ صفحۂ ہستی سے مٹا دیے گئے، اسی طرح ان کے علمی اوصاف بھی صفحۂ تاریخ سے گم کر دیے گئے، لیکن ان دونون کی علمی قابلیت ان کے رقعات سے اور ان کی علم نوازی کا حال ان کے درباری شعراء اور متوسلین سے معلوم ہو سکتا ہے، شجاع اور مراد کے رقعات مختلف کتابون مین جستہ جستہ ملتے ہین، ان کے مطالعہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اورنگ زیب اور دارا کی طرح گو بلند پایہ ادیب اور انشا پرداز تو نہ تھے، پھر بھی ان کی تحریرون مین اس زمانہ کے ذوق ادب کی پوری چاشنی ضرور ہے۔

شجاع اور مراد دونون شعراء اور ارباب کمال کے قدردان اور سرپرست تھے، ملا محمود جونپوری شاہجہانی عہد کے بہت ہی ممتاز عالم تھے، فلسفہ مین ان کی تصنیف شمس بازغہ اور معانی و بیان مین فوائد فی شرح الفوائد اب تک بلند پایہ تصنیف سمجھی جاتی ہے، ۱۰۶۲ھ مین جب انکا انتقال ہوا، تو ان کے استاد مولانا محمد افضل جونپوری پر اتنا اثر ہوا کہ شاگرد کی وفات کے بعد ان کے لبون پر کبھی مسکراہٹ نہین دیکھی گئی، اور کل چالیس روز کے بعد وہ بھی شاگرد سے جا ملے[3]، شجاع ملا محمود جونپوری

[1] خزینۃ الاصفیا صفحہ ۱۶۱ ج ۱، [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ صفحہ ۸۳ دار الترجمہ حیدرآباد دکن، [3] تذکرۂ علماء ہند صفحہ ۲۲۱،

نے فی البدیہہ یہ شعر پڑھا،

عید قربانست ومی خواہم کہ قربانت شوم　　　ہمچو چشم گوسپند کشتہ حیرانت شوم

ایک مرتبہ عید الفطر کے موقع پر مراد کی سواری عید گاہ جا رہی تھی، سعید قریشی مجرا کے لیے حاضر ہوا، مراد نے اس سے دریافت کیا کہ عید الفطر کی تہنیت میں اس نے کچھ کہا ہے یا نہیں، اتفاق سے سعید قریشی نے کچھ کہا نہیں تھا، اور پوچھنے کے بعد مراد نماز میں مشغول ہو گیا، سعید قریشی کو موقع مل گیا، اس درمیان میں اس نے ایک غزل تیار کر لی، مراد نماز پڑھ چکا تو سعید نے غزل پیش کی، مراد شراب کا بڑا دلدادہ تھا، اس غزل میں اس کی خاص رعایت رکھی ہے،

روز عیدست لب خشک تر آلودہ کنید　　　چارۂ کار خود اے تشنہ لبان زود کنید

دیر گاہیست کہ از دیر مغان دور تریم　　　زود باشید بکف جام زر اندود کنید

شربت حب نبات لب جان بخش ایاز　　　نوش دارو ی دل خستۂ محمود کنید

حرف بے صرفہ واعظ نتوان کرد بگوش　　　گوش بر زمزمۂ چنگ و نے و عود کنید

ہست بہبود شما بندگی شاہ مراد　　　بہتر آنست کہ اندیشۂ بہبود کنید

شیوۂ صدق چو سرمایۂ ہر سود بود　　　ہست امید کزین شیوہ ہمہ سود کنید

بدرش یافتہ رہ از طالع مسعود سعید　　　سعی در یافتن طالع مسعود کنید[1]

شاہزادہ مراد نہ صرف غزل سے محظوظ ہوا، بلکہ سعید قریشی کی اس بدیہہ گوئی پر حیرت کا اظہار کیا، مراد کی رندی اور اس کے دربار کی رنگینیوں کی خبر شاہجہان کو پہنچی تو اس نے اپنے ایک ہوشمند اور زیرک امیر علی نقی کو مراد کی نگرانی کے لیے بھیجا، علی نقی سعید قریشی کو ناپسند کرتا تھا، اس کی وجہ سے دونوں میں اتنا عناد بڑھا کہ سعید قریشی کی جان کے لالے پڑ گئے، چنانچہ ایک رات

[1] مرادات الخیال ص ۲۶۳

ہندی کلام کا مجموعہ "کبت بچار" کے نام سے موسوم ہے، اس مین سلطان زین الدین محمد بن شاہ شجاع کی مدح مین بھی بہت سی کبتائین ہین[1]

شاہزادہ مراد کا سب سے محبوب شاعر سید قریشی تھا، جو ملتان کا باشندہ تھا جب مراد کو گجرات کی نظامت تفویض ہوئی، تو سید قریشی بھی اس کے ساتھ گیا، اور اپنی بذلہ سنجی، شیرین بیانی، اور سحر گوئی کی بدولت مراد کی نگاہون پر اتنا چڑھا کر دربار کے تمام امرا اس پر فریفتہ ہو گئے،

مرآۃ الخیال کا مصنف اس کی تعریف مین یون رطب اللسان ہے،

"بیان بزرگی صوری و شرح حالت معنوی و ذکر وسعت مشرب و اظہار محاسن شیم و ابراز مکارم اخلاق و ادا ے کشادگی پیشانی و تقریب تعیین وقت و تحریر استعداد سخنش زبان قلم و قلم زبان بر نتابد"

اوائل ملازمت مین ایک روز سید قریشی مراد کے دربار مین جانا چاہتا تھا، داروغہ غسلخانہ نے جو "یکے از چیلہ ہا بود" اندر آنے کی اجازت نہ دی، سید قریشی نے فوراً یہ رباعی لکھ کر مراد کے پاس بھیجی:

اے شاہ جنابت چو جناب اللہ است	ہر حکم تو چون حکم کتاب اللہ است
این چیلۂ دیو فعل مانع در تست	ابلیس صفت مانع باب اللہ است

مراد رباعی پڑھ کر بہت محظوظ ہوا، اور سید قریشی کو زر نا بخشنے کے علاوہ ہر جگہ آنے جانے کی اجازت دیدی،

ایک بار عید اضحیٰ کے موقع پر مراد اپنے ہاتھون سے بکرا ذبح کر رہا تھا، بکرے کی آنکھون پر پٹی بندھی تھی، مراد نے بکرے کی آنکھیں دیکھین، اس کی نظر سید قریشی کی طرف اٹھی، سید قریشی

[1] ماثر الکرام جلد دوم ص ۲۲۲،

چہ آن بلند اقبال تا لذت شکار یافتہ اند، از اکتساب کمالات از خواندن و نوشتن و مانندآن

دست باز داشتہ، چندان رغبتے باین امور ندارند ایشان را چون خواہم گذاشت کہ بہ این

شغل از کسب کمال باز مانند؟

سلطان محمد کو اورنگزیب کی خاص ہدایت تھی کہ وہ ترکی زبان سیکھ کر اس مین بول چال کی مہارت پیدا کرے، مغل فوج مین ترکی النسل سپاہی اور افسرون کی تعداد کافی ہوتی تھی، اس لیے اس سے براہ راست تعلق رکھنے کے لیے ترکی زبان کا سیکھنا تیموری شاہزادون کے لیے ضروری تھا، مگر سلطان محمد کو اس زبان سے رغبت نہ تھی، چنانچہ جب وہ شمالی ہند کی ایک مہم پر روانہ ہوا تو ترکی کے استاد کو ساتھ نہ لے گیا، اورنگزیب کو یہ ناگوار ہوا، اس نے غصہ کی حالت مین ایک خط لکھا، کہ استاد کو اپنے پاس بلا کر ترکی مین گفتگو کرنے کی مشق جاری رکھے، سلطان محمد نے اپنے استاد کی پیری و ناتوانی کا عذر کرکے اس سے اغماض کرنے کی کوشش کی، مگر اورنگزیب نے قبول نہ کیا، اور دوبارہ ایک غضب آلود رقعہ لکھا۔

پیری و ناتوانی او عذر نمی شود، و اگر باشد عذر بے فراست، آن جوان بخت در حضر نیز او را معدوم انگاشتہ درین یکسال کہ او نوکر است و مبلغہا در وجہ مواجب از سرکار نامذ یافتہ اصلا التفاتے بخواندن ترکی نداشتند وجہ بجہت عالی از تعیین معلمان کسب کمالات ایشان است والا این ہمہ ممنونیت آن مردم چرا بایستے کشید ہرگاہ آن والا گہر قدر این عواطف ندانستہ و فرصت را مغتنم نداشتہ در تحصیل امورے کہ سبب آراستگی و کمال نفس انسانیت و ابنائے سلاطین را پیرایۂ خوشتر ازان نیست رغبت نہ نمایند، ما را چہ زیان؟ الحال کہ بہوش آمدہ اند و نیک را از بدمی شناسند، و آنچہ بہبود ایشان باشد خود کوتاہی نخواہند نمود۔"

اورنگزیب سلطان محمد کو فارسی تحریر و تقریر میں مہارت اور پاکیزہ لکھنے کی بھی برابر ہدایت کرتا رہتا تھا

مراد کو اطلاع کیے بغیر گجرات سے نکل بھاگا، مراد کو خبر ہوئی تو اس کی جدائی گوارا نہ کر سکا، اور اس کو واپس بلانے کے لیے قاصد دوڑائے، لیکن سعید قریشی نے واپس آنے کے بجائے یہ غزل معذرت مین لکھ بھیجی[1]

مشکل بود بکوی تو دیگر نشست ما | پیچیدہ است زلف تو بر نکست ما
چون سبزہ در رہ تو بخر پا فتادگی | اے سرو من بگو کہ چہ آید ز دست ما
در دم کہ بار قیب تو خاطر نشان کند | جز تیر بے خطا کہ بر آمد ز شست ما
دل بستہ در خیال نیا جان بہ بند زلف | سد سکندری شدہ این بند بست ما
فارغ ز دین و کفر شدہ بعد ازین سعید | ما و سر نیاز و بت خود پرست ما

سلطان محمد یہ اورنگزیب عالمگیر کا سب سے بڑا لڑکا اور نواب بائی کے بطن سے تھا۔ اورنگزیب ایک شفیق اور دوراندیش باپ کی طرح اپنے لڑکون کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کے لیے ہمیشہ کوشان رہتا تھا کہ اسکے بعد اس کی وسیع اور عظیم الشان سلطنت کا جانشین لائق اور ہوشمند شخص ہو، مگر اسکی یہ کوشش بارآور نہین ہوئی، وہ سلطان محمد کو مختلف رقعات مین سفر و حضر کی حالت مین سونے جاگنے نہانے دھونے، کھانے پینے، اور نماز و وظائف مین مشغول ہونے، لکھنے پڑھنے اور شکار کھیلنے دربار منعقد کرنے یہان تک کہ اٹھنے بیٹھنے، امراء سے ملنے جلنے اور فوجون کے معائنہ کرنے وغیرہ کا لائحہ عمل لکھتا رہتا تھا، اس مین خاص اوقات مین کلام پاک کی تلاوت اور عربی زبان کے مطالعہ کی بھی تاکید ہے، مگر سلطان محمد کو تعلیم سے زیادہ شکار سے دلچسپی تھی، اس لیے اورنگزیب کبیدہ خاطر ہو کر اس کو لکھتا ہے:۔

تا ازین کہ ایشان را پیش از وقت در خدمت خود فشکار بردہ ایم تاسف داریم، چہ

---

[1] مراۃ الخیال ص ۲۶۰۔

محمد اعظم شاہ

یہ عالمگیر کا منجھلا لڑکا بائی اودے پوری کے بطن سے تھا، اور شہزادوں کی طرح اس کی بھی اعلیٰ تعلیم ہوئی، مورخوں اور تذکرہ نگاروں نے اس کے علم و فضل کی تعریف کی ہے، اس زمانہ کے بعض مشہور شعرا، مرزا عبد القادر بیدل، محمد حسین شہرتؔ، میر محمد محمد زمان راسخؔ، اور حاجی اسلم سالمؔ کی صحبت مین شریک رہنے کی وجہ سے خود بھی کبھی کبھی شعر موزون کر لیتا تھا، اس کی ایک رباعی ہے،

قدر سخن از دو عالم بیش است	با خیل خیال بادشہ درویش است
چو مصرع شوخ نیست فرزند عزیز	یک معنی بیگانہ بہ از صد خویش است[1]

اکبر و کام بخش

شاہزادہ اکبر ملکۂ ورس بانو کے بطن سے تھا، ۱۰۹۸ھ مین راجپوتون کے خلاف جنگ مین مشغول تھا کہ ان کے ورغلانے پر باپ سے منحرف ہو کر باغی ہو گیا، اور جب اس کی بغاوت ناکام رہی تو ہندوستان سے بھاگ کر ایران چلا گیا، اور وہان ۴۳ جلوس عالمگیری مین فوت ہوا، عالمگیر اس کی دو باتون کا مداح تھا، ایک یہ کہ اس نے نماز باجماعت کبھی قضا نہین کی، دوسرے مذہب کا اتنا دلدادہ تھا کہ مذہبی جوش مین مخالفین ملت سے کبھی خوفزدہ نہین ہوا،[2]

کام بخش اودے پوری کے بطن سے تھا، عالمگیر کے ۲۰ وین سال جلوس مین حفظ کلام اللہ کی سعادت حاصل کی، عالمگیر نے اس خوشی مین اس کو خلعت دو اسپ با ساز طلا، و سرپیچ مرصع و مالائے مروارید و سپر با گل مرصع و ترکش با کمان عطا کیے،[3] مآثر عالمگیری کے مصنف کا بیان ہے، کہ تحصیل علوم مین اپنے تمام بھائیون پر سبقت لے گیا تھا، اس کو ترکی زبان مین خاص مہارت حاصل تھی، اور مختلف اقسام کے خطوط کی کتابت مین استاد زمانہ تھا،[4]

---

[1] تذکرہ روز روشن ص۵۵ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ ص۳۹۳ [3] ر ص۱۰۸، [4] ر ص۳۹۴

اور اس کیلئے خاص کتابوں خصوصاً اکبر نامہ کے مطالعہ کی تائید کرتا تھا، ایک رقعہ مین ہے،

اگر در نوشتن احتیاط نمود و عبارت مطابق آداب و قاعدہ نباشد جاے انفعال است

در اوقات فرصت بمطالعۂ کتب نیز علی الخصوص اکبر نامہ پرداختہ از مشق انشاء غافل نگردند،

و ہمگی جہد مصروف آن سازند کہ تقریر و تحریر پاکیزہ و پسندیدہ شود تا معانی الفاظ

و ربط مناسب آن بواقعی خاطر نشان نگردد، در گفتن و نوشتن بکار نبرند و ہر چہ بگویند و

بنویسند باید کہ فہمیدہ و سنجیدہ باشد"

چنانچہ سلطان محمد نے اکبر نامہ کا مطالعہ شروع کیا، اور جب اورنگزیب کو خط لکھا تو اکبر نامہ

کے مصنف کی تقلید مین بسم اللہ کے بجائے "اللہ اکبر" اور جل جلالہ تحریر کیا، اورنگزیب کو ناگوار

ہوا تو اس نے تنبیہ کی،

مقصود از خواندن اکبر نامۂ شیخ ابو الفضل تتبع عبارت آن کتاب است نہ اتباع مذہب

مصنف کہ از روے بدعت اسلوب مسنون را تغیر دادہ......"

اسی طرح سلطان محمد نے اکبر نامہ کی تقلید مین اپنے عریضہ کو "نشان والا" اور مہر کو "مہر خاص لکھا تھا، اور نگزیب

نے اس پر بھی فہمایش کی، کہ یہ الفاظ شاہی رقعہ اور مہر کے لیے خاص ہونے چاہیئن،

ایک بار سلطان محمد نے اورنگزیب کو لاپروائی مین خراب کاغذ پر بُرے مسطر مین رقعہ لکھدیا،

اور نگزیب نے اس کو ڈانٹ کر لکھا،

ہر چہ بنویسند دست گاہ داشتہ بر کاغذے لائق می نوشتہ باشند بے پروائی

حسن خط را برہم نزنند"

مگر افسوس ہے کہ اورنگزیب کی یہ ساری تربیت رائگان گئی، اور سلطان محمد عنفوان شباب

ہی مین دنیا سے چل بسا،

بیگم کا نواسہ تھا، ۱۱۷۲ھ میں قلعۂ معلّٰی دہلی مین پیدا ہوا، اور وہین تعلیم و تربیت پائی، یہ وہ زمانہ تھا جب مغلیہ سلطنت کا چراغ ٹمٹما رہا تھا، بادشاہ وقت اور شہزادے ایک غیر اسلامی حکومت کے وظیفہ خوار اور نظر بند ہوکر رہ گئے تھے، اظفری بھی قلعہ معلی دہلی مین ایک قیدی کی حیثیت سے زندگی بسر کر رہا تھا، مگر کچھ عرصہ کے بعد خفیہ طور سے وہان سے فرار ہوگیا، اور جے پور، جودھپور وغیرہ ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچا، نواب آصف الدولہ نے اس کی پذیرائی کی، اظفری لکھنؤ مین سات سال تک رہا، وہان سے مدراس پہنچا، اور وہین ۱۲۳۴ھ مین سپرد خاک ہوا،

اظفری کو عربی فارسی اردو اور ترکی چارون زبانون مین مہارت تھی، آخر عمر مین مدراس پہنچکر انگریزی بھی سیکھ لی تھی، مختلف علوم و فنون مثلاً طب، رمل، عروض، قافیہ اور خصوصاً فن شاعری مین دسترس رکھتا تھا، فارسی اردو اور ترکی مین صاحب دیوان بھی تھا، مگر افسوس ہے کہ اس کا فارسی اور ترکی دیوان مفقود ہے، اس کا اردو دیوان مدراس یونیورسٹی کی طرف سے شائع ہونے والا ہے، یہ سطور لکھتے وقت اس کی ایک کتاب واقعات اظفری پیش نظر ہے، جس کا اردو ترجمہ مدراس یونیورسٹی نے شائع کیا ہے، اس مین اظفری نے اپنے سفر کے علاوہ قلعہ معلّٰی کے بہت سے حالات لکھے ہین، اس لیے یہ کتاب تاریخی اور جغرافی حیثیت سے بھی اہم ہے، اس مین شاہ عالم کے زمانہ کے بہت سے ایسے حالات درج ہین، جو عام سیاسی تاریخون مین نہین ملتے، نظر بند شہزادون کے عادات و اطوار، رسم و رواج، جادو منتر اور عملیات کے متعلق بھی بہت سے معلومات ہین، پھر قلعہ سے فرار ہونے کے بعد اس نے جن جن مقامات کی سیر کی، وہان کی عجیب عجیب چیزون، رسم و رواج اور معتقدات کا بھی ذکر کیا ہے، آخر مین اپنی مختلف تالیفات کا ذکر ان الفاظ مین کیا ہے:-

اپنے قیام لکھنؤ کے زمانہ مین مین نے ایک سال کے اندر ایک ترکی چغتائی لغت کی

اورنگزیب عالمگیر کی وفات کے بعد مغلیہ سلطنت کی تاریخ جنگ وجدل اور انتشار واختلال کی ایک داستان ہو۔مورخین اس دور کے خون آشام واقعات کو قلمبند کرنے مین ایسا محو ہو گئے، کہ ان کی ساری توجہ بادشاہ وقت اور امرار کی سیاست اور ریشہ دوانیون مین الجھ کر رہ گئی، اس لئے شاہزادون کے علمی حالات پر تاریکی کے پردے پڑگئے، حالانکہ اورنگزیب کے پوتے شہزادہ عظیم الشان کے بارے مین عام طور سے مشہور ہے، کہ جب اس نے اشوک کے دارالسلطنت پاٹلی پترا یا شہر پٹنہ کو عظیم آباد کے نام سے مستقر حکومت بنایا تو وہ شاہجہان آباد دہلی ہی کی طرح سیاسی اور علمی حیثیت سے نمایان ہو گیا، مگر اس زمانہ کی علمی مجلسون کے غلغلے مستند متداول تاریخون مین بلند نہین ہوے، اس لیے شہزادہ عظیم الشان کے علمی کارنامون پر اعتبار ووثوق کے ساتھ روشنی نہین ڈالی جاسکتی،

آخری شاہان تیموریہ سے اکبری جاہ وجلال، شاہجہانی سطوت وشہامت اور عالمگیری تدبر وہوشمندی رخصت ہو چکی تھی، اسی کے ساتھ وہ اپنی زبان بھی کھو بیٹھے تھے، محمد شاہ کے زمانہ سے دربار مین عام چرچا اردو زبان ہی کا رہنے لگا، اور زمانہ کے عام مذاق کے مطابق دربار کے شہزادے اسی زبان مین غزل گوئی کی مشق کرنے لگے، غزل گو شہزادون کی تعداد بہت ہے، لیکن ہم مثال کے طور پر صرف دو چار ایسے شہزادون کا ذکر کرنا چاہتے ہین جن کی سخنگوئی اور علم نوازی کا حال بعض مستند تذکرہ نویسون نے بھی لکھا ہے، لیکن ان کے علمی ذوق پر روشنی ڈالنے سے پہلے ایک ایسے باکمال شہزادہ کا ذکر ضروری ہے، جو اگرچہ تخت وتاج کے وارثون مین نہ تھا لیکن علمی حیثیت سے تیموری خاندان کا نہایت ممتاز شہزادہ تھا،

مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی	یہ مرزا علی بخت بہادر محمد ظہیر الدین اظفری گورگانی ہے، یہ شاہ عالم بادشاہ کا ہم جد اور اورنگزیب عالمگیر کی پوتی نواب عفت آرا

مرزا جہاندار شاہ

شاہ عالم ثانی کے جن لڑکوں نے باپ سے شعر و شاعری کا ذوق ورثہ مین پایا، ان کے نام حسب ذیل ہین،

مرزا جہاندار شاہ، مرزا احسن بخت، مرزا سلیمان شکوہ اور مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ،

شاہ عالم نے مرزا جہاندار شاہ کو ولی عہد بنایا تھا، مگر اس نے عالم شباب مین سفر آخرت کیا، واقعات اظفری، طبقات الشعراء، مجموعۂ نغز، تذکرۂ ہندی اور گلزار ابراہیم اور گلشن بیخار مین اس شاہزادہ کا ذکر شاعرون کی فہرست مین اچھے الفاظ مین کیا گیا ہے، واقعات اظفری کے مصنف کا بیان ہے کہ شاہزادہ جہاندار شاہ بہت بذلہ سنج، ظریف اور شوخ طبع تھا، اس کے اردو اشعار مین بڑی شوخی تھی، موسیقی سے بھی ذوق رکھتا تھا، فارسی اور اردو دونون زبانون مین جہاندار تخلص کرتا تھا،

طبقات الشعراء، مولفہ قدرت اللہ شوق سنبھلی مین ہے۔

جوانی بود مجمع قابلیت...... جدت ذہن وجودت طبع وفہم رسا وفکر بجا داشت

واشعار فارسی وہندی ہر دو را موزون می ساخت"

قدرت اللہ قاسم نے اس کو "شیرین گفتار" لکھا ہے، گلزار ابراہیم کے مصنف نے اس سخن سنج کے بیان مین بڑی تر زبانی دکھائی ہے، یہ شاہزادہ ۱۱۹۶ھ مین دہلی سے لکھنو آیا اور یہان آکر اس نے جو علمی بزم سجائی اس کا حال گلزار ابراہیم مین اس طرح ہے:

اس شاہزادہ عالی تبار کی طبیعت شعر کی طرف اس قدر راغب تھی کہ مہینے مین دو بار مشاعرہ کی بنے دولت خانہ مین ٹھہرائی تھی، شعرائے با وقار کو اپنے چوبدار بھیجکر مشاعرے کے دن بلواتے اور ہر ایک سے نہایت التفات اور عنایت کے ساتھ گرم جوشی فرماتے، چنانچہ راقم حقیر کو جب یاد فرمایا تو اس ہیچمدان نے یہ عذر کہہ بھجوایا کہ

کتاب تالیف کی جس مین قدیم مؤلفین کے طرز کے خلاف تفصیل کے ساتھ آسان طریقے پر نئے نئے فوائد لکھے ہین،

ایک مہینہ مین نسخۂ "محبوب القلوب" کا مقفیٰ نثر مین فارسی زبان مین ترجمہ اور کچھ اُسی پر اضافہ کیا ہے، اصل کتاب میر نظام الدین علی شیر متخلص بہ نوائی کی تصنیف اور ترکی زبان مین ہے۔

ایک ہفتہ مین نصاب ترکی "صنعت مقلوبات مین مرتب کین، جس مین دو سو بیس شعر ہین، تین روز مین امیر خسرو کی "خالق باری" کے جواب مین اسی وزن پر ایک مختصر رسالہ ترکی اور ہندی زبان مین مرتب کیا، اس مین ساڑھے چھ سو شعر ہین، اور اسکا نام مین نے تنکری تار رکھا ہے۔

حکیم حسین رضا خان کی استدعا پر جو ہماری سرکار کے ملازم ہین، چند ہفتون کے اندر بقراط کے "رسالہ قبریہ" کا فارسی مین ترجمہ کیا، پھر اسے نظم کا لباس پہنایا، یہ رسالہ عربی زبان مین مریضون کی ردی علامتون کے بیان مین ہے،

اس کے بعد نسخہ "سانحات" کی تالیف مین مشغول ہوا جسمین میری اکثر نصیحتین تنبیہین مذکور ہین، اب تک اس مین ایک سو نو سانحے درج ہو چکے ہین،

جس وقت مین عظیم آباد پہنچا تو رائے ٹیکارام کی خواہش پر سات دن کے اندر ایک اور کتاب "نصاب ترکی چغتائی" تصنیف کی جس مین چار سو باون اشعار ہین، رائے ٹیکارام ہمارا موروثی خانہ زاد ہماری سرکار کا بخشی ......ہے،

جب مین مقصود آباد مین وارد ہوا تو...... مرزا جان تپش کی خواہش پر اپنے واقعات کی تالیف شروع کی (واقعات اظفری مراد ہے)

طبقات الشعراء:-

زلف آمیختہ جو رخ پہ صنم رکھتے ہیں | روز اور شب کو باعجاز بہم رکھتے ہیں

میرا دل انگار بھی کچھ گل سے کم نہیں | منظور ہو جو گوشہ دستار کیجیے

جز جیب و آستین نہیں مونس جہان میں کوئی | دیکھا تو اپنے دیدہ خونبار کیجیے

اس زلف عقدہ گیر کا کیا کار لے صنم | بس ہے جہان کے سبحہ و زنار کے لیے

گلزار ابراہیم میں ہے:-

نہ پوچھو دہر میں کیا کر چلے ہم | اسی ہی آرزو میں مر چلے ہم

رہے اک شب جو اس ماتم کدے میں | بسان شمع رو رو کر چلے ہم

تذکرہ ہندی:

کونسی بات تری ہم سے اٹھائی نہ گئی | پر جفا جو یہ تری ہٹ کی لڑائی نہ گئی

قصد ہر چند کیا سیکھنے کا بلبل نے | وضع نالہ کی مرے اس سے اڑائی نہ گئی

بیمار عشق اب تک جانبر بھی کوئی ہوا ہے | تو اے طبیب ناحق میری دوا کرے ہے

بچتا نہ یگا تو اک دن سنتا ہے اے جفا دار | دیتا تو ہے دل اس کو لیکن برا کرے ہے

کون مئےکش ہے جہاندار آج گذرا باغ میں | ہاتھ میں ہر شاخ گل کے مے کا پیالہ دیکھنا

مرزا احسن بخت قدرت اللہ شوق سنبھلی نے اپنے تذکرہ طبقات الشعراء میں شہزادہ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ہے:

ازراہ قابلیت ذاتی برائے تفنن طبع گاہے متوجہ فن شعری شود و سال و ماہے غزل فارسی و ہندی بہم می رساند این چند ابیات آن احسن بخت کہ بزبانی بعضے معتقدان و منصب داران او بسمع رسید تحریر می آید، اگرچہ نو مشق است اما ذہن صاحب فکر

کمترین نے مشاعرے کا جانا مدت سے موقوف کیا ہے، از بس کہ ان صحبتون مین مناظرہ ہی کو یاران عالی حوصلہ نے رواج دیا ہے، اگر ارشاد ہو تو سوائے مشاعرے کے ایک دن بندگی مین حاضر ہون اور اس تخم ناکاشتنی بے مغز کو موافق ارشاد کے زمین عرض مین بوؤن، پذیرا نہ ہوا، اور پھر چوبدار آیا اور یہ ارشاد فرمایا کہ تیرا حاضر ہونا مشاعرے مین نہایت ضروری ہے، مناظرہ کا مطلق ہمارے یہان نہین دستور ہے، غرض ایماے نواب آصف الدولہ مرحوم کے حاضر ہوا، اور شرف سعادت ملازمت کا حاصل ہوا، مگر دو غزلین اس دن از راہ تفضلات کے پڑھوائین، اور ہر شعر پر کیا کہون کہ کیا کیا عنایتیں فرمائین، پھر اپنی طبع زاد سے بہت کچھ ارشاد فرمایا، اور سامعین کو مورد عنایت و امداد فرمایا۔[1]

اس شہزادہ کا انتقال ۱۲۱۱ھ مین بمقام بنارس ہوا، مختلف تذکرون مین اس کے اشعار منقول ہین، نمونہ کے طور پر ہم یہان اس کے کچھ اشعار درج کرتے ہین،

واقعات اظفری:-

تری جب سے الفت کے پالے پڑے ہین	ہمین اپنے جینے کے لالے پڑے ہین
پھرے ڈھونڈتے پا برہنہ تجھے	یہانتک کہ پاؤن مین چھالے پڑے ہین

فارسی کلام

فتاد مشکل دیگر ز عشق جان مرا	کہ کس نمی شنود شرح داستان مرا
فزودہ ہم غرورت ز غرض بیتابی	باین گناہ برآورد کسے زبان مرا
دلم ز سینہ برآرید و پیش او ببرید	ز نام ما برسانید این بیان مرا

[1] گلزار ابراہیم، انجمن ترقی اردو صفحہ ۹ گلشن بے خار مین اس شہزادہ کے متعلق یہ الفاظ ہین:- "بفہم و فراست و عقل و کیاست ممتاز اقران و امثال خود بودہ"

جلسے رہتے تھے، جو محفل ایسے گلشن فصاحت کے گلدستون سے سجائی جائے وہان کی رنگینیان کیا کچھ ہون گی، جی چاہتا تھا کہ ان کی باتون سے گلزار کھلا دون، مگر اکثر پھول ایسے فحش کانٹون مین الجھے ہوئے ہین کہ کاغذ کے پرزے ہوتے جاتے ہین، اس لیے صفحہ پر پھیلاتے ہوئے ڈر لگتا ہے، پہلے مرزا سلیمان شکوہ مصحفی سے اصلاح لیا کرتے تھے، جب سید انشا پہنچے، تو مصحفی کا مصحف طاق پر رکھا گیا، بزرگون سے سنا، اور طرز کلام سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ شاہزادہ موصوف کے سر دیوان کی غزل اور اکثر غزلین بھی سید ممدوح کی اصلاح کی ہوئی یا لکھی ہوئی ہین،

فحش کانٹون سے مراد شاید سلیمان شکوہ کے دربار کے اہل علم اور شعرا کا حسد اور رشک ورقابت ہو، مولوی عبد الحق صاحب (انجمن ترقی اردو) تذکرۂ ہندی مؤلفہ غلام ہمدانی مصحفی کے مقدمہ مین رقمطراز ہین :۔

دلی کے شہزادے، شاہ عالم کے بیٹے مرزا سلیمان شکوہ اس زمانہ مین لکھنؤ مین تھے. صاحب عالم نے لکھنؤ کی سرزمین پر چھوٹی سی دلی بسا رکھی تھی، اور سارا ٹھاٹھ وہی قائم کر رکھا تھا، دلی سے جو جاتا پہلے ان کی سرکار مین اپنا ٹھکانا ڈھونڈتا، شعر و سخن سے ذوق رکھتے تھے، اور شعرا اور اہل کمال کے قدردان تھے، انشا، جرأت، سوز، مصحفی وغیرہ انہی کے دربار مین ملازم تھے، یا انعام واکرام سے سرفراز ہوتے تھے، بارہ سو سات آٹھ ہجری مین مصحفی بھی میر انشاء اللہ کی وساطت سے اس دربار مین داخل ہوئے، ہماری درباردن مین حسد و رشک، رقابت و غمازی اور سازوباز کی گرم بازاری ہمیشہ رہی ہے .... انشا، جرأت، اور مصحفی خواجہ تاش اور ہم پیشہ تھے، اول اول شاعرانہ چشمک رہی، بعد مین بڑھتے بڑھتے نوبت جنگ و جدل اور فحش اور پھکڑ تک پہنچ گئی، .... غرض ایک ہنگامہ برپا

مناسب وارد۔"

اس کے بعض اشعار یہ ہین :۔

فرقت مین اسکی یارب کھینچین ہم کہانتک | آنکھین تو تھک گئی ہین دیکھنگیے راہ کبتک
یاد ہے گلعذار کی صورت | گل ہے نظرون مین خار کی صورت
کیا قیامت ہے اسکی نوک مژہ | خنجر آبدار کی صورت

مرزا سلیمان شکوہ | متعلون کے آخر زمانہ مین مرزا سلیمان شکوہ کا نام علمی حیثیت سے بہت نمایان ہے۔ اس شہزادہ کے متعلق قدرت اللہ شوق کا بیان ہے۔

مخزن قابلیت و علم و معدن انسانیت و حلم.......... از بسکہ جودت طبع و جدت ذہن بسیار وارد، از راہ قابلیتِ ذاتی گاہے متوجہ فن شعر می شود و غزل فارسی و ہندی بہم می رساند و اکثر در خدمت او مشاعرہ شعرا می شود،

گلشنِ بے خار مین ہے :۔

مرزا سلیمان شکوہ ...... مدتے جلوہ فزائے لکھنؤ بود، اکثر شعرائے آنجا از خوان نعمتش بہرہ ور و کامیاب بودند، چند سال است کہ دہلی وارد شدہ بود، الحال تربیت شعرائے مستقر الخلافہ اکبرآباد است۔" (ص ۹۴، مطبع دہلی اردو اخبار پریس)،

سلیمان شکوہ نے دہلی چھوڑنے کے بعد لکھنؤ مین جو علمی مجلس آراستہ کی تھی، آزاد نے اسکی تصویر اس طرح دکھائی ہے،

مرزا سلیمان شکوہ شاہ عالم کے بیٹے تھے،...... شاعر بھی تھے، چنانچہ عام اہل دہلی کے علاوہ شعراء کا مجمع دونون وقت ان کے ہان رہتا تھا، سودا، میر ضاحک، میر سوز وغیرہ کا ورق زمانہ الٹ چکا تھا، مصحفی، جرأت، مرزا قتیل وغیرہ شاعرون اور شعر فہمون کے

نہوتا آفتاب عشق کا جلوہ اگر پیدا — تو کب ہوتا شب تاریک سے نور سحر پیدا

جلا مت استخوان میری تجھے اے عشق کہتا ہون — ہوا ہے اس نیستان بیچ دل سا شیر نر پیدا

قمر اس بت نے جب سے صندلی پوشاک پہنی ہے — ہوا ہے ایک عالم کو تب ہی سے درد سر پیدا

کوئی بچے پڑا آیا مجرمون کے غیر صبر — منت میزان ستم مین ہم گئے قاتل کی تل

اے قمر دلگیر مت ہو کھول دینگے آن مین — حضرت مشکل کشا عقدے تری مشکل کی کل

بہادر شاہ کے زمانہ مین قلعہ معلی شعر و شاعری کا گہوارہ تھا، جیسا کہ "آخری شاہان تیموریہ کے ذکر" کے سلسلہ مین اوپر بیان کیا جا چکا ہے قلعہ معلی کے شہزادون مین شاید ہی کوئی ایسا شہزادہ ہوگا جس کو شعر و شاعری سے لگاؤ نہ رہا ہو، اور وہ مشاعرون مین حصہ نہ لیتا رہا ہو، لیکن اس کی تفصیلات طویل بھی ہین، اور اردو کی بعض مطبوعہ کتابون مین ان کے جستہ جستہ حالات بھی ملتے ہین، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہین،

ہوگیا، جس کے مزے صاحب عالم...... بھی لینے لگے، اور شہر والوں کو ایک دل لگی ہاتھ آگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ انشا، اپنی طراری، تیزی اور رسوخ سے بازی لے گئے، اور مصحفی کو خفت نصیب ہوئی، صاحب عالم کی نظریں ان کی طرف سے پھر گئیں۔"

طبقات الشعرا میں مرزا سلیمان کے اشعار کے جو نمونے ہیں ان میں سے بعض یہ ہیں:

کس سے سلیمان پوچھے اس کے مکان کا پتا ۔۔۔ واقف حال کب کوئی اسکے ہے بود و باش سے

وفور اشک سے کیونکر ہو اپنی چشم تر خالی ۔۔۔ جو دریا جوش سے بہتا ہے سو ہوتا ہے کم خالی

بھر آتا ہے دل جب دیکھتے ہیں شکل سائل کی ۔۔۔ نہیں ہوتا ہے ظرف ہمت اہل کرم خالی

تاج شہی کا وارث تو کیوں نہ ہو سلیمان ۔۔۔ تیمور کا تو پوتا عباس کا نواسا

گلشن بے خزاں میں ہے:-

جنازہ تیرے دیوانے کا اس تو قیر سے اٹھا ۔۔۔ کہ شور نا رہر ایک خانۂ زنجیر سے اٹھا

گالیاں سیکڑوں ہر بات میں اب دینے لگے ۔۔۔ دیکھو جھڑتے ہیں کیا منہ سے مرے یار کے پھول

مرزا فرخندہ بخت جہان شاہ یہ بھی شاہ عالم کا لڑکا تھا، شاعری میں قمر تخلص رکھتا تھا، تذکرہ شعرا شوق سنبھلی کا بیان ہے:

"جوانے بود جمیع قابلیت و نیز عالی حوصلہ و خوش سلیقہ قدر دان انسان کامل بار تعامل و خوش تلاش و خوش فکر بودہ، فاما اجلش مہلت نداد"

واقعاتِ اظفری میں ہے:

"ہر علم و فن خاصکر خوشنویسی اور آداب و حکمت میں سارے تیموری خاندان میں منتخب تھے، گو کہ پچیس سال کی عمر میں بعارضہ سرسام دنیا سے چل بسے" (ص ۱۹۴)

اس کے بعض اشعار یہ ہیں:

متعلق معلومات فراہم کرنے کے لیے لکھی گئی تھی، لیکن اپنی مختلف خصوصیات کی بنا پر ایک اہم تصنیف ہو گئی، یہ کتاب عرصہ تک پردہ گمنامی میں پڑی تھی، لیکن انگلستان کی ایک علم دوست خاتون نے اس کے متعدد نسخے بہم پہنچائے، اور اس کو بڑی محنت و کاوش سے اڈٹ کر کے ۱۹۰۲ء میں لندن سے شائع کیا اس کے دیباچہ میں خاتون مذکورہ نے گلبدن بیگم کی مفصل سوانحعمری لکھی اور کتاب میں بیگمات کے جتنے نام آئے ہیں، ان سب کے بھی حالات قلمبند کئے، اس کے علاوہ جا بجا جو ترکی الفاظ استعمال کیے گئے ہیں، ان کی تحقیق کی، اور پھر فارسی متن کے ساتھ انگریزی ترجمہ بھی منسلک کیا، اس کتاب کی اشاعت پر مولانا شبلی مرحوم کو بڑی خوشی ہوئی تھی، اور اس پر الندوہ جلدہ نمبر ۳ میں ایک مفصل ریویو لکھا تھا جس سے بہتر ریویو آج بھی کوئی اہل قلم نہیں لکھ سکتا ہے، مولانا مرحوم نے اس کتاب کی جو خصوصیات اور خوبیاں بتائی ہیں، ہم اس مضمون میں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کرنے کی کوشش کرتے ہیں تا کہ ایک عدیم المثال ادیب اور مورخ کی تحریر کی روشنی میں اس کتاب کی ادبی اور تاریخی اہمیت کا صحیح اندازہ ہو سکے ۔

اس کتاب کی انشاپردازی کے متعلق مولانا مرحوم رقمطراز ہیں،

"فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ سے عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں، اور اس میں شبہہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خان ان پر نثار کر دی جائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایون نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اسکے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ کی عام بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے"

عبارت کی سادگی اور طرز ادا کے بے ساختہ ہونے کی مثالیں بکثرت ہیں ہم طوالت کے

شہزادیان

ہندوستان کے شاہان تیموری کی علم دوستی اور حسن مذاق کا یہ نمایان ثبوت ہے کہ جہان انھون نے حکومت کا نظم ونسق سنبھالنے اور ملک داری کے لیے اپنے شہزادون کو اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا، وہان انھون نے شہزادیون کو بھی اس سے محروم نہ رکھا، اور نہ صرف ان کے دربارون مین علم وفن کی مجلسین قائم تھین، بلکہ ان کے خلوت کدون مین بھی علم وادب کی بزم آراستہ تھی، یہ دیکھکر حیرت ہوتی ہے کہ فتوحات کی معرکہ آرائیون اور جنگ جانشینی کی خون آشامیون کے باوجود تیموریون نے جلوت اور خلوت دونون کو علم وہنر کی شمع سے منور رکھا، چنانچہ علمی حیثیت سے تیموری شاہزادون کے ساتھ ایسی تیموری شاہزادیان بھی ملتی ہین، جن کی ذات پر ارباب علم وفضل کو بجا طور پر ناز ہو سکتا ہے،

گلبدن بیگم

تیموری شاہزادیون کی علمی بزم مین سب سے پہلے گلبدن بیگم پر نظر پڑتی ہے، جو بابر کی بیٹی تھی، بابر کے لڑکون مین ہمایون کامران، ہندال اور عسکری نے میراث مین علم، ادب، شعر وشاعری کا ذوق پایا، اسی دودمان فضل وکمال کے گہوارہ مین گلبدن بیگم نے بھی پرورش پائی اور اپنی اعلیٰ تعلیم وتربیت کی بدولت ترکی اور فارسی زبان کی قابل قدر انشا پرداز اور شاعر ہوئی، فارسی زبان مین اس کی ایک مستقل تصنیف ہمایون نامہ ہے، جو اپنے طرز انشا کے لیے ایک بے مثل کتاب اور بابر و ہمایون کے عہد کے تمدنی، معاشرتی اور تاریخی واقعات کے لیے ایک قیمتی ماخذ ہے،

یہ کتاب دراصل اکبر کے حکم سے اکبرنامہ کی ترتیب وتدوین کے وقت بابر اور ہمایون کے

اور ہر قسم کے امور مین ان کی شرکت ضروری سمجھی جاتی تھی وغیرہ وغیرہ، مولانا شبلی مرحوم نے اس کتاب کی ایک اور تاریخی خصوصیت یہ بتائی ہے کہ گلبدن بیگم تاریخی واقعات لکھنے مین اس بات سے بخوبی واقف ہے، کہ کس واقعہ کو سمیٹ کر اور کس واقعہ کو پھیلا کر لکھنا چاہیے، وہ خوب جانتی ہے کہ کونسا واقعہ کیا اثر رکھتا ہے، اور اس لیے اس کے اسباب و علل سے کہان تک بحث کرنی چاہیے،

ریاض الشعرا (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) اور مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین گلبدن بیگم کا نام بھی شعرا کی فہرست مین درج ہے، لیکن دونون تذکرون مین اس کا صرف مندرجۂ ذیل ایک شعر منقول ہے اور مسز بیورج نے اسی شعر کو ہمایون نامہ کے دیباچہ مین میر مہدی شیرازی کے تذکرۃ الخواتین سے نقل کیا ہے،

ہر پریروے کہ او با عاشق خود یار نیست تو یقین میدان کہ ہیچ از عمر برخوردار نیست

اکبر نامہ (جلد سوم ص ۱۱۴) مین ہے کہ گلبدن بیگم کے عالم نزع مین مریم مکانی اس کے سرہانے کھڑی تھی، دونون مین بڑی محبت تھی، مریم مکانی گلبدن بیگم کو بیگم جیو کہکر بار بار پکار رہی تھی، گلبدن بیگم نے آخری بار آنکھین کھولین، اور مریم مکانی کی طرف دیکھ کر یہ مصرع پڑھا،

من ز ار بمردم عمرت باد ارزانی

گلرخ بیگم

بابر کی ایک دوسری لڑکی گلرخ بیگم صالحہ سلطان بیگم کے بطن سے تھی، وہ بھی شعر و شاعری سے ذوق رکھتی تھی، اور اشعار موزون کرتی تھی، صبح گلشن مؤلفہ نواب علی حسن خان مرحوم مین اس کی شاعری کا ذکر ان الفاظ مین کیا گیا ہے۔

"بگلرخی و شگفتہ روئی و سلیقۂ شاعری سر آمد زمرۂ نسوان، غنچۂ دہانش بہ نسیم اشعار لطیف می شگفت"

ریاض الشعرا، مخزن الغرائب اور صبح گلشن مین اس کی طرف یہ شعر منسوب ہے:-

ایکہ آن شوخ گل رخسار بے اغیار نیست است بود ہست انکہ در عالم گل بے خار نیست

خیال سے ان کو یہاں پر نقل نہیں کرتے، مولانا شبلی نے نمونے کے طور پر چند اقتباسات پیش کیے ہیں، جو مقالات شبلی جلد چہارم میں پڑھے جا سکتے ہیں، البتہ مولانا مرحوم نے جو روزمرہ کے محاورے کتاب سے چن کر جمع کیے ہیں، ان میں سے بعض ملاحظہ ہوں:

پائے می داد (ہار جاتا تھا)، طرفگیہا می کرد (شوخیاں کرتا تھا)، بیائید تا یکدیگرم را دریابیم (آؤ گلے لگیں)، خفتن شد (سونے کا وقت آیا) سر حضرت شوم (آپ پر قربان ہوں) روستائی گری (گنوارپن) وغیرہ وغیرہ، مولانا شبلی کا بیان ہے کہ اس قسم کی روزمرہ کی زبان اس عہد کی تصنیفات میں بہت کم ملے گی،

مولانا شبلی رقمطراز ہیں کہ تاریخی حیثیت سے اس کتاب کی قابل قدر خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اس عہد کے تمدن، شائستگی، معاشرت اور خانگی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو روشن کر کے دکھایا گیا ہے، مثلاً وہ کسی شادی یا جلسہ کی تقریب کا حال لکھتی ہے، تو اس کی ہو بہو تصویر کھینچ دیتی ہے، عورتوں کے متعلق وہ بہت سے نئے معلومات فراہم کرتی ہے، مثلاً عورتیں لکھنے پڑھنے کے علاوہ فنون سپہگری سے بھی خوب واقف ہوتی تھیں، سفر اور سیر و شکار میں عموماً گھوڑے پر سوار ہوتی تھیں، بعض اوقات وہ مردانہ لباس بھی پہنتی تھیں، مہرانگیز بیگم (یعنی مظفر حسین مرزا بیگرہ کی بیٹی) کے بارہ میں لکھتی ہے، کہ وہ مردانہ لباس میں ملبوس رہتی تھی، اور مختلف ہنر مثلاً زنجیر تراشی، چوگان بازی، تیر اندازی اور ساز بجانے میں ماہر تھی، ہمایوں جب ایران گیا تو اس کی ایک بہن ہمیشہ ایک گھوڑے پر سوار اس کے عقب میں چلتی تھی، خاندان کے آدمی جب ایک جگہ مل کر بیٹھتے تھے، تو عورتیں بھی گانے میں شریک ہوتی تھیں، لیکن یہ احتیاط رہتی تھی، کہ اس وقت کوئی بیگانہ آدمی نہ ہو، عورتوں کا نہایت احترام کیا جاتا تھا، بابر کی بیوی ماہم بیگم کابل سے ہندوستان پہنچی تو بابر دو کوس تک پیدل استقبال کو گیا، ملکی معاملات میں عورتوں سے بھی مشورے لیے جاتے تھے،

یعنی اکبر بادشاہ کی مرضعہ تھی، اس لیے اس کا ذکر اس سلسلہ میں بیجا نہ ہوگا، ماہم بیگم ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ خاتون تھی، اسی لیے علم و فضل کی ترویج کی خاطر اس نے دہلی میں ایک اعلیٰ پیمانہ کا مدرسہ خیر المنازل کے نام سے قائم کیا، سر سید احمد خاں نے آثار الصنادید میں اس کا ذکر کیا ہے، یہ مدرسہ پرانے قلعہ کے پاس واقع تھا، اس کی عمارت اب منہدم ہو گئی ہے، اس پر جو کتبہ منقوش تھا، اس کو سر سید احمد خاں نے اپنی کتاب (باب اول ص۳۴) میں نقل کیا ہے، اور وہ یہ ہے:۔

بدوران جلال الدین محمد — کہ باشد اکبر شاہان عادل

چو ماہم بیگم عصمت پناہی — بنا کرد این بنا بہر افاضل

ولے شد ساعی این بقعہ خیر — شہاب الدین احمد خان باذل

زہے خیریت این بقعہ خیر — کہ شد تاریخ او "خیر المنازل"

اس مدرسہ کے ساتھ طلبہ کے لیے ایک بہت ہی حسین مسجد بھی تھی، ایک انگریز ماہر آثار قدیمہ نے اس مسجد کو دیکھکر اس کا دلکش نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے:۔

"مسجد پانی سے گھسے ہوئے نوکدار پتھروں کی بنی ہوئی ہے، جہاں نقش و نگار ہیں، وہاں سرخ پتھر اور گرانیٹ لگائے گئے ہیں، نیچا تک گو اب مسمار ہو چکا ہے، لیکن بہت ہی خوبصورت ہے، مسجد کا اندرونی حصہ رنگین پلاسٹر اور چکدار اینٹوں سے مزین ہے، عمارت کا رخ اور پھاٹک رنگین نمونوں اور ترشے ہوئے پتھر کے پھولوں سے منقش ہیں، ان میں رنگ نیلے، زرد، سرخ، ارغوانی، سپید اور سیاہ استعمال کیے گئے ہیں، اس مسجد میں صرف ایک گنبد ہے، جس کی گردن نیچی ہے، اس کا کنگرہ بہت ہی عجیب و غریب ہے، جو مسجد قلعہ کہنہ کے کنگرے سے مشابہ ہے، مسجد کی دیواریں عمودی ہیں، لیکن منارے ڈھلوان ہیں، موتی مسجد کی طرح چھجے سامنے نکلے ہوئے ہیں، اس میں حجرے ہیں جو اور مسجد میں نہیں دیکھے گئے،

سلیمہ سلطان بیگم یہ بابر کی نواسی اور گلرخ بیگم کی بیٹی تھی، پہلے خانخانان بیرم خان سے بیاہی گئی، اس کے انتقال کے بعد اکبر کے حبالۂ عقد مین آئی، سیاسی واقعات مین اس کا نام نمایان اس وقت ہوا، جب شہزادہ سلیم نے اکبر کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، سلیمہ سلطانہ ہی کی مساعی جمیلہ سے اکبر اور سلیم مین مصالحت ہوئی، اس سلسلہ مین اکبر نامہ، منتخب التواریخ اور لب التواریخ مین اسکا ذکر بار بار آتا ہے، جہانگیر اس کی علمی قابلیت کا معترف ہے، اس کے انتقال پر تزک جہانگیری (ص۳۱۱ نولکشور پریس) مین لکھتا ہے:-

"بجمیع صفات حسنہ آراستگی داشتند، در زنان این مقدار ہنر و قابلیت کم جمع می شود"

اس کو شعر و شاعری سے بھی زیادہ مناسبت تھی، آئین اکبری، اقبال نامۂ جہانگیری، اور مآثر الامرا (جلد اول ص۳۶۶) مین ہے کہ اس کا تخلص مخفی تھا، لیکن مخزن الغرائب کے مولف کا بیان ہے کہ اسکا تخلص مخلص تھا، تذکرون مین صرف اس کا ایک شعر نقل کیا گیا ہے:

کاکلت را من ز مستی رشتۂ جان گفتہ ام
مست بودم زین سبب حرف پریشان گفتہ ام

مخزن الغرائب (ورق ۳۰۷) مین فیضی کے مرثیہ پر حسب ذیل رباعی درج ہے، جوایک خاتون کاملہ بیگم کے ذکر مین نقل کی گئی ہے، کاملہ بیگم کے حال مین کسی قسم کا کوئی تعارف نہین، مگر تذکرہ نگار نے رباعی لکھنے سے پہلے یہ بھی تحریر کیا ہے کہ بعض نسخون مین رباعی سلیمہ بیگم کی طرف بھی منسوب ہے:

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد
با پاے امید عمر لنگی کرد

میخواست کہ مرغ روح بندد لخ دوست
زین واسطہ از قفس شتابنگی کرد

مورخین سلیمہ بی بی کی کتب بینی کے شوق کے بھی معترف ہین، اس شوق کی تکمیل کے لیے اس کے پاس ایک ذاتی کتب خانہ بھی تھا۔

ماہم بیگم یہ بیگم وہ دامان تیموری کی چشم و چراغ تو نہ تھی، لیکن ہندوستان کے سب سے بڑے تیموری بادشاہ

سارا مذاق ہی بدل دیا، پہننے اوڑھنے، بناؤ سنگار، فرش فروش اور زیور وآرائش کی چیزون مین اتنی جدتین پیدا کین، کہ سارے ملک مین یہی رنگ غالب آگیا، اس حسن مذاق کے ساتھ قدرت نے نورجہان کو علم وادب کی دولت سے بھی مالامال کیا تھا، ایک علم پرور باپ کی بیٹی اور ایک اعلیٰ ادیب وانشا پرداز اور شاعر کی بیوی تھی، اس لیے باپ کی وراثت اور شوہر کی رفاقت سے اس کی علمی صلاحیت اور لیاقت کو اتنی جلا ہوئی کہ اب تک اس کی استعداد علمی اور سخن سنجی کی داد دیجاتی ہے، مرآۃ الخیال کے مولف کا بیان ہے:۔

"در بذلہ سنجی وسخن گوئی وشعر فہمی وحاضر جوابی از نساے زمان ممتاز بود" (ص؟)

ید بیضا مولفہ آزاد بلگرامی (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے۔

"نورہ وادی شعر بسیار خوش سلیقہ است"

اس کی تصدیق منتخب اللباب اور ماثر الامرا سے بھی ہوتی ہے، نورجہان کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے لطیفے آج کل کی علمی مجلسون مین مشہور ہین، مگر پھر بھی اس مضمون مین ان کا اعادہ شاید دلچسپی اور تفریح سے خالی نہ ہوگا،

ایک روز جہانگیر نے لباس تبدیل کیا جس کا تکمہ "لعل بے بہا" کا تھا، نورجہان نے اس کو دیکھتے ہی فوراً یہ شعر پڑھا:

ترا نہ تکمہ لعل است بر قباے حریر　　　شدہ است قطرۂ خون منت گریبان گیر

ایک موقع پر جہانگیر نے عید کا چاند دیکھکر یہ مصرع موزون کیا،

ہلال عید بر اوج فلک ہویدا شد

نورجہان نے فی البدیہہ دوسرا مصرع پڑھا،

کلید میکدہ گم گشتہ بود پیدا شد [1]

[1] تذکرۂ سرخوش قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال وخافی خان جلد اول ص ۲۷۰، ومرآۃ الخیال ص ۲۹۔

(آرکیالوجی آف دلی، مولفہ سی اسٹیفن بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ مرتبہ ان لا[۱])

یہ مسجد جس فیاضی اور فراخدلی سے طلبہ کے لیے بنائی گئی تھی، وہ ماہم بیگم کی تعلیمی دلچسپی کی بڑی دلیل ہے،

جانان بیگم بیرم خان کی لڑکی عبد الرحیم خانخانان کی بہن اور اکبر کے لڑکے شاہزادہ دانیال کی بیگم تھی، بڑی حسین وجمیل، عاقلہ اور تعلیم یافتہ خاتون تھی، اس کی فیاضی اور مکارم اخلاق کا بڑا شہرہ تھا، علما، وفضلا، کی قدردان اور فقرا، ومشائخ سے عقیدت رکھتی تھی شاہزادہ دانیال کے انتقال بعد شاہزادہ سلیم اس کے حسن وجمال پر فریفتہ ہو گیا لیکن اس کی آرزو بر نہ آئی، اکبر کے بعد جب وہ خود تاج وتخت کا مالک ہوا تو جانان بیگم کو نکاح کا پیام دیا، اس وفا شعار وعفت مآب خاتون نے اس کے جواب میں کل دانت نکلوا کر اور زلفیں ترشوا کر جہانگیر کے پاس بھجوا دیں، وہ عفت و حیا کا یہ نمونہ دیکھ کر دنگ رہ گیا، اور پھر کبھی نکاح کی خواہش نہیں کی، جانان بیگم زیارت حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئی، اور کلام مجید کی تفسیر لکھنے کی سعادت بھی حاصل کی، شاعرہ بھی تھی، کلام کا نمونہ یہ ہے

خیز تا رہ بہ گذار کنیم　　　خویش را چشم انتظار کنیم
زرہ امن وسلامت کیسے باد برسد　　　غبار تا نشود خاک پا باد نرسد

نورجہان بیگم نورجہان بیگم بھی نسلاً تیموری نہ تھی، لیکن ایک تیموری حکمران کی بیوی بن کر شاہی حرم اور حکومت کے لیے باعث رونق وزینت بنی، اس لیے اگر اس کا ذکر ان صفحوں میں نہ کیا جائے گا تو ہماری یہ کتاب نامکمل رہے گی،

نورجہان نے شاہی محل میں داخل ہوتے ہی اپنے جمالیاتی ذوق سے حرم کی عورتوں کا

---

[۱] مرأۃ العالم ورق ۱۵۴

دل بصورت ندہم تا نشود سیرت معلوم — بندۂ عشقم و ہفتاد و دو ملت معلوم

زاہدا ہول قیامت مفگن در دل ما — ہول ہجران گذرانیدیم قیامت معلوم

مفتاح التواریخ مین یہ دو رباعیان بھی نورجہان کی طرف منسوب ہین:

کشاد غنچہ اگر از نسیم گلزار است — کلید قفل دل ما تبسم یار است

زگل شناسد و نہ رنگ بونہ عارض و زلف — دل کسے کہ بحسن و ادا گرفتار است

دیگر

چو برداردم ز رخ برقعہ زگل فریاد برخیزد — زنم بر زلف اگر شانہ ز سنبل داد برخیزد

باین حسن و نمک لاتے چو در گلشن گذر سازم — ز جان بلبلان شور مبارک باد برخیزد[1]

نورجہان شعرا کی بھی سرپرست تھی، مراۃ الخیال کے مؤلف کا بیان ہے کہ "دانش آموز سخن دان نواب قاسم خان" شاعر کی حیثیت سے نورجہان ہی کی سرپرستی اور قدردانی سے ممتاز ہوا، نواب قاسم خان نورجہان کی حقیقی بہن منیجہ بیگم کا شوہر تھا، نورجہان کی وساطت سے جس طرح قاسم خان کو شعر و شاعری مین فروغ حاصل ہوا، اسکا حال مولف تذکرۂ مراۃ الخیال اس طرح لکھتا ہے:-

"نورجہان بیگم را قاسم خان حنانظرہ و مشاعرہ بسیار دست می داد، اگر در فن شعر کلم نمی داشت تا آنکہ طرح غزلے تازہ درمیان آمد و شعرائے پائے تخت ازان درماندند و قاسم خان این سہ بیت نوشتہ نزد بیگم فرستاد، و ازان ہنگام زود طبعیش در سخنوری قبول نمود ابیات این است"

[1] یہ رباعیان کسی اور تذکرہ مین میری نظر سے نہین گذرین، تعجب ہے کہ مفتاح التواریخ مین زیر ذیل شعر نورجہان کا بتایا گیا ہے۔

نورجہان گرچہ بصورت زن است — در صف مردان زن شیر افگن است

مفتاح التواریخ (مولفہ سر طامس ولیم بیل) مین نور جہان کی بدیہہ گوئی کی کچھ اور مثالین منقول ہین، ایک مرتبہ جہانگیر نور جہان سے کئی روز کے بعد ملا، ملنے کی خوشی مین نور جہان کی آنکھون سے آنسو روان ہوگئے، جہانگیر نے اس کیفیت کو دیکھکر یہ مصرع پڑھا،

گوہر ز اشک چشم تو غلطیدہ می رود

نور جہان نے فوراً دوسرا مصرع فی البدیہہ کہا،

آبے کہ بے تو خوردہ ام از دیدہ می رود

ماہ محرم ۱۰۳۰ھ مین ایک دم دار ستارہ نظر آیا، نور جہان نے اس کو دیکھکر یہ شعر موزون کیا:

ستارہ نیست بدین طول سر بر آوردہ   فلک بشادی شاہ کمر بر آوردہ

ملک الشعراء طالب آملی ایک بار شاہی عتاب مین پڑکر محبوس ہوگیا، حالت حبس مین نور جہان کے پاس یہ شعر لکھ کر بھیجا،

ز شرم آب شدم آب را شکستے نیست   بحیرتم کہ مرا آبروے از چہ شکست

نور جہان نے فوراً یہ لکھکر جواب دیا، "یخ بست و بشکست"[۱]

مآثر الامراء کے مؤلف کا بیان ہے کہ نور جہان کا تخلص مختفی تھا[۲]، مگر نہ جانے کیا بات ہے کہ تیموری شہزادیون مین جب کسی نے شعر و شاعری مین طبع آزمائی کی، اس کی طرف یہی تخلص منسوب کردیا گیا، مرآۃ الخیال[۳]، منتخب اللباب[۴] اور مآثر الامراء[۵] کے مؤلفین نے نور جہان کے یہ اشعار اپنی کتابون مین نقل کیے ہین،

---

[۱] یہ تمام روایتین میری نظر سے مفتاح التواریخ (ص ۲۱۴) کے علاوہ کسی اور تاریخ اور تذکرہ مین نہین گذرین [۲] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۳۴، [۳] مرآۃ الخیال ص ۳۲۵ [۴] منتخب اللباب از خافی خان جلد اول ص ۲۷۰ [۵] مآثر الامراء جلد اول ص ۱۳۴.

مین انعام دیا۔[1]

ممتاز محل شاہجہان کی محبوب بیوی ارجمند بانو بیگم الملقب بہ ممتاز محل بھی زیور علم و فضل سے آراستہ تھی، اور وہ نہ صرف سخن فہم، بلکہ سخن سنج بھی تھی، اس کا اندازہ اس مشہور واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ ایک بار شاہجہان جمنا کے کنارے بیٹھکر دریا کے مناظر دیکھ رہا تھا، کہ اس کی موجون کی طرف اشارہ کر کے ممتاز محل سے کہا

آب از برائے دیدنت می آید از فرسنگہا

ممتاز محل نے اس کا دوسرا مصرع فوراً موزون کیا،

از ہیبت شاہجہان سرمی زند بر سنگہا[2]

جہان آرا بیگم شاہجہان اور ممتاز محل کی بیٹی تھی، جو سیاسی واقعات کے لیے بھی اپنے عہد مین بہت نمایان رہی، ممتاز محل کی گود، اور نورجہان کی صحبت اور شاہجہانی عہد کی اعلیٰ علمی فضا مین رہ کر علم و فضل کے لحاظ سے بھی مشہور ہوئی، بچپن مین تعلیم ستی النسار خانم سے حاصل کی

---

[1] مرآۃ الخیال ص ۲۳۲، مخفی کی ایک غزل ملاحظہ ہو،

حل ہر نکتہ کہ بر پیر خرد مشکل بود	از سویدیم بیک قطرۂ مے حاصل بود
گفتم از مدرسہ پرسم سبب حرمت مے	در ہر کس کہ زدم بے خود و لایعقل بود
خواستم سوز دل خویش بگویم با شمع	داشت او خود بزبان آنچہ مرا در دل بود
دوش در صحن چمن از گریہ و زاری من	نالۂ سوختہ خون در دل و پا در گل بود
آنچہ از بابل و ہاروت روایت کردند	سحر چشم تو بدیدم ہمہ را شامل بود
دولتے بود تماشای رخت مخفی را	حیف و صد حیف کہ این دولت مستعجل بود

[2] یہ روایت بعض اردو کی کتابون مین منقول ہو، مگر فارسی تذکرون مین اور تاریخون مین میری نظر سے نہین گذری

گر شوی سایہ نشین روئے بخت باغبان | سایہ بر خورشید انداز د درخت باغبان
فاختہ چون دید بے گل باغ را نالید و گفت | از چہ رو با گل نرفت این جان بخت باغبان
جشن نوروز است و فراش بہار از فیض طبع | طرح کرد از سبزہ و گل تاج و تخت باغبان

نور جہان نے مے کلال کو جس طریقہ سے شاہی دربار میں روشناس کرایا، اس کا ذکر جہانگیر کے سلسلہ میں آ چکا ہے، نور جہان کی مصاحبت میں بعض ایسی عورتیں بھی تھیں جو شاعری میں کافی دسترس رکھتی تھیں، ان ہی میں ایک مہری ہروی تھی، جس کے بارے میں مرآۃ الخیال کا مولف لکھتا ہے:

"مسماۃ مہری ہروی خورشید طلعتی بود کر کرشمہ جمالش عروسان بہشت را جلوہ گری آموختے واز تاب عذارش آفتاب عالم تاب در آتش غیرت سوختے، با این ہمہ حسن و رعنائی بالماس فکر بکر درہائے مضامین آبدار سفتے و سخن را لب یار نازک گفتے۔"

مرآۃ الخیال میں مہری ہروی کا ایک دلچسپ لطیفہ درج ہے، نور جہان مہری ہروی کے ساتھ محل کے بالا نشین پر بیٹھی تھی، کہ مہری ہروی کا شوہر خواجہ حکیم نیچے نظر آیا، نور جہان نے ہروی کو اس کے شوہر کو اوپر بلا لینے کا حکم دیا، حکم پاکر خواجہ حکیم نے اضطراب اور عجلت میں حاضر ہونے کی کوشش کی، مگر گھبراہٹ میں اس کے پاؤں لڑکھڑائے، اس اضطراب، عجلت اور گھبراہٹ کی حالت کو دیکھکر نور جہان نے مہری ہروی کو ان کیفیات پر اشعار موزون کرنے کی فرمایش کی، مہری ہروی نے خواجہ حکیم کو مخاطب کر کے کہا:

مرا با تو سر یاری نماندہ | بہر مہر و وفا داری نماندہ
ترا از ضعف پیری قوت از دور | چنانکہ پای پرواری نماندہ

نور جہان ہنس پڑی، اور مہری کو اس صلہ میں نقد و جنس کی صورت

خسرو ملک فنا بے تخت و تاج | از خود و از غیر خود بے احتیاج
غرق بحر عشق از صدق و صفا | از خودی بیگانہ با حق آشنا
کرد مرغ ہمتش ز اوج کمال | بیضۂ افلاک را در زیر بال
اختر برجِ سپہر لم یزل | گوہر درجِ کمالِ بے بدل
آن معینِ دین و ملت بے نظیر | فارغ از دنیا بملکِ دین امیر
در ثنائے او زبانم را چہ حد | فیض او باید کہ فرماید مدد

وہ جب حضرت معین الدین چشتیؒ کے مزار مبارک کی زیارت کے لیے گئی تو وہاں کے جن تاثرات کو قلمبند کیا ہے، ان سے بھی اس کی والہانہ عقیدتمندی اور اخلاص کا اظہار ہوتا ہے،

"می گوید فقیرۂ حقیرہ جہان آرائے کہ چون از یاوری بخت و فیروزی طالع از دار الخلافہ اکبر آباد در خدمت والد بزرگوار خود متوجہ خطۂ پاک حضرت اجمیر بے نظیر شدم از تاریخ ہژدہم ماہ شعبان المعظم سنۂ یکہزار و پنجاہ سنہ ہجری تا تاریخ جمعہ ہفتم ماہ رمضان المبارک کہ داخل عمارات کنار تال اناساگر گشتم، موفق شدم باین معنی کہ ہر روز و ہر منزل دو رکعت نماز نافلہ ادا می کردم و یکبار سورہ یٰسین با فاتحہ از کمال اخلاص و عقیدتمندی خوانده و ثواب آنرا بر روح پر فتوح مطہر منور حضرت پیر دستگیر خواجہ معین الحق والدین رضی اللہ عنہ نثار می نمودم و چند روز کہ در عمارات مذکورہ توقف واقع شد، از نہایت ادب شبہا بر پلنگ نخوابیدم و بطرف روضۂ متبرکہ حضرت پیر دستگیر پا دراز نساختم، بلکہ پشت بآنجانب نکردم و روزہا در زیر درختان می گذرانیدم .... و در مسجد سنگ مرمر کہ بدر بزرگوار حق شناس این حقیرہ راست کردہ اند، رفتہ نماز ادا کردہ و باز در گنبد مبارک نشستہ سورۂ یٰسین

جو ملک الشعرا طالب آملی کی بہن اور حکیم رکنا کاشی کے بھائی کی بیوی تھی، یہ خاتون حافظ تھی، اور زبان دانی، ادب شناسی اور علم قرأت و تجوید میں امتیازی حیثیت رکھتی تھی، ممتاز محل اور شاہجہان دونوں اس کے قدردان تھے، ممتاز محل کی مہر دار تھی، اور اس کے انتقال کے بعد محل کی صدارت اسی کے سپرد ہوئی، اس کی وفات کے بعد شاہجہان نے تیس ہزار روپے خرچ کر کے اس کا مقبرہ بنوایا، جو روضۂ تاج گنج میں ہے، جہان آرا بیگم نے اسی خاتون کے زیر تعلیم رہکر قرأت اور تجوید سیکھی[ا] اور یہ بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جہان آرا بیگم نے علم قتم کی تعلیم پائی، کیونکہ وہ مصنف بھی ہوئی اور شاعر بھی جب عمر ۲۷ سال کی تھی تو اس نے ۱۰۴۹ھ میں مونس الارواح لکھی جس میں حضرت معین الدین چشتیؒ اور ان کے سلسلہ کے اکابر خلفا مثلاً شیخ حمید الدین ناگوریؒ، حضرت قطب الدین کاکیؒ، حضرت فرید الدین گنج شکرؒ، حضرت نظام الدین اولیاؒ، اور حضرت چراغ دہلویؒ کے بہت ہی عقیدتمندانہ احوال مندرج ہیں، جس سے اس کے مذہبی اور صوفیانہ ذوق کا صحیح طور پر اندازہ ہوتا ہے، اس کتاب کی تالیف میں اس نے بڑی احتیاط کی ہے، چنانچہ ایک جگہ وہ رقمطراز ہے:

"احوال این بزرگان کہ مقربان درگاہ صمدیت اند از کتب و رسائل معتبرہ باحتیاط تمام بیرون آوردہ بقید تحریر آوردہ شد، و اعتقاد این ضعیفہ انچہ درین رسالہ ثبت گردیدہ صحت تمام دارد، امید کہ خوانندگان را فیض و بہرۂ تمام ازان حاصل آید"

اس احتیاط کے علاوہ کتاب کی دو اور خصوصیات ہیں، ایک تو یہ کہ یہ بہت ہی ادب اور احترام کے ساتھ لکھی گئی ہے، حضرت معین الدین اجمیریؒ کے ذکر کی ابتدا ان اشعار کے ساتھ کرتی ہے،

آن شہنشاہ جہانِ معرفت ذات او بیرون ز ادراک و صفت

[ا] ماثر الکرام جلد دوم ص ۹۲-۹۵،

اُن سے جہان آرا کی عقیدت و ارادت سنِ کہولت میں بھی بدستور قائم تھی، اس قلمی نسخہ کا ناپ ۱۷×۱۰ ہے، ہر صفحہ میں گیارہ سطریں ہیں، اور کل صفحات کی تعداد ۱۴۴ ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اس کو ایک بڑی رقم میں خریدا تھا، اور اپنی قلمی کتابوں کے ذخیرہ میں اس کو بہت ہی عزیز رکھتے تھے، (الندوہ، اپریل ۱۹۱۱ء) یہ کتاب خطاطی کے اعلیٰ نمونہ کے طور پر لندن کی نمائش منعقدہ مئی ۱۹۱۱ء میں بھی بھیجی گئی تھی،

جہان آرا کے علمی مشاغل میں زیادہ تر صوفیائے کرام کے حالات کا مطالعہ ہی رہا کرتا تھا، مونس الارواح میں ایک جگہ لکھتی ہے،

این ضعیفہ راجیہ از ادائے فرض و واجبات و تلاوت قرآن مجید ہیچ امرے شریف تر از ذکر حالات و مقامات اولیائے کرام قدس اللہ ارواحہم نمی داند، بنابراں خلاصۂ اوقات خود را بمطالعہ کتب و رسائلے کہ مشتمل بر احوال سعادت مآل بزرگان دین واکابر صاحب یقین ست صرف می نماید[1]"

---

[1] جہان آرا بیگم کے ایک سوانح نگار نے اس کی تالیفات میں ایک سیاحت نامہ اور ایک مثنوی بھی بتائی ہے، مگر میری نظر سے ان دونوں کتابوں کے نام کسی مستند تذکرہ اور تاریخ میں نہیں گذرے، ۱۹۳۱ء میں لندن سے ایک انگریزی کتاب ایک انگریز خاتون Andrea Butensch نے Mogul princess. Jahan Ara Begum کے نام سے شائع کی ہے، خاتون مذکور نے اس کتاب کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ وہ آگرہ کے قلعہ کو دیکھنے میں مصروف تھی کہ ثمن برج کے ایک شکستہ پتھر کے نیچے سے کچھ مسودے ملے، مسودے کو پڑھنے کے بعد یہ معلوم ہوا کہ وہ جہان آرا کی خود نوشتہ تحریریں ہیں، جن کو اس نے شاہجہان کے محبوس ہونے کے بعد قلمبند کیا تھا، وہ بھی شاہجہان کے ساتھ قید تھی، اس لیے قید ہی کے زمانہ میں اس نے اپنی پچھلی زندگی کے واقعات

(باقی صفحہ ۴۵۲ پر)

فاتحہ بروح پُر فتوح خواندم تا وقتِ نماز مغرب در آنجا بودم و شمع بار رواح آنحضرت روشن کردہ، روزہ باب جمالزہ افطار کردم عجب شامی دیدم آنجا کہ بہتر از صبح بود، اگرچہ اخلاص و محبت این فانیان تقاضاے آن می کرد کہ باین قسم جاے متبرک پُر فیض گوشۂ عافیت رفتہ باز بخانہ بیاید، اما چہ چارہ ؎

رشتہ در گردنم افگندہ دوست　　　　می برد ہر جا کہ خاطر خواہ اوست

اگر اختیار رسیدا شتم ہمیشہ در روضۂ حضرت کہ عجب گوشۂ عافیت است و من عاشق گوشۂ عافیتم بسر می بردم و بہ سعادت طواف نیز مشرف می شدم ناچار بچشم گریان و دل بریان بصد ہزار افسوس ازان درگاہ رخصت شدہ بخانہ آمدم و تمام شب طرفہ بیقراری در من بود۔"

مونس الارواح کا سنہ تالیف ۱۰۴۹ھ ہے، لیکن یہ عبارت ۱۰۵۳ھ مین بطور ضمیمہ لکھی گئی ہے، جو دار المصنفین کے قلمی نسخہ مرقومہ ۱۰۶۰ھ مین ہے،

اس کتاب کی دوسری خصوصیت اس کا طرز انشا ہے، مولانا شبلی مرحوم نے اس کی عبارت کو نہایت "صاف اور شستہ"[1] بتایا ہے، جیسا کہ اوپر کے اقتباس سے بھی معلوم ہوگا،

مونس الارواح چھپ گئی ہے، مگر اس کا ایک بہت ہی خوشخط نسخہ دار المصنفین مین ہے، یہ نسخہ جہان آرا نے دربار کے مشہور خوشنویس عاقل خان سے وصلیون پر لکھوایا تھا، اور پوری کتاب کو طلائی نقش و نگار اور زرین افشان سے مزین کرایا تھا، اس پر سنہ کتابت ۱۰۶۰ھ مرقوم ہے، یعنی تصنیف کے اونیس سال کے بعد اور جہان آرا کی عمر کے ۴۷ وین سال مین یہ نسخہ لکھا گیا، جس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ کتاب مین جن بزرگون کے حالات ہین،

---

[1] الندوہ اپریل ۱۹۱۱ء

جہان آرا بیگم کے اردو سوانح نگار، منشی سیل چند، مصنف تاریخ آگرہ کے حوالہ سے اس کا ایک مرثیہ بھی نقل کرتے ہین، جو اس نے اپنے باپ کی وفات کے موقع پر کہا تھا، اسکے تین اشعار یہ ہین:

اے آفتاب من کہ شدی غائب از نظر	آیا شب فراق ترا ہم بود سحر؟
اے بادشاہ عالم، وی قبلۂ جہان	بکشاے چشم رحمت و بر حالِ من نگر
نالم چنین ز غصہ و با دم بود بدست	سوزم چو شمع در غم و دودم رود ز سر

جہان آرا بیگم کے ذوق شعری اور اس سلسلہ مین اس کے جود و سخا کی متعدد روایتین تذکرون

(بقیہ حاشیہ ۴۵۲) راجپوت سوار، دارا کی حمایت مین اورنگزیب کے خلاف لڑتا ہے، جنگ مین راجپوت جہان آرا کے ایک دوسرے عاشق کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، مگر اس کا ایک ہار کسی طرح سے جہان آرا کو مل جاتا ہے، جس کو وہ قیمتی یادگار سمجھ کر اپنے پاس محفوظ رکھتی ہی، اس کتاب مین اسی قسم کے اور بھی خرافات ہین، سب سے مضحکہ خیز بات تو یہ ہے کہ جہان آرا بیگم کا لباس ساری دکھایا گیا ہے، اور وہ ہندو دیوتاؤن سے مثلاً شیوجی اور وشنو وغیرہ سے بڑی عقیدت رکھتی تھی، اسی طرح کی اور بہت سی باتین ہین جو محض اورنگزیب اور ہندوستان کے مسلمان بادشاہون کی گذشتہ تاریخ کو بدنام کرنے کی غرض سے لکھی گئی ہین، برنیر منوکی اور اسمتھ وغیرہ جیسے متعصب یورپین مورخین نے جہان آرا بیگم کی ذات کے ساتھ بہت ہی نازیبا حکایتین منسوب کردی تھین، لیکن سنجیدہ مورخون نے حقائق کی روشنی ہی ان کی تردید کردی ہے، اب ایک اچھوتے انداز مین پھر اس شہزادی کی ذات پر نازیبا حملے کیے گئے ہین، مگر یورپین مورخون کی ہرزہ سرائی اور دشنام طرازی اس قدر عام ہو گئی ہے کہ ان کی طرف توجہ کرنے کی بھی ضرورت نہین،

اورینٹل کالج میگزین (اگست ۱۹۳۶ء) مین جہان آرا کے ایک انیس ۱۹ ورق کے رسالہ "صاحبیہ" پر ایک مضمون شائع ہوا ہے، مضمون نگار کا بیان ہی کہ جہان آرا بیگم نے اس رسالہ مین اپنے پیر و مرشد ملا شاہ بدخشی کے سوانح کے ساتھ اپنے حالات بھی قلمبند کیے ہین، آخر مین کچھ اسکے اشعار بھی ہین، یہ رسالہ میری نظر سے نہین گذرا ہے اس لیے اس پر تبصرہ کرنے سے قاصر ہون۔

جہان آرا شاعرہ بھی تھی، مونس الارواح مین جا بجا اس کے اشعار درج ہین، نمونہ کے طور پر حمد کے اشعار ملاحظہ ہون:-

آنجا کہ کمال کبریائے تو بود   عالم نمی از بحر عطائے تو بود

مارا چہ حد حمد و ثنائے تو بود   ہم حمد و ثنائے آسزائے تو بود

دیگر

اے بوصف بیان ما ہمہ ہیچ   ہمہ آن قرآن ما ہمہ ہیچ

ہرچہ بیند خیال ما ہمہ ہیچ   ہرچہ گوید زبان ما ہمہ ہیچ

ما بکنہ حقیقتت نرسیم   اے یقین و گمان ما ہمہ ہیچ

(بقیہ حاشیہ ص ۴۵۱) لکھنے شروع کیے، اور انکو ثمن برج کے ایک پتھر کے نیچے یہ لکھکر چھپا دیا کہ ثمن برج کا پتھر جب خستہ ہو جائیگا تو یہ تحریر لوگون کے ہاتھ آئے گی جس سے اس کے اصلی خیالات، جذبات اور حالات روشن ہون گے، تحریر مین رومانی اور تخیلی رنگ بہت غالب ہی اور اسلوب بیان بہت ہی دلکش اور موثر ہے، چنانچہ اس تحریر کا انگریزی ترجمہ دیدہ زیب لکھائی چھپائی کے ساتھ لندن سے ۱۹۲۱ء مین شائع کر دیا گیا ہے، ہم نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک بہت ہی غور سے پڑھا، اور اس کو سراسر جعلی اور نقلی پایا، یہ محض ایک نئے اور دلنشین انداز مین جہان آرا بیگم کے اخلاق اور کیرکٹر کو مسخ کرکے دکھانے اور اورنگزیب کی ذات سے نفرت پیدا کرنے کی کوشش مین لکھی گئی ہے، اس کتاب مین بعض لغو اور لاطائل واقعات ایسے ہین، جن کی تردید کرنا محض تضییع اوقات ہے، مثلاً جہان آرا بیگم راجپوتون کی بہت ہی مداح ہے، وہ ایک راجپوت سردار پر عاشق ہو گئی ہی، وہ شادی اس لیے نہیں کرسکتی ہے کہ اکبر نے یہ قانون بنا رکھا تھا کہ مغل بادشاہون کی لڑکیان رشتۂ ازدواج سے محروم رہین، چنانچہ جہان آرا چھپ چھپ کر اپنے محبوب راجپوت سے ملتی ہی، عشق و محبت کی باتین کرتی ہے، اور اپنی یاد تازہ رکھنے کیلیے اسکو کچھ تحفے دیتی ہے، جب دارا اور اورنگزیب مین خانہ جنگی شروع ہوتی ہی، تو جہان آرا کی محبت اور عشق مین

تذکرہ مخزن الغرائب (قلمی نسخہ دار المصنفین) مین ہے کہ مرزا محمد علی ماہر نے نو سو اشعار کی ایک مثنوی زیب النسار کی شان مین لکھی جس مین مذکورہ بالا شعر زیب النسار کو بیحد پسند آیا، واللہ اعلم بالصواب

جہان آرا کی علم پروری اور اسکے ساتھ مذہبیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہو کہ آگرہ کی جامع مسجد اسی کی بنوائی ہوئی ہے، اس نے مسجد کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنون تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا،

جہان آرا بیگم نے مرنے کے بعد بھی خواجگان چشتیہ سے اپنی عقیدت قائم رکھی، یعنی حضرت خواجہ نظام الدین اولیار کے مزار پر انوار کے ٹھیک پائین مین اپنی خواہش کے مطابق دفن ہوئی، اس کی پرہیزگاری، نیکی، انکساری اور ذوق شعری اسکے حسب ذیل شعر سے بھی ظاہر ہے، جو اس کی معمولی اور سادہ قبر پر مکتوب ہے، اس مزار کا کٹہرا تو سنگ مرمر کا ہے، لیکن تعویذ بالکل خام ہے، جو ہمیشہ سبزہ سے ڈھکا رہتا ہے،

بغیر سبزہ نہ پوشد کسے مزار مرا　　که قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

زیب النسار بیگم تیموری شہزادیون کے علمی چمنستان کا گل سرسبد زیب النسار بیگم ہے، یہ اورنگزیب عالمگیر کی سب سے پہلی اولاد دلرس بانو بیگم کے بطن سے تھی؛ دستور کے مطابق اس کو سب سے پہلے کلام پاک پڑھایا گیا، جس کیلیے عالمگیر کے ایک درباری امیر کی مان مریم کو مقرر کیا گیا، جو کلام پاک کی حافظ تھی، زیب النسار نے بھی کلام پاک حفظ کیا، مآثر عالمگیری کے موٴلف کا بیان ہے کہ اس سعادت کے صلہ مین عالمگیر نے زیب النسا کو تیس ہزار اشرفیان لطور انعام مرحمت فرمائین[2]، زیب النسا نے عربی اور فارسی کی بھی اعلی تعلیم حاصل کی، عالمگیر نامہ مآثر عالمگیری اور مراۃ العالم مین ہے:-

"واز تحصیل علوم عربی و فارسی بہرہ تمام اندوختہ"

---

[1] آثر الامراج ۲ صفحہ ۸۳۔ [2] مآثر عالمگیری اردو ترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی صفحہ ۳۰۹

مین پائی جاتی ہین، کلمات الشعرا (سرخوش) ریاض الشعرا، اور خزانۂ عامرہ مین ہے کہ جہان آرا بیگم ایک دفعہ باغ کی سیر کو ہاتھی پر برقعہ ڈالے نکلی، میر صیدی طہرانی چھپ کر تماشا دیکھنے لگا، جب ہاتھی اس کے پاس سے گذرا تو اس نے بے ساختہ یہ مطلع پڑھا،

برقع برخ افگندہ برد ناز بباغش تا نکہتِ گل بیختہ آید بدماغش

جہان آرا نے حکم دیا کہ شاعر کو کشان کشان سامنے لائین، وہ آیا تو اس سے بار بار مطلع پڑھوا کر سنا اور پانچہزار روپے دلوائے، لیکن ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کو شہر سے نکال دیا جائے، کیونکہ جہان آرا بیگم کو شعر تو پسند آیا، لیکن گستاخی پسند نہ آئی، مولانا شبلی مرحوم اپنے مقالہ "زیب النسا" مین اس روایت کو نقل کرکے رقمطراز ہین کہ اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بیگمات کے لیے کس قسم کے آداب مقرر تھے،

کلمات الشعرا (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) مین جہان آرا بیگم کی علمی فیاضی کی ایک اور مثال درج ہے، مرزا حسن بیگ رفیع قزوینی نے جو شاہجہانی دربار کا ایک معزز منصبدار اور شاعر تھا، شاہجہان آباد پر ایک مثنوی لکھی، اس شہر کے باغ حیات بخش کی تعریف مین جو اشعار لکھے وہ جہان آرا کو پسند آئے، اس کے صلہ مین اس نے پانچ سو روپے انعام اسکے پاس بھجوا دیے،

ید بیضا (قلمی نسخہ دار المصنفین) مولانا غلام علی آزاد لکھتے ہین کہ مرزا محمد علی ماہر نے جہان آرا کی مدح مین ایک مثنوی لکھکر اس کی خدمت مین پیش کی، مثنوی کے اس شعر پر جہان آرا نے اس کو پانچسو روپے انعام دیے،

بذاتِ تو صفات کردگار است کہ خود پنہان و فیضش آشکار است

مگر مولانا غلام علی آزاد اس روایت کو سرو آزاد (ص۱۱۱) مین نقل کرکے لکھتے ہین کہ شعر انکی نظر سے نعمت خان عالی کی اس مثنوی مین بھی گذرا ہے جو اس نے زیب النساء کے خرگاہ پر لکھی تھی،

نہان بود آنچہ در آثار قدرت بفعل آوردہ دست او ز قوت
ملازم دارد آن علامۃ العصر ز اہل فضل و حق چون ابو النصر
سوال تسعہ را حاضر جوابی ز کلیات دانش انتخابی
مقولاتی عشر، عشری ز گفتار ز علم ظاہر و باطن خبردار
گہے تفتیش علم صرف می شد سخن از اسم و فعل و حرف می شد
گہے در مجلسش از نحو مذکور ز مرفوع و ز منصوب و ز مجرور
گہے از ہندسہ می کرد تعداد ز قدر خط و سطح و جسم و ابعاد
گہے می رفت حرف از علم تنجیم ز اسطرلاب و استخراج و تقویم
گہے می کرد وصف علم اعداد صحیح و کسر و زوج و فرد و تعداد
گہ از علم بیان کردی حکایت ز تلمیح و ز تشبیہ و کنایت
گہ از علم معانی برد گفتار ز اسناد و ز مسند با خبردار
گہ از آثار علوی یاد می کرد حدیث ابر و برق و باد می کرد
بہیئت مطلع از طبع دراک ز تسکین زمین، تحریک افلاک
شد از علم مرایا بسکہ آگاہ بذات شخص برد، از سایہ اش راہ

اس دیباچہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیب النسا بیگم طب روحانی میں بھی حاذق تھی،

بعلم طب روحانیہ حاذق بتہذیب است اخلاقش موافق

اور، علم موسیقی سے بھی واقف تھی.

ز موسیقی و از الحانش آگاہ بگوش استماعش لیک اکراہ

بیگم کی انشا پردازی اور علمی کمال کے بارے میں لکھتا ہے:

زیب النساء کے معلمون میں صرف ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی کا نام تاریخون مین مذکور ہے،
جو اس کی عمر کے اکیسوین سال مین درسی کتب کے علاوہ، فقہ، اصول فقہ اور علم حدیث کی تعلیم کے لیے
مقرر ہوے، زیب النساء نے شعر و شاعری مین بھی انہی سے اصلاح لی[1]، اس نے علم کی تکمیل کے لیے فن
خطاطی مین بھی کمال حاصل کیا، ماثر عالمگیری کا مولف رقمطراز ہے کہ وہ ہر قسم کے خطوط یعنی نسخ، نستعلیق اور شکستہ
نہایت خوبی کے ساتھ تحریر کرتی تھی[2]، یہ فن شاید اس نے ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی ہی سے سیکھا تھا، کیونکہ
وہ نہ صرف ایک ممتاز شاعر اور عالم تھے، بلکہ خطاط اور خوشنویس بھی تھے، زیب النساء کے علم و ہنر کی بنا پر یہ
قیاس کیا جاتا ہے کہ اسکی علمی کاوش اسکی علمی و ادبی تصنیفات مین بھی ظاہر ہوگی، مگر وہ اب ناپید ہین، مخزن الغرائب
کے مولف نے اس کی صرف ایک کتاب زیب المنشآت کا حوالہ ان الفاظ مین دیا ہے،

"زیب المنشآت کہ از تالیف آنجناب است فقیر آن را زیارت نمودہ، (قلمی نسخہ دار المصنفین)

"زیب المنشآت" زیب النساء کے خطوط اور رقعات کا مجموعہ تھا، اس کی ایک بیاض خاص بھی تھی،
جو اس کی ایک خادمہ ارادت فہم نامی کے ہاتھ سے حوض مین گر کر ضائع ہوگئی، ملا سعید اشرف ماژندرانی
نے اسکی معذرت مین ارادت فہم کی طرف سے ایک طویل قطعہ لکھکر زیب النساء کی خدمت مین پیش کیا،
زیب النساء کے نام سے ایک مرقع بھی منسوب ہے جس مین قطعات، مشہور کاتبون اور خطاطون کے کمالات
کے نمونے، ماہر نقاشون اور مصورون کے ہاتھ کی بنائی ہوئی انواع و اقسام کی تصویرین تھین، یہ مرقع نایاب
ہے، لیکن اسکا دیباچہ جس کو ایک شاعر و نثار ملا ہنر راشد نے لکھا تھا، خدا بخش خان لائبریری مین موجود ہے،
یہ دیباچہ بھی نظم و نثر مین لکھا گیا ہے، اس سے زیب النساء کی علمی مجالس کا حال معلوم ہوتا ہے، شاعر مذکور
لکھتا ہے کہ بیگم کی علمی مجلسون مین نظم و نثر، صرف و نحو، ہندسہ و نجوم، معانی و بیان اور ہیئت وغیرہ پر علماء
و فضلاء جمع ہو کر بحث و مباحثہ اور تحقیق و تفتیش کیا کرتے تھے،

[1] ملا محمد سعید اشرف ماژندرانی پر ایک مفصل مضمون معارف نمبر ۲ ج ۲۱ میں ملاحظہ ہو، نیز دیکھو ماثر الکرام ج ۲ ص ۱۱۹ [2] ماثر عالمگیری

کا لفظ ہوتا تھا، چنانچہ مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ملا صفی الدین اردبیلی نے بیگم کے حکم سے تفسیر کبیر کا فارسی زبان مین ترجمہ کیا، تو اس کا نام زیب التفاسیر رکھا گیا، (ص ۴۳۹) مولف مذکور کا یہ بھی بیان ہے کہ اس کتاب کے علاوہ اور دیگر رسائل بھی بیگم کے نام سے موسوم ہوئے، (ص ۴۹۲) مگر ان رسائل کے نام کہین اور راقم حروف کی نظر سے نہین گذرے، زیب التفاسیر کا پانچوان حصہ بوڈلین لائبریری آکسفورڈ مین موجود ہے، یہ حصہ ۴۱۶ صفحون مین ختم ہوا ہے، اور خاتمہ کی تاریخ ۱۰۸۱ھ مرقوم ہے، فہرست نگار کا خیال ہے کہ یہ نسخہ خود مولف کے ہاتھ کا لکھا ہے،

زیب النساء نے اپنے بیت العلوم کے علماء و فضلا کے استفادہ کے لیے ایک اعلیٰ قسم کا کتبخانہ بھی قائم کیا تھا، مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ ہنرپرور اور علم شناس شہزادی ہمیشہ کتابون کے جمع کرنے اور نیز جدید تصنیف و تالیف کو جاری رکھنے مین کوشان رہتی تھی، اسکا کتب خانہ ہر حیثیت سے نادر الوجود تھا، (ص ۴۹۲)

زیب النساء شاعر بھی تھی، مگر اس کی شاعری کے متعلق بہت سی بے سروپا اور بے بنیاد باتین منسوب ہو گئی ہین، جن کی تشہیر غیر مسلم مصنفون نے زیادہ کی ہے، "وزڈم آف دی ایسٹ سیریز" مین لندن سے دیوان زیب النساء کے نام سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے، جس مین زیب النساء کی اول پچاس فارسی غزلون کا انگریزی ترجمہ مگن لال اور جیسی ڈنکن ویسٹ بروک نے کیا ہے، شروع مین ۲۳ صفحے کا ایک مقدمہ ہے، جو موخر الذکر انگریز خاتون ڈنکن ویسٹ بروک کا لکھا ہوا ہے، یہ مقدمہ بظاہر بہت ہی پر از معلومات ہے، اس مین زیب النساء کے معاشقہ اور اس ضمن مین اس کی بدیہہ گوئی اور حاضر جوابی کے بہت سے ناپسندیدہ قصے اور واقعات درج ہین، مگر ان کی تکذیب اور تردید ایک دوسرے غیر مسلم مورخ سرجادو ناتھ سرکار کے ایک مضمون سے ہو چکی ہے[1]، جادو ناتھ سرکار اورنگزیب عالمگیر کے سب سے بڑے ہجو نگار ہین، اس لیے

---

[1] اسٹڈیز ان مغل انڈیا ص ۹۰-۹،

بلفظ مختصر معنی مطوّل — عبارت مجمل و معنی مفصل

بعلم ادبی تر از ہر چیز دانی — نہ در اعمال گنجد حرف ثانی

ایک دوسری جگہ رقمطراز ہے:-

باہل فضل شامل جود خاصش — بعلم و شرع دایم اختصاصش

سخن سنجان معنی آفرینان — ز خرمنہائے فضلش خوشہ چینان

سخن فہم و سخن سنج و سخن دان — سخنور را نسنجد جز بمیزان[1]

شعر و شاعری کی زبان کے علاوہ شاعر مذکور دیباچہ کی نثر مین بھی بیگم کی انشاء، خوشنویسی اور شاعری کا ذکر شاندار اور باوقار الفاظ کے ساتھ کرتا ہے۔ مورخین اور تذکرہ نویس بھی انکی علمی سرپرستی اور قدردانی کے بیان مین رطب اللسان ہین، مآثر عالمگیری مین ہے، کہ علما و فضلا اور خوشنویسون کا ایک گروہ زیب النساء بیگم کی سرکار سے فیضیاب ہوا کرتا تھا (ص ۵۲۹) غلام علی آزاد ید بیضا مین لکھتے ہین:-

ہمت بر ترقیہ حال ارباب فضل و کمال مصروف می داشت، و جماعت کثیر از علماء و شعراء و منشیان و خوشنویسان بسایۂ قدردانی او آسودہ بود، و کتب و رسائل بسیار بنام او ہمت تالیف پذیرفتہ (ید بیضا قلمی نسخہ دار المصنفین)

بقول مولانا شبلی مرحوم زیب النساء کا دربار حقیقت مین ایک اکاڈمی (بیت العلوم) تھی، اس بیت العلوم مین ہر فن کے علماء و فضلاء نوکر تھے، جو ہمیشہ تصنیف و تالیف مین مصروف رہتے تھے، کتابین عموماً اس کے نام سے موسوم ہوتی تھین یعنی ان کتابون کے نام کا پہلا جزء زیب

---

[1] پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج، کلکتہ) نے مرقع کی نقل رسالہ شمع آگرہ، بابت ماہ دسمبر ۱۹۲۵ء مین شائع کی تھی، یہ اشعار اسی سے لیے گئے ہین۔

اسی سلسلہ میں احمد علی سندیلوی نے زیب النساء کے قریب پندرہ ایسے اشعار نقل کئے ہیں، جو بعض تذکروں میں زیب النساء کی طرف منسوب ہیں لیکن یقین کیساتھ نہیں کہا جاسکتا ہو کہ یہ اشعار واقعی اسی کے ہیں، مولانا شبلی مرحوم کا خیال ہے کہ اس کا سارا کلام شاید اس بیاض میں جمع ہو جو ارادت فہم سے ایک حوض میں گر کر ضائع ہو گئی، بہر حال زیب النساء کے شاعر ہونے میں کسی کو انکار نہیں ہو سکتا ہے، مرقع کا دیباچہ نگار اس کی شاعری کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان ہے:

زخیل طبع و نفس اندیشہ کردہ   پری و دیو را در شیشہ کردہ

زطبعش موجزن بحر معانی   بہ بحر شعر آب زندگانی

زنطقش نشۂ معنی زند جوش   شود سامع چو صورت محو و مدہوش

زنظم و نثر نطقش آنچہ گفتہ   در ناسفتہ گوہر ہائے سفتہ

مولانا شبلی مرحوم نے بعض تذکروں کے اسناد پر صرف مندرجۂ ذیل رباعی کو زیب النساء بیگم کی طرف منسوب کیا ہے،

بشکند دستے کہ خم در گردن یارے نشد   کور بہ چشمے کہ لذت گیر دیدارے نشد

صد بہار آخر شد و ہر گل بہ فرقے جا گرفت   غنچۂ باغ دل ما زیب دستارے نشد

مگر پروفیسر محفوظ الحق نے معارف کے مضمون ہذا میں اس رباعی کو بھی مشکوک بتایا ہے،

زیب النساء کا ذوق شعری اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ اس کی خدمت میں شعراء اپنے معروضات اشعار ہی میں پیش کرتے تھے، اوپر یہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ زیب النساء کی بیاض اسکی ایک کنیز کے ہاتھ سے حوض میں گر گئی تھی، زیب النساء کے استاد ملا سعید اشرف ماژندرانی نے کنیز کی طرف سے ایک طویل معذرت نامہ لکھ کر زیب النساء کی خدمت میں پیش کیا، یہ قطعہ مخزن الغرائب میں درج ہے، جسکی پوری نقل مقالات شبلی حصۂ پنجم کے مضمون زیب النساء میں بھی ہے، ہم یہاں اس کے صرف چند اشعار

اورنگزیب کی لڑکی زیب النسار کی حمایت مین ان کا کچھ لکھنا بجز و اگر اہ حق و صداقت کا اظہار کرنا ہے،

مولانا شبلی مرحوم نے بھی زیب النسار سے متعلق جو مہمل اور لغو روایتین مشہور ہو گئی تھین ان کی تردید اپنے مضمون "زیب النسار" مین کر دی ہے [1]

زیب النسار کے عشق و محبت کی طرح اس کا دیوان بھی محض افسانہ بن کر رہ گیا ہے زیب النسار کا ایک مجموعۂ کلام "دیوان مخفی" کے نام سے مختلف مطابع سے چھپ کر بازار مین فروخت ہوتا ہے، مگر ارباب نظر ان متداول نسخون پر اپنے خیالات ظاہر کر کے بتا چکے ہین کہ دیوان کی اندرونی شہادت کی بنا پر اس کو کسی طرح زیب النسار کا دیوان نہین کہا جا سکتا ہے، پروفیسر محفوظ الحق (پریزیڈنسی کالج کلکتہ) نے معارف نمبر ۵ جلد ۱۱ مین یہ بتایا ہے، کہ دیوان مخفی در اصل مخفی رشتی کا دیوان ہے جسکا وطن باصطرخ تھا، وہ شاہجہان کے عہد مین خراسان سے ہندوستان جلب منفعت کے لیے آیا، مگر یہان کی ہوا راس نہین آئی اور دشمنون کی ریشہ دوانیون سے قید کر دیا گیا، چونکہ شاہی دربار مین اس کی رسائی نہ ہو سکی، اس لیے اس کا کلام اورون کی طرح مشہور نہ ہو سکا، اور ایک عرصہ تک مخفی کمر محفوظ رہا، اس کا دیوان بعض غیر محقق مصنفون کے ہاتھ لگا اور اسے دیکھے اور سمجھے بغیر غالباً محض مخفی کی رعایت کی بنا پر بیگم کی جانب منسوب کر دیا،

مستند تذکرہ نویسون مین احمد علی سندیلوی بھی مخزن الغرائب مین زیب النسار کے ذکر مین لکھتے ہین:-

"او دیوان اشعارش جائے بنظر نیامدہ، اگرچہ در تذکرۂ انتخابش بنظر آمدہ ولیکن اعتبار را نشاید بسبب آنکہ اکثر شعرا اساتذہ صاحب آن تذکرہ بنام بیگم نوشتہ بود"

---

[1] مقالات شبلی ج ۵ ص ۱۰۶-۱۱۰، ملاحظہ ہو اورنٹیل پبلک لائبریری کیٹلاگ ج ۳ ص ۱-۱۵۰، اور پروفیسر محفوظ الحق کا مضمون زیب النسار اور دیوان مخفی، معارف نمبر ۵ ج ۱۱،

پیش تو قرب و بعد تفاوت نمی کند | گو خدمت حضور نباشد مرا شعار
نسبت چو باطنی است چه دہلی چہ اصفہان | دل پیش تست تن چہ بہ کابل چہ قندھار

(مآثر الکرام ص ۱۱۶ جلد دوم)

ریاض الشعراء (قلمی نسخہ بنگال ایشیاٹک سوسائٹی) میں زیب النساء کی خدمت میں شاعرانہ معروضات کے سلسلے کا ایک اور واقعہ منقول ہے، نعمت خان عالی نے جو اس زمانہ کا ایک مشہور شاعر تھا، زیب النساء کے پاس ایک مرصع کلغی فروخت کے لیے بھیجی، زیب النساء نے اس کی قیمت بھیجنے میں دیر کی تو نعمت خان نے یہ رباعی لکھکر پیش کی،

اے بندگیت سعادت اختر من | در خدمت تو عیان شدہ جوہر من
گر جیغہ خریدنی است پس کو زر من | ور نیست خریدنی بزن بر سر من

اس رباعی کے صلہ میں زیب النساء بیگم نے پانچہزار روپے دلوائے، اور کلغی بھی واپس کردی، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو خزانہ عامرہ سے نقل کیا ہے،

سنہ ۱۰۹۰ھ میں زیب النساء نے ابرک کا ایک بڑا خیمہ بنوایا، جو تمام تر شیشہ کا معلوم ہوتا تھا، نعمت خان عالی نے اس کی تعریف میں ایک چھوٹی سی مثنوی کہی، اس کے کچھ اشعار مولانا شبلی نے اپنے مضمون زیب النساء میں بھی نقل کیے ہیں، (دیکھو مقالات شبلی جلد پنجم ص ۱۱۶) زیب النساء کے دربار کے شعر و شاعری کے اسی چرچے کی بناء پر مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ عالمگیر کی خشک مزاجی سے شاعری اور شعراء کو جو نقصان پہنچا تھا، اس کی تلافی زیب النساء کے حسن مذاق سے ہوگئی تھی،

اورنگزیب کی دوسری لڑکیاں اورنگزیب کی دوسری لڑکیوں کا علم و ہنر زیب النساء کی علمی شہرت کے سامنے ماند پڑگیا تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ زیب النساء کی طرح آسمان علم و ادب کی مہرو ماہ تو نہ بن سکیں، مگر مختلف قسم کے علوم و فنون سے آراستہ و پیراستہ تھیں، مآثر عالمگیری کے مولف

ناظرین کے لیے پیش کرتے ہین:۔

اے ادا فہمے کہ پیشت فاضلان عصر را | شستن مجموعۂ اندیشہ باب افتادہ است
در تجم افلاطون زیاد دانشت سرخوش بوُد | ہمچو مخموے کہ در فکر شراب افتادہ است
ذہن صافت تا علم گردید در دانشوری | طبع افلاطون زبس در اضطراب افتادہ است
دفتر فرہنگ در چنگش مجزا گشتہ است | از کفش مجموعۂ دانش در آب افتادہ است
آن بیاض خاصۂ شاہی کہ در اطراف آن | جاے انشان نقطہاے انتخاب افتادہ است
آن مرصع خوان گہر ریزی کہ باشد جلوہ گہ | دُرِّ الفاظش بسے باآب و تاب افتادہ است

ماثر الکرام مین غلام علی آزاد بلگرامی، ملا سعید مازندرانی کے ذکر مین لکھتے ہین، کہ ایک بار زیب النسا بیگم نے استاد کی خدمت کے لیے ایک کنیز بھیجی، مگر ملا سعید اس سے خوش نہ رہ سکے، اور اسکی ہجو مین ایک قطعہ لکھکر زیب النسا بیگم کے پاس بھیجا، غلام علی آزاد نے اس قطعہ کا صرف پہلا مندرجہ ذیل شعر نقل کیا ہے،

قدر دانشور شناسا! نور چشم عالما | اے کہ ہرگز قدرت ہم چینت حوا نداشت

اس کے بعد وہ لکھتے ہین کہ اس ہجو مین ملا سعید نے کلام پاک کے الفاظ قَابَ قَوسَین اَو اَدنیٰ کو بہت ہی فحش طریقہ پر استعمال کیا، مولانا شبلی مرحوم نے بھی اس واقعہ کو نقل کیا ہے لیکن ان کو تعجب ہے کہ ملا سعید نے اس قسم کی بے اعتدالی کی جرأت کس طرح کی، کیونکہ شاہی بیگمات کے آداب اور زیب النسا کا زاہدانہ مذاق اس قسم کی جرأت کا متحمل نہین ہو سکتا تھا،

ملا سعید کو زیب النسا کی ملازمت مین جب کافی مدت گذر گئی، تو وطن واپس جانیکی خواہش ہوئی، رخصت کی درخواست ایک مدحیہ قصیدہ مین لکھکر دی، اس قصیدہ کے آخر مین لکھتے ہین:۔

یکبار از وطن نتوان برگرفت دل | در غربتم اگرچہ فزون است اعتبار

غلط نامہ بزم تیموریہ

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵	۱۱	بیری	بیروی	۳۸	۴	فواستہ شود	خواست شود
۶	۹	جابجا ذکر ہے	جابجا ذکر کیا ہے	۳۹	۴	ازایکاز	زایکاز
۷	۱۸	پنج	پانچ	”	۸	ابوالواجد	ابوالوجد
۱۹	۵	زافغال	ازافغال	۴۰	۵	مہمل	محمل
۲۷	۱۳	بنگر بہا	بنگر بہ بہا	”	۹	است کنون	رست کنون
۲۸	۱۷	وردست اہل ہے	وزدستِ اہل ہے	۴۴	۴	سوانح حیات	سوانح عمری
۲۹	۱۳	نشینم	نشینیم	۴۵	۱۹	تین اور تالیفات	دو اور تالیفات
۳۱	۱۴	واے آنست	واے آنکس	۴۸	۱	ہیئت	تو ہیئت
۳۳	۳	جبین تن	جبین من	۴۹	۵	مباحث	مباحثہ
”	۵	کمین	کمین	۵۳	۱۵	خوانی جو	خوانی نے جو
”	۱۳	زمہوشے	از مہوشے	۵۶	۱۴	لکھ نہیں سکتا تھا	لکھ نہیں سکتا تھا!
۳۴	۴	غمزدہ است	غمزدہ ات	۵۸	۳	مجنون را	مجنون زار
”	۱۰	ابزد	ایزد	۶۰	۵	من یاد دلم	من یار دلم
”	۱۱	ہم سیرت ہم آنکہ	ہم سیرت آنکہ	۶۳	۱	جس سے	اس سے
”	”	ہم صورت آنکہ ترا	ہم صورت آنکہ او ترا	۸۶	۱۱	ازادونے طلا	ازادونے چو طلا
۳۵	۲	گردست	گردست	۹۹	۷	زین جامہ	زین تامہ

بیان ہے کہ اورنگزیب کی لڑکیوں میں زینت النساء بیگم نے بھی باپ کی توجہ اور فیض تربیت سے علمی کمالات حاصل کیے، وہ عقاید مذہبی، احکام دینی اور مسائل شرعی سے بخوبی واقف و آگاہ تھی، (مآثر عالمگیری ص ۵۰۹)، صبح گلشن میں زینت النساء بیگم کا ذکر ایک شاعرہ کی حیثیت سے بھی کیا ہے، مولف کے الفاظ یہ ہیں: (ص ۱۹۲-۱۹۱)

زینت النساء بیگم ہمشیرۂ زیب النساء بیگم از بنات اورنگزیب عالمگیر بادشاہ است عالمہ و شاعرہ و حافظ کلام اللہ بود، زینت المساجد بنا کردہ اش الی الآن در شہر شاہجہان آباد موجود و معمور و بر سنگ مزارش کہ در صحن ہمان مسجد ست این شعر خودش منقوش و منقور، ؎

مونس ما در لحد فضل خدا تنہا بس است　　سایۂ از ابر رحمت قبر پوش ما بس است

مآثر عالمگیری کے مولف کا بیان ہے کہ اورنگزیب کی لڑکی بدر النساء بیگم حفظ کلام اللہ کی سعادت اور علوم دینی کی تعلیم سے بہرہ ور ہوئی، اور ہمیشہ علم کے ساتھ عمل کو بھی ملحوظ رکھا، عالمگیر کی ایک دوسری لڑکی زبدۃ النساء بیگم کے بارے میں مولف مذکور لکھتا ہے کہ ہمیشہ طاعت و عبادت و تحصیل علم میں عمر بسر کی، اور ذخیرۂ سعادت فراہم کرتی رہی،

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۹۶	۱۱	شدت	شدست	۲۳۹	۱۰	مقرب خان کو سرفراز کر	مقرب خان کے خطاب سے سرفراز فرما کر
۱۹۸	۱۹	اذچہ	ارچہ	۲۴۰	۱۳	بھی	ربھی
۱۹۹	۳	شنید	سپند	۲۴۱	۴	سرچشمہ چھوٹا	وہ سرچشمہ چھوٹا
"	۹	کم وکاست	کم کاست	"	۸	نالی معاوضہ	مالی معاوضہ
"	۸	نشیند	نشینند	۲۵۱	۲	جہانگیر	عالمگیر
"	۱۱	بردلہا	تردلہا	۲۴۶	۷	ذارہی	رازہی
۲۰۰	۱۱	ایں مصرع	این دو مصرع	۲۶۰	۱	دریاکتان	دریاکشان
۲۰۲	۱۱	زیر تسبیح	زہر تسبیح	"	۱۲	محی الدین	محی الدینی
۲۰۳	۱۲	بزیان	بزبان	۲۶۲	۱۰	رکھ مطالعہ	رکھکر مطالعہ
"	۱۳	پنان	بیان	۲۶۳	۱۹	چشم	چشم
"	۱۵	یدبی	بہ پی	۲۶۵	۵	باب	باپ
"	۱۹	گلشن	پہ گلشن	۲۶۶	۱۲	برہ	براہ
"	۱۸	دبی	ذلی	۲۶۹	۹	لاس	برلاس
۲۰۵	۱۳	غزل کے شعر	غزل کے کچھ شعر	۲۸۳	۵	گرفت	ریخت
"	۱۸	عرق	غرق	۲۸۰	۹	اس کے نظم ونثر	اس کی نظم ونثر
۲۱۱	۱۳	بڑی درک حاصل تھا	بڑا درک حاصل تھا	۲۹۰	۹	جن مین	ان مین
۲۲۸	۸	بسعادت تیموری	بسعادت ڈوڈاولک	۳۱۳	۱۰	ببرسم	بیرسیم
		بادشاہون مین	تیموری بادشاہون مین	"	۱۱	میاذور	میاذار
۲۳۰	۱۱	مصنف لکھکر بھیجا	مصنف لکھکر	۳۱۵	۱۶	چلے تھے	چلے تھا
			مدینہ منورہ بھیجا	"	۱۸	فرسے	فرسے مین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱۰۰	۶	حیات آنی	حیات ثانی	۱۲۱	۵	بکشود فضل	بکشود قفل
۱۰۱	۹	برورش	پرورش	"	۹	عرق	غرق
"	۱۵	مجو	بجو	"	"	کز جیب	کز غیب
۱۰۳	۱۹	بسیارند	بسپارند	۱۲۲	۱۵	ہرکہ	ہرگہ
۱۰۷	۱۲	نشاندہی	نشاندۂ	۱۲۳	۷	مگراپنے	مگر وہ اپنے
۱۰۹	۱۰	این است	این ست	۱۳۹	۱۲	دلاسا نامہ	دلاسا نامہ در نہایت شفقت
۱۱۰	۱۸	گری	گری	۱۴۳	۹	گروے	گروے
۱۱۰	۱۹	من دل بادل	من و دل بال	۱۵۳	۴	رادھائے	زادھائے
۱۱۲	۱۴	خود چشانی	خود چشانی	۱۵۶	۱۸	خاک	کز خاک
۱۱۳	۲	طبقاتِ اکبری جلد سوم	طبقاتِ اکبری جلد دوم	۱۵۸	۱۱	بکلاہی	بکلاہے
۱۱۳	۴	از خاک	ز خاک	۱۶۱	۱۰	بصحرا	گر بصحرا
۱۱۴	۷	ساتھ اپنے ساتھ اپنے	ساتھ اپنے	۱۶۴	۱۴	تذکرہ	مذاکرہ
۱۱۸	۸	یا فتم	پا فتم	۱۷۰	۱۳	گرمی گفت	گمری سفت
"	حاشیہ	جلد سوم	جلد دوم	۱۸۱	۱۲	فغانی	فشان
۱۱۹	۴	مجتمم	مجتمیم	۱۸۴	۱۱	حاکم اور	حاکم بناکر
"	۱۲	جلد سوم صفحہ ۲۴۹	جلد سوم صفحہ ۲۹۶	۱۸۵	۱۶	بیابان	یاران
۱۲۰	۱	جلد سوم صفحہ ۲۱۸	جلد سوم صفحہ ۲۵۶	۱۸۶	۸	حشم	چشم
"	۵	ندیدم	ندیدیم	"	"	فرده	فرہ
"	۱۰	تزد	بہ نزد	۱۸۸	۱۲	نگرد	گرد
"	۱۹	واتگہ	وانگہ	۱۸۹	۳	مد قرین	کامد قرین

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۳۲۹	۱۸	غرارہ	غرر	۳۶۶	۱۱	میرا	میر
۳۳۱	۴	آنسو بے جو	آنسو جو	۳۶۷	۱	پنہا	پنہان
"	۱۰	آہین	آہن	۳۶۹	۶	زنگ سرخ	سنگ سرخ
۳۳۵	۳	دمے	نے	۳۷۱	۱۰	ساغرے	ساغرے
۳۳۶	۱	شکوے	شکوے سے	"	۱۵	گل	گُل
"	۲	بے تو پھر	بے پھر	۳۷۶	۱۶	زبیناکر	زبیناگر
۳۳۸	۹	یا آئین	یان آئین	۳۷۷	۱۳	بزہ ای	بزدای
۳۴۲	۱۲	وہی	وہی	۳۷۸	۶	بگشاید	بگشاید
۳۴۴	۱۰	خواب تھا	یہ خواب تھا	۳۸۲	۱۳	دیدہ واست	دیداست
۳۴۷	۸	عاشق!	عاشقو	۳۸۴	۴	نیاخت	نباخت
۳۵۵	۱۲	بھرے	پھرے	"	۱۷	شے	شبے
۳۵۶	۵	نکلے ہین	نکلے ہے	"	۱۸	از	اد
"	۹	مادیہ	مارسیہ	۳۹۳	۱۳	اس	اس کے دیوان
"	۱۸	اس	اوس (یعنی شبنم)	"	۱۸	ہاکشش	ہم کشش
۳۵۷	۸	دل اوپر	دل آویز	۳۹۹	۲	دستور لفصحار	دستور الفصحاء
"	۱۲	دھوکے	دھوکے گر	۴۰۱	۱۹	کہایا	دکھایا
۳۶۰	۳	نگاہین ہین	نگاہین بھی سحر ہین	۴۱۳	۴	عاقل	غافل
"	"	سر سر	سر سر کی	۴۱۳	۲	کہتا اور	کہتا اور
"	۲۰	شکل بندی	شگل بندی	۴۱۶	حاشیہ	لکھا ہے مرتوم ہے	مرقوم ہے
۳۶۲	۲	کہتے تھے	ہی کہتے تھے	۴۲۰	۱۳	ثبب	ثبت
۳۶۳	۵	چھوڑدون	چھوڑون	صفحہ ۴۲۴ کے بعد ۴۲۸، اور ۴۲۹ کے بجاے ۴۲۸			
۳۶۴	۱۹	دل	گیا دل	۴۲۹		ہونے	چاہئین

تاریخ ہند پر دوسری کتابین

مقدمۂ رقعاتِ عالمگیر

اس مین رقعات پر مختلف حیثیتون سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فنِ انشا، اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا، کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی مین تنقیدی بحث کی گئی ہے قیمت للعہ حجم، ۳۹ صفحے،

(از سید نجیب اشرف ندوی)

رقعاتِ عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات، جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد مین جمع کئے گئے ہین، اور اُن سے علم ادب، سیاست اور تاریخ کے سیون حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، قیمت: ے ر، ۴۰۰ صفحے، (مرتبہ سید نجیب اشرف ندوی)

تاریخ سندھ

اس مین سندھ کا جغرافیہ، اسلامی فتوحات کے مفصل حالات، خلافتِ راشدہ کے زمانہ سے لے کر آٹھوین صدی ہجری تک کی حکومتون کی پوری تاریخ، اور اُن کے نظام حکومت، علمی و تمدنی حالات اور رفاہِ عام کے جو جو کام انجام پائے، ان سب کی پوری تفصیل ہے، (مؤلفہ مولانا سید ابوظفر ندوی) قیمت:- چھ روپے،

ضخامت:- ۴۰۰ صفحے،

(طالب دعا) ناشر صدیق احمد

"منیجر"